• تین سو اڑسٹھ ویں رات

جب تین سو اڑسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادہ روم کے شہر میں پہنچ کر اٹھتے بیٹھتے ہر شخص سے شہزادی اور آبنوس کے گھوڑے کی

بابت پوچھتا۔ اتفاق کی بات جس سرائے میں وہ اترا تھا' وہاں چند سوداگر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ وہ بھی ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ اور ایک سوداگر کو کہتے سنا کہ دوستو' میں نے ایک عجیب سے عجیب چیز دیکھی ہے۔ انہوں نے پوچھا' وہ کیا؟ اس نے کہا کہ میں ایک ملک میں فلاں شہر سے ہو کر گزرا۔ (اب اس نے اسی شہر کا نام لیا جس میں کہ وہ لڑکی تھی) وہاں کے باشندوں سے ایک نہایت اچنبھے کی بات سنی وہ یہ کہ ایک روز اس شہر کا بادشاہ اپنے مصاحبوں اور دیگر امراء کے ساتھ سیر و شکار کے لئے گیا۔ جب وہ جنگل میں پہنچے تو ان کا گزر ایک سبزہ زار میں سے ہوا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک مرد کھڑا ہوا ہے اور اس کے پاس ایک لڑکی بیٹھی ہوئی ہے او ایک آبنوس کا گھوڑا ہے۔ مرد تو بد صورت اور ڈراؤنی شکل کا تھا لیکن عورت نہایت حسین و جمیل' خوش رو خوش خرام' کمال درجے کی سڈول اور آبنوس کا گھوڑا تو ایک عجوبہ تھا۔ اس صنعت کا اور ایسا خوبصورت گھوڑا آج تک کسی کی نظر سے نہیں گزرا ہو گا۔

حاضرین نے پوچھا' اچھا تو بادشاہ نے پھر ان کے ساتھ کیا کیا؟ وہ بولا اس مرد سے بادشاہ نے پوچھا کہ یہ لڑکی تیری کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میری بیوی اور چچیری بہن ہے۔ لڑکی نے کہا کہ یہ جھوٹ بکتا ہے۔ اس پر بادشاہ نے لڑکی کو اس سے علیحدہ کر لیا' اسے خوب پٹوایا اور قید خانے میں بند کر دیا۔ اب رہا آبنوس کا گھوڑا اس کا مجھے علم نہیں۔ سوداگر کی یہ باتیں سن کر شہزادہ اس کے قریب گیا۔ بڑی نرمی اور لجاجت کے ساتھ اس سے اس شہر اور بادشاہ کا نام پوچھا اور جب شہزادے کو شہر اور بادشاہ کا نام معلوم ہو گیا تو وہ رات اس نے بری خوشی میں گزاری۔

صبح ہوتے ہی وہ چل کھڑا ہوا اور چلتے چلتے اس شہر تک پہنچ گیا مگر جونہی وہ چاہتا تھا کہ شہر میں داخل ہو' دربانوں نے اسے پکڑ لیا اور بادشاہ کے پاس لے جانے کا قصد کیا تا کہ بادشاہ اس کے حالات دریافت کرے کہ کون ہے؟ اس شہر میں کیوں ایا ہے اور کون سی دستکاری جانتا ہے۔ یہی بادشاہ کا دستور تھا کہ وہ پردیسیوں سے ان کا حال اور دستکاری پوچھتا۔ شہزادہ اس شہر میں شام کے وقت پہنچا تھا اس وقت اسے بادشاہ کے سامنے لے جانا ممکن نہ تھا' اس لیے دربان اسے قید خانے میں لے چلے لیکن دربانوں نے دیکھا کہ وہ حسین و جمیل ہے۔ ان کے دل نے گوارا نہ کیا کہ وہ اسے قید خانے میں بند کر دیں۔ انہوں نے اسے باہر ہی اپنے ساتھ بٹھا لیا اور کھانا آیا تو اس نے ان کے ساتھ بیٹھ کر کھایا۔ کھانے کے بعد وہ سب باتیں کرنے لگے۔ انہوں نے شہزادے سے پوچھا کہ تیرا وطن کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں اکاسرہ کے ملک فارس کا رہنے والا ہوں۔ دربانوں نے جو اس کی باتیں سنیں تو ہنس پڑے اور کہنے لگے کہ اے کسروی ہم نے بہت لوگوں کی باتیں سنی ہیں' ان کے حالات ہمارے کان تک پہنچے ہیں اور ہم نے خود ان کو دیکھا ہے لیکن نہ اس کسروی سے زیادہ جھوٹا جو یہاں قید میں ہمارے حصے میں آیا ہے نہ اس سے زیادہ بد صورت ہمارے دیکھنے میں ہے۔

شہزادے نے پوچھا کہ اس سے کون سا جھوٹ سرزد ہوا؟ انہوں نے کہا کہ وہ اپنے آپ کو حکیم بتاتا ہے۔ ایک روز بادشاہ شکار پر جا رہا تھا کہ اس نے اسے راہ میں دیکھا۔ اس کے ساتھ ایک عورت تھی جو حسن و جمال' خوبروئی و کمال قد و قامت میں بے نظیر تھی اور اس کے ساتھ ایک سیاہ آبنوس کا گھوڑا بھی تھا۔ جس سے زیادہ خوبصورت ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ لڑکی تو اب محل میں ہے۔ بادشاہ کو اس سے محبت ہو گئی ہے لیکن اس کا دل الٹ گیا ہے۔ اگر یہ شخص حکیم ہوتا جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے تو وہ اسے اچھا کر دیتا۔ بادشاہ بہت چاہتا ہے کہ وہ اچھی ہو جائے اور وہ برابر اس کی بیماری کا علاج کر رہا ہے گھوڑا شاہی عجائب خانے میں ہے اور وہ بد شکل آدمی ہمارے پاس قید خانے میں بند ہے۔ جب رات ہوتی ہے تو وہ اپنی حالت پر غمگین ہو کر روتا

پیٹتا ہے اور ہمیں سونے نہیں دیتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو انہترویں رات

تین سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بڑے پہرے داروں نے ایرانی حکیم کا ذکر کیا تو شہزادے نے سوچا کہ کسی نہ کسی تدبیر سے اپنا مقصد پورا کرنا چاہیے۔ ادھر جب پہرے دار سونے لگے تو انہوں نے شہزادے کو قید خانے میں ڈال کر دروازہ بند کر دیا۔ اس نے حکیم کو فارسی میں اپنے اوپر روتے اور نوحہ کرتے سنا۔ وہ کہہ رہا تھا کہ حیف ہو مجھ پر کہ میں اپنے اور شہزادے کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہوا۔ لڑکی کے ساتھ وہ حرکت کی کہ نہ اسے آرام سے رہنے دیا اور نہ میری مراد پوری ہوئی۔ یہ میری سمجھ کی خرابی ہے۔ میں ایسی چیز کا خواہش مند ہوا جس کا میں مستحق نہ تھا اور نہ جو مجھ جیسوں کے لئے مناسب تھی۔ جو کوئی نا مناسب چیز کی خواہش کرتا ہے' وہ میری ہی طرح مصیبت میں گرفتار ہو جاتا ہے۔

حکیم کی یہ باتیں سن کر شہزادے نے اس سے فارسی میں گفتگو کی اور کہا کہ تو آخر کب تک روتا پیٹتا رہے گا۔ کیا تیرا خیال ہے کہ تجھ جیسی مصیبت کسی اور پر نہ پڑی ہو گی؟ جب حکیم نے اس کی گفتگو سنی تو وہ اس سے مانوس ہو گیا اور اس کے آگے سارا دکھڑا رویا اور تمام تکلیفوں کا ذکر کیا۔

صبح نمودار ہوتےہی تو پہرے دار شہزادے کو بادشاہ کے پاس لے گئے اور کہا کہ یہ شخص کل شام کو ایسے وقت پر پہنچا تھا کہ اسے بادشاہ کے سامنے پیش کرنا ممکن نہ تھا۔ بادشاہ نے شہزادے سے پوچھا کہ تو کس ملک سے آیا ہے' تیرا نام کیا ہے' تو کون سی دستکاری جانتا ہے اور یہاں کیوں آیا ہے؟ شہزادے نے کہا کہ فارسی میں میرا نام ہرجا ہے میرا وطن فارس ہے اور میں عالم آدمی ہوں خصوصاً طلب کا ماہر۔ میں بیماروں کا خاص کر پاگلوں کا علاج کرتا ہوں۔ ملکوں اور شہروں کا سفر اس لئے کرتا ہوں کہ میرے علم میں اضافہ ہو' اگر کوئی بیمار ملتا ہے تو میں اس کا علاج بھی کر دیتا ہوں۔

بس یہ ہے میری دستکاری۔ بادشاہ اس کی باتیں سن کر بہت خوش ہوا اور کہنے لگا کہ اے فاضل حکیم تو ٹھیک ایسے وقت پر آیا ہے کہ ہمیں تیری ضرورت تھی۔ پھر اس

نے لڑکی کا سارا قصہ بیان کیا اور کہا کہ اگر تو اس کا علاج کر کے اس کا جنون دور کر دے تو جو تو مانگے گا' میں دوں گا۔ بادشاہ کی گفتگو سننے کے بعد شہزادہ بولا۔ خدا بادشاہ سلامت کی عزت قائم رکھے! جو جو باتیں تو نے اس کے جنون کی دیکھی ہیں بیان کر اور یہ بتا کہ وہ کتنے دن سے جنون میں مبتلا ہے اور تو نے اسے اور گھوڑے اور حکیم کو کس طرح گرفتار کیا؟ بادشاہ نے شروع سے لے کر آخر تک سارا قصہ بیان کر دیا اور یہ بھی کہا کہ حکیم اس وقت قید خانے میں ہے۔ شہزادے نے کہا اے بلند اقبال بادشاہ جو گھوڑا اس لڑکی کے ساتھ تھا اسے تو نے کیا کیا؟

وہ بولا' اے جوان وہ میرے پاس ہے ایک حجرے میں حفاظت سے ہے۔ شہزادے نے اپنے دل میں کہا کہ سب سے پہلے مجھے اس گھوڑے کو دیکھ کر جانچ پڑتال کرنی چاہیے۔ اگر وہ سالم ہے اور اس میں کوئی خرابی نہیں تو بس میری مراد پوری ہو گئی اور اگر اس میں کوئی حرکت باقی نہیں رہی تو مجھے اپنی جان چھڑانے کی تدبیر سوچنی مقدم ہے۔ جب اس نے بادشاہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ اے بادشاہ پہلے مجھے وہ گھوڑا دکھا۔ ممکن ہے کہ مجھے اس میں سے کوئی ایسی چیز ہاتھ لگے جو لڑکی کے علاج میں کام دے۔ بادشاہ کھڑا ہو گیا اور شہزادے کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھوڑے کے پاس لے گیا۔ شہزادے نے گھوڑے کے گرد چکر لگا کر اس کی جانچ پڑتال کی اور اس کی ہر چیز پر نظر ڈالی۔ دیکھا کہ وہ درست حالت میں ہے۔ اس پر کوئی حادثہ نہیں گزرا۔ شہزادہ مطمئن ہو کر کہنے لگا کہ خدا تیری عزت قائم رکھے! اب میں چاہتا ہوں کہ لڑکی کے پاس جا کر اس کا حال دیکھوں۔ مجھے خدا کی ذات سے امید ہے کہ انشاء اللہ اس گھوڑے کی وجہ سے لڑکی کا علاج میرے ہاتھ سے ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے تنبیہہ کی کہ گھوڑے کو حفاظت سے رکھا جائے اور بادشاہ کے ساتھ اس مکان میں گیا جہاں لڑکی تھی۔

شہزادہ لڑکی کے پاس پہنچا تو اس نے دیکھا کہ وہ پاگلوں کی طرح اول جلول بکتی اور وحشیوں کی سی حرکتیں کرتی ہے۔ اسے جنون تو نہ تھا لیکن وہ باتیں اس وجہ سے کرتی تھی کہ کوئی اس کے پاس نہ پھٹکے۔ شہزادے نے اسے اس حال میں پایا تو کہنے لگا کہ اے فتنہ! ڈرنے کی کوئی بات نہیں۔ اس کے بعد وہ اس سے نرمی اور مہربانی سے پیش آیا اور اسے بتا دیا کہ وہ کون ہے۔ جب لڑکی نے اسے پہچانا تو خوشی کے مارے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑی۔ بادشاہ نے سمجھا لڑکی ڈر گئی اور وہ بے چین ہو گیا۔ شہزادے نے اپنا منہ لڑکی کے پاس لا کر کہا کہ اے فتنہ! اپنی اور میری جان پر رحم کر ذرا صبر سے کام لے اور دل مضبوط رکھ۔ اس وقت صبر اور استقلال کی ضرورت ہے۔ عقل سے کام لینے کا وقت ہے تا کہ کسی حیلے سے ہم اس ظالم بادشاہ سے نجات پائیں۔ میں بادشاہ سے کہتا ہوں کہ تیری بیٹی پر جنوں کا بھوت سوار ہے۔ میں ذمہ داری لیتا ہوں کہ اسے اچھا کروں گا بشرطیکہ تو اس کی بیڑیاں کھول دے' بیڑیاں کھلنے پر ہی بھوت بھاگ جائے گا۔ پھر جب بادشاہ تیرے پاس آئے تو اس سے سمجھ کر کہ باتیں کیجیو تا کہ وہ یقین کر لے کہ تو میرے ہاتھ سے اچھی ہو گئی ہے۔ اس طرح ہمارا مطلب حل ہو جائے گا۔ لڑکی نے ہامی بھر لی اور شہزادے نے خوش خوش بادشاہ کے پاس جا کر کہا کہ اے خوش اقبال بادشاہ! تیری خوش قسمتی سے اس کا مرض اور علاج ختم ہو گیا۔ تیری خاطر میں نے اسے اچھا کر دیا۔ اٹھ اور اس کے پاس جا کر نرمی سے گفتگو کر اور مہربانی سے پیش آ اور جس چیز سے وہ خوش ہوا اس کا وعدہ کر۔ یقین جان کہ جو کچھ تو اس سے مانگے گا تجھے بھرپور ملے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- تین سو سترویں رات

جب تین سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادے نے بادشاہ سے کہا کہ تو جو کچھ اس سے مانگے گا' بھر پور ملے گا۔ یہ سن کر بادشاہ اٹھا اور لڑکی کے پاس گیا۔ لڑکی اسے دیکھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس کے آگے زمین چومی اور اس کا خیر مقدم کیا۔ بادشاہ کی باچھیں کھل گئیں۔ اس نے کنیزوں اور نوکروں کو حکم دیا کہ اس کی خدمت میں کمر بستہ ہوں' اسے حمام لے جائیں۔ اس کے لئے زیور اور پوشاکیں تیار کریں۔ لونڈیاں باندیاں شہزادی کے پاس آئیں اور انہوں نے سلام کیا تو اس نے نہایت مہربانی اور شیریں کلامی سے سلام کا جواب دیا۔ اس کے بعد انہوں نے اسے شاہانہ پوشاک پہنائی۔ گلے میں ہیروں کا ہار ڈالا اور اسے حمام لے گئیں۔
حمام سے نکلی تو چودہویں کے چاند کی طرح معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ کے پاس پہنچ کر اس نے سلام کیا' اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ بادشاہ بہت خوش ہوا اور شہزادے سے کہنے لگا کہ یہ سب تیری برکت ہے۔ خدا ہمیں تیرے دم سے اور زیادہ نفع پہنچائے۔
اس نے کہا اے بادشاہ! اس کے علاج اور تندرستی کی تکمیل اس پر منحصر ہے کہ تو اور تیرے سب مصاحب اور تیرا کل لشکر اس جگہ چلیں جہاں وہ تجھے ملی ہے اور وہ آبنوس کا گھوڑا بھی ساتھ ہو جس پر وہ آئی تھی۔ وہاں میں اس بھوت کو جلا کر خاک کر ڈالنے کی تدبیر کروں گا تا کہ وہ دوبارہ نہ آ سکے۔ چنانچہ بادشاہ نے آبنوس کے گھوڑے اور ایرانی حکیم کو وہاں بھیج دیا جہاں وہ اسے ملے تھے اور لڑکی کو اپنے ہمراہ لے کر سارے لاؤ لشکر کے ساتھ سوار ہوا۔
یہ سب کے لئے ایک تماشا تھا۔ کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ شہزادہ کیا کرنا چاہتا ہے۔
سب لوگ اس سبزہ زار کے پاس پہنچے تو شہزادے نے' جو اب حکیم بنا ہوا تھا' کہا کہ لڑکی اور گھوڑا بادشاہ اور لشکر سے کچھ فاصلے پر رکھے جائیں اور بادشاہ سے بولا اجازت

ہو تو میں اپنے قاعدے کے موافق دھونی دوں' منتر پڑھوں اور بھوت کو گرفتار کروں تا کہ وہ لڑکی کی طرف کبھی رخ نہ کرے۔ بادشاہ نے ان باتوں کی اجازت دے دی تو وہ کہنے لگا۔ اس کے بعد میں آبنوس کے گھوڑے پر سوار ہو کر لڑکی کو اپنے پیچھے بٹھاؤں گا اور گھوڑا اچھلتا کودتا تیرے پاس آ جائے گا اور علاج کی تکمیل ہو جائے گی پھر جو تیری مرضی ہو کیجیو۔ اس کی باتوں سے بادشاہ بالکل مطمئن تھا۔

دھائی دھونی رمانے کے بعد شہزادے نے گھوڑے پر سوار ہو کر شہزادی کو اپنے پیچھے بٹھا لیا اور اسے اپنی کمر سے خوب کس کر باندھ دیا۔ بادشاہ اور تمام لشکر والے شہزادی کی طرف دیکھ رہے تھے کہ اس نے یکا یک اڑان کے پیچ کو پھرایا اور گھوڑا انہیں لے کر ہوا میں اڑا۔ بادشاہ اور لشکری دیکھتے کے دیکھتے ہی رہ گئے اور وہ ان کی نظروں سے غائب ہو گیا۔ بادشاہ آدھے دن تک اس کی واپسی کی راہ دیکھتا رہا مگر جب وہ نہ آیا اور بادشاہ کو نا امیدی ہو گئی تو وہ بہت پچھتایا اور لڑکی کی جدائی پر غم زدہ ہوا اور اپنے شہر واپس چلا گیا۔

شہزادہ خوش خوش اپنے باپ کے شہر کی طرف روانہ ہو کر ہوا سے باتیں کرتا ہوا اپنے محل پر جا اترا اور لڑکی کی حفاظت کا پورا پورا بندوبست کر کے اپنے ماں باپ سے ملا اور انہیں سلام کیا اور لڑکی کے آنے کی خبر دی۔ سب خوش ہو گئے اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔

ادھر کا تو قصہ یہ ہوا۔ اب ادھر روم کے بادشاہ کی سرگزشت سنئے۔ انتظار کرتے کرتے مایوس ہو گیا تو واپس لوٹا اور غمگین زدہ ہو کر اپنے محل میں چھپ کر بیٹھ گیا۔ وزیر آتے' طرح طرح سے اس کی تشفی کرتے اور کہتے کہ جو شخص لڑکی کو لے گیا ہے جادوگر ہے شکر ہے خدا کا جس نے تجھے اس کے جادو اور مکر سے چھٹکارا دیا۔ اسی طرح کی باتوں کو یہاں تک دہرایا کئے کہ بادشاہ کو لڑکی کی طرف سے تسلی ہو گئی۔ وہاں شہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- تین سو اکہترویں رات

جب تین سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ شہزادے نے سارے شہر کو ولیمے کی دعوت دی۔ پورے ایک مہینے تک یہ خوشی کے جلسے رہے۔

شہزادے کے باپ نے اس خیال سے کہ پھر کوئی نئی افتاد نہ آ پڑے' آبنوس کے گھوڑے کو ایسا چکنا شور کر دیا کہ اس میں کوئی حرکت باقی نہ رہی۔ اس کے بعد شہزادے نے لڑکی کے باپ کو ایک خط لکھا' اسے بیٹی کی خیریت سے مطلع کیا اور یہ کہ میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی ہے اور شہزادی اس کے پاس ہر طرح سے آرام میں ہے۔ یہ ایک قاصد کو دے کر عمدہ عمدہ ہدیے اور تحفے اس کے ہمراہ کر دیئے۔ قاصد صنعا سے یمن پہنچا جو لڑکی کے باپ کا دارالسلطنت تھا خط و ہدیے پیش کئے۔ بادشاہ نے خط پڑھا تو بہت خوش ہوا' ہدیے قبول کئے۔ قاصد کے ساتھ بڑے التفات سے پیش آیا۔ پھر اس نے بھی اپنے داماد کے لئے عمدہ عمدہ سوغاتیں تیار کیں۔ خوب لے دے کر قاصد کو رخصت کیا۔ قاصد واپس آیا تو اس نے کہا کہ اپنی بیٹی کی خبر معلوم کر کے باپ کو بڑی خوشی ہوئی۔ شہزادے کو بھی اطمینان ہو گیا اور وہ اپنے خسر کو برابر ہر سال خط لکھتا اور ہدیے بھیجتا۔ کچھ عرصے بعد شہزادے کے باپ نے قضا کی اور وہ اس کی جگہ تخت نشین ہوا۔ رعایا پروری اور عدل و انصاف کے ساتھ پورا پور حق ادا کیا۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک قالب تھا تو وہ اس کی جان۔ لوگ اس کی تعریفیں کرتے اور فرمانبرداری بجا لاتے۔ انہوں نے غرض کہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔ یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا' صحبتوں کو درہم برہم' محلوں کو ویران اور قبروں کو آباد کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی مرتی نہیں اور جس کے ہاتھ میں حکومت اور قدرت ہے۔

○ وردفی الاکمام اور انس الوجود کی کہانی

پرانے زمانے میں ایک عظیم الشان بادشاہ تھا۔ بڑی قوت اور بڑے دبدبے والا تھا۔ اس کا ایک وزیر تھا' ابراہم نام۔ اس وزیر کی ایک بیٹی تھی۔ حسن و جمال میں بے نظیر اور علوم و فنون اور دیگر کمالات میں لاجواب۔ وہ جتنی حسین تھی' اتنی ہی عقلمند اور سلیقہ شعار تھی لیکن ساتھ ہی اسے مئے نوشی' حسن پرستی' لطیف اشعار اور عجیب و غریب کہانیوں کے بھی چسکے تھے۔

اس کا نام وردفی الاکمام تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس میں انتہائی لطافت اور کمال درجے کی خوب روئی دونوں چیزیں جمع تھیں۔ اس کی سلیقہ مندی کی وجہ سے بادشاہ اس کو اپنی مصاحبت میں رکھتا تھا۔ بادشاہ کا دستور تھا کہ ہر سال اپنی سلطنت کے امراء کو جمع کر کے چوگان بازی کرتا۔ اسی موقع پر ایک دن جبکہ لوگ چوگان کھیلنے جمع ہوئے' وزیر زادی بھی تماشا دیکھنے اپنے جھروکے میں آ کر بیٹھی۔ لوگ ابھی کھیل میں مشغول ہی تھے کہ وزیر زادی نے دیکھا کہ لشکر کے درمیان ایک جوان ہے جس سے زیادہ حسین اور آن بان والا ممکن نہیں۔ وجیہ شکیل' خندہ رو' بانہیں لمبی لمبی اور شانے چوڑے۔ وہ اسے بار بار دیکھتی اور دل سیر نہ ہوتا۔ آخر کار اس نے اپنی ماما سے پوچھا کہ یہ خوبصورت جوان جو لشکر کے درمیان بیٹھا ہوا ہے اس کا کیا نام ہے؟ ماما نے کہا کہ اے میری بیٹی خوبصورت تو سب ہی ہیں' تیرا اشارہ ان میں سے کس کی طرف ہے؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ٹھہر جا' میں تجھے ابھی بتاتی ہوں۔ یہ کہہ کر ایک سیب لیا اور جوان کی طرف پھینکا۔ اس نے آنکھ اٹھا کر دیکھا کہ وزیر زادی جھروکے میں کھڑی ہے جیسے اندھیرے میں چاند۔ ابھی اس نے اس کی طرف سے نظر ہٹائی بھی نہ تھی کہ وہ اس پر عاشق اور اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ جب کھیل ختم ہوا تو وزیر زادی نے اپنی ماما سے کہا کہ اب بتا کہ اس جوان کا کیا نام ہے جسے میں نے تجھے

دکھایا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ اس کا نام انس الوجود ہے۔ یہ سن کر وزیر زادی نے سر ہلایا اور اپنی جگہ بیٹھی کی بیٹھی رہ گئی۔ اس کا دل میں ایک آگ بھڑک اٹھی۔

اس نے ایک خط لکھا اور ریشم کے کپڑے میں جس پر سونے کا کام تھا لپیٹ کر اپنے تکیے کے نیچے رکھ لیا۔

ایک لونڈی نے اسے تکیے کے نیچے خط رکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ وہ اس کے پاس آئی اور اسے ایسا باتوں میں لگایا کہ وہ سو گئی۔ اب اس نے چپکے سے وہ خط اس کے تکیے کے نیچے سے نکال کر پڑھا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وزیر زادی کو انس الوجود سے محبت ہو گئی ہے۔ خط پڑھ چکی تو اس نے پھر اسے اسی جگہ رکھ دیا۔ اس کی مالکہ وردفی الاکمام کی آنکھ کھلی تو اس نے کہا کہ اے میری آقا' چونکہ مجھے تجھ سے محبت ہے اس لئے میں تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں کہ محبت بری بلا ہے' اس کا چھپانا لوہے کو گلانے کے برابر ہے' اس سے درد اور بیماریاں پیدا ہوتی ہیں تاہم محبت میں گرفتار ہونا کوئی عیب کی بات نہیں۔ وردفی الاکمام نے کہا کہ اے میری لونڈی تو پھر محبت کا علاج کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' وصال۔ وزیر زادی نے کہا کہ وصال کس طرح نصیب ہو؟ وہ بولی! اے میرے آقا خط و کتاب' شیریں گفتاری اور سلام و پیام کی زیادتی سے۔ یہی ذریعہ ہے محبوبوں سے ملاقات کا' اسی سے مشکل کام آسان ہوتے ہیں اے میرے مولی اگر تجھ پر کوئی ایسی مصیبت پڑی ہو تو مجھ سے زیادہ اور کوئی اس بات کا اہل نہیں جو تیرا بھید چھپائے' تیری مراد پوری کرے اور تیرے خطوط پہنچائے۔

یہ باتیں سن کر وردفی الاکمام کی عقل مارے خوشی کے جاتی رہی لیکن اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ وہ اپنے انجام پر غور کرنے اور اپنے دل میں کہنے لگی کہ یہ راز ابھی تک راز ہے۔ بے سوچے سمجھے اس عورت سے کہنا نہیں چاہیے۔ ماما نے کہا کہ اے میری آقا میں نے خواب دیکھا ہے کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہہ رہا ہے کہ تیری آقا اور انس الوجود ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں' انہیں ملانے میں سخت کوشش

کر اور ان کے خطوط ایک دوسرے کو پہنچا۔ ان کی حاجت روائی کر اور ان کی حالت اور بھید کسی پر ظاہر نہ کر۔ یہ تیرے حق میں بہت سود مند ثابت ہو گا۔ یہ ہے میرا

خواب جو میں نے تجھ سے بیان کیا۔ آئندہ تجھے اختیار ہے۔ جب وہ اپنا خواب بیان کر چکی تو وردفی الاکمام نے اس سے کہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• تین سو بہترویں رات

جب تین سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا‘ اے نیک نہاد بادشاہ ------- وردفی الاکمام نے لونڈی سے کہا‘ اے لونڈی کیا تو بھید رکھ سکتی ہے؟ اس نے جواب دیا مجھ سی شریف

زادی اور بھید نہ رکھ سکے! وزیر زادی نے وہ خط نکال کر اسے دے دیا اور کہا کہ یہ خط انس الوجود کے پاس لے جا کر اس کا جواب لے آ۔ لونڈی خط لے کر چل دی اور انس الوجود کے پاس پہنچ کر اس کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور نہایت ادب سے سلام کر کے اسے خط دے دیا۔ اس نے پڑھا‘ مطلب سمجھا اور کاغذ کے دوسری طرف جواب لکھ کر اسے بند کیا چوما اور لونڈی کو دے کر کہا کہ اے لونڈی‘ اپنی آقا سے کہیو کہ مجھ پر عنایت کی نظر رکھے۔ لونڈی نے واپس آ کر جواب اپنی مالکہ کے حوالے کر دیا۔ لڑکی نے اسے بوسہ دیا‘ سر پر رکھا‘ پھر کھول کر پڑھا‘ مطلب سمجھا اور اس کے نیچے اس کا جواب لکھ دیا۔ جب وہ لکھ چکی تو اسے تہہ کر کے ماما کے ہاتھ میں دیا اور وہ اسے لے کر وزیر زادی وردفی الاکمام کے پاس سے چلی۔ راستے میں حاجب نے پوچھا کہ کہاں جاتی ہے؟ اس نے جواب دیا حمام۔ لیکن حاجب کے ٹوکنے سے کچھ ایسی گھبرائی کہ دہلیز پار کرتے وقت وہ خط نکل پڑا۔

بڑھیا تو چھپا کے سے نکل گئی۔ خط گرنے کی اسے خبر تک نہ ہوئی۔ اب سنئے ایک نوکر نے اسے راہ میں پڑا دیکھ کر اٹھا لیا۔ اتنے میں وزیر زنان خانے سے نکل کر مردانے میں آیا اور نوکر جسے خط ملا تھا اس کے پاس گیا۔ وزیر بیٹھا ہی تھا کہ نوکر نے اسے خط پیش کر کے عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ مجھے یہ خط گھر کی دہلیز پر پڑا ملا ہے اور میں اسے اٹھا لایا ہوں۔ وزیر نے کاغذ اس کے ہاتھ سے لے کر کھولا۔ وہ تحریریں پڑھیں جو اس کے اندر لکھی ہوئی تھیں اور ان کا مطلب سمجھا۔ غور سے دیکھنے کے بعد اسے معلوم ہوا کہ وہ اس کی بیٹی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ وہ روتا ہوا لڑکی کی

ماں کے پاس پہنچا اور اتنا رویا کہ اس کی داڑھی بھیگ گئی۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اے میرے مولی تو کیوں روتا ہے؟ وزیر نے جواب دیا کہ اس میں اس کی بیٹی وردفی الاکمام اور انس الوجود کی خط و کتابت ہے۔ کلیجے پر گھونسا سا لگا لیکن اس نے اپنے دل پر جبر کر کے آنسو روکے۔ وزیر سے کہنے لگی اے میرے مولی رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ہمیں چاہیے کہ کوئی ایسی تدبیر سوچیں جس سے تیری عزت و آبرو پر بٹہ نہ لگے اور تیری بیٹی کا معاملہ بھی تشت ازبام نہ ہو۔ وہ اسی طرح شوہر کو تسلی دیتی اور اس کی چوٹ کو سہلاتی رہی۔ وزیر نے کہا بدنامی تو ایک طرف' محبت سے مجھے اپنی بیٹی کے متعلق بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ تو جانتی نہیں کہ سلطان کو انس الوجود سے کیسا عشق ہے اور اس لئے دو باتوں سے میں بہت ڈرتا ہوں۔ اول تو خود اپنی بیٹی کی وجہ سے کیونکہ وہ میری بیٹی ہے اور دوسرے سلطان کی طرف سے کیونکہ انس الوجود اس کا معشوق ہے۔ تعجب نہیں کہ بات کا بتنگڑ بن جائے۔ اس میں تیری کیا رائے ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو تہترویں رات

جب تین سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب وزیر نے اپنی بیوی سے لڑکی کے متعلق اپنے اندیشے بیان کئے اور پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے تو اس نے جواب دیا' اتنی دیر ٹھہر کہ میں استخارے کی نماز پڑھ لوں۔ یہ کہہ کر اس نے دو رکعت استخارے کی نماز پڑھی۔ نماز پڑھ چکی تو اس نے اپنے شوہر سے کہا کہ بحرا لکنوز کے بیچ میں جبل الشکلا نامی ایک پہاڑ ہے (اس نام کی وجہ عنقریب بیان کی جائے گی) اس پہاڑ تک پہنچنے کا راستہ بہت دشوار گزرار ہے۔ بیٹی کو وہاں لے جا کر رکھ۔ اس اصلاح میں وزیر نے اپنی بیوی سے اتفاق کیا کہ اس پہاڑ پر ایک عالیشان مکان بنوائے اور بیٹی کو وہاں رکھنے کا بندوبست کرے۔ ایک ایک سال کا کھانا پینا اس کے پاس پہنچاتا رہے اور ایسے لوگوں کو وہاں رکھے جن سے اس کا دل بہلے اور جو اس کی خدمت کریں۔ چنانچہ وزیر نے بڑھیوں' معماروں اور مہندسوں کو بلوا کر اس پہاڑ کی طرف روانہ کر دیا۔ انہوں نے ایسا محل تیار کر دیا جس کی نظیر کسی کی نظر سے نہ گزری ہو گی۔ اس کے بعد اس نے راہ کا کھانا پینا اور سواری مہیا کی اور رات کے وقت اپنی بیٹی کے پاس جا کر کہا کہ روانہ ہو۔ لڑکی تاڑ گئی کہ جدائی سر پر آ کھڑی ہوئی۔ وہ باہر نکلی اور سفر کی تیاریاں دیکھیں تو زار زار رونے لگی اور دروازے پر چند کلمے لکھ دیئے تا کہ انس الوجود کو معلوم ہو جائے کہ عشق نے اس کے سر پر کیا مصیبت ڈھائی ہے۔ ان الفاظ کو پڑھنے والوں کے رونگٹے کھڑے ہوتے' پتھر پگھلنے لگتے اور آنسو جاری ہو جاتے تھے۔ آخر روتی دھوتی وہ سوار ہو گئی۔ قافلہ چل کھڑا ہوا اور جنگل بیابان پہاڑیاں طے کرتا بحرا لکنوز پہنچا۔ سمندر کے کنارے ڈیرے ڈال دیئے۔ وزیر زادی کے لئے ایک عالی شان کشتی بنا کر اسے اور اس کے ساتھیوں کو سوار کیا۔ یہ حکم انہیں وزیر سے مل چکا تھا کہ جب وہ لوگ پہاڑ پر پہنچیں اور لڑکی کو محل میں

داخل کر چکیں تو کشتی لے کر واپس آ جائیں اور خشکی پر اتر کر اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں۔ غرض کہ انھوں نے بالکل ویسا ہی کیا جیسا کہ انہیں حکم ملا تھا اور ساری سرگزشت پر افسوس کرتے واپس آ گئے۔

یہ قصہ یہاں ختم ہوا اب انس الوجود کا حال سنو۔ اس نے صبح کے وقت اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سوار ہو کر سلطان کی خدمت میں روانہ ہو گیا۔ راہ میں وہ دستور کے موافق وزیر کے دروازے پر سے گزرا کہ شاید وزیر کے مصاحبوں میں سے کوئی اسے مل جائے۔ جونہی اس کی نظر دروازے پر پڑی' اس نے وہ اشعار جن کا اوپر ذکر آ چکا ہے وہاں لکھے دیکھے۔ دیکھتے ہی اسے سکتہ سا ہو گیا۔ دماغ میں شعلے اور دل میں آگ بھڑکنے لگی۔ وہ اپنے گھر پلٹ پڑا اور کسی پہلو چین نہ آتا' طبیعت بے قابو ہوئی جاتی تھی۔

اسی پریشانی اور بے چینی میں رات ہو گئی' صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ گیا اور وہ کسی کو خبر دیئے بغیر بھیس بدل کر رات کے اندھیرے میں دیوانہ وار گھر سے نکل کھڑا ہوا۔ رنج و غم کی شدت میں اسے یہ بھی ہوش نہ تھا کہ کدھر جا رہا ہوں۔ اسی طرح بے سروپا رات بھر چلتا رہا۔ صبح ہوئی' دن نکلا دھوپ تیز ہو گئی' پہاڑ تپنے لگے اور پیاس کے مارے برا حال ہوا تو کہیں اس کے قدم ست پڑے۔ اب اس کی نظر ایک درخت پر پڑی جس کے قریب چشمہ بہہ رہا تھا۔ وہ جا کر درخت کے نیچے چشمے کے کنارے بیٹھ گیا اور اور دم لے کر پانی پینے لگا تو کچھ مزہ نہ آیا' پیاس نہ بجھی تلووں میں چھالے' گٹے سوج ہوئے' چہرہ زرد' پتلا حال' نہ سنگ نہ ساتھی۔ اپنی بے بسی پر دل بھر آیا۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ آنسوؤں کی جھڑی سی لگ گئی' پھر یکایک اسے کچھ حرارا سا اٹھا' فوراً اٹھ کر اس جگہ سے چل دیا۔ جنگل بیابان میں چلا جا رہا تھا کہ ایک شیر سامنے سے آتا دکھائی دیا جس کی گردن اس کی ایال سے ڈھنگی ہوئی تھی جیسے گنبد۔ منہ دروازے سے زیادہ چوڑا اور دانت ہاتھی کی طرح۔

انس الوجود کی جو نظر اس پر پڑی تو اسے موت سامنے کھڑی معلوم ہوئی۔ وہ قبلے کی

طرف منہ کر کے شہادت کا کلمہ پڑھنے لگا اور مرنے کے لئے تیار ہو بیٹھا۔ اس نے کتابوں میں پڑھا تھا کہ اگر کوئی شخص شیر کو پھسلانا چاہے تو وہ پھسلانے میں آ جاتا ہے۔

بشرطیکہ وہ میٹھے میٹھے الفاظ میں اس کی تعریف کرے۔ اس لئے اس نے کہنا شروع کیا کہ اے بن کے شیر' اے میدان کے اسد' اے ضر غام' اے بہادر سورما' اے جانوروں کے بادشاہ! میں ایک مشتاق عاشق ہوں' عشق اور جدائی کے صدموں نے مجھے مردہ کر دیا ہے۔ جب دوست دور ہوجاتے ہیں تو انسان راہ سے بھٹک جاتا ہے۔ میری باتیں کان لگا کر سن اور میرے عشق و محبت پر رحم کھا۔ شیر کے کان میں یہ باتیں پڑیں تو وہ رک گیا۔ ایک جگہ بیٹھ کر اس کی طرف سر اٹھایا۔ اپنی دم اور پنجوں سے کھیلنے لگا۔ انس الوجود کی جان میں جان آ گئی۔ اب شیر اٹھ کر اس کی طرف بڑھا -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو چوہترویں رات

تین سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شیر اٹھ کر اس کی طرف محبت سے بڑھا' اس کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا آئے۔ جب وہ اس کے پاس پہنچا تو اسے زبان سے چاٹنے لگا اور آگے بڑھ کر اشارہ کیا کہ میرے پیچھے پیچھے آ۔ انس الوجود نے اس کے پیچھے پیچھے چلنا شروع کر دیا۔ بہت دیر تک اسی طرح چلنے کے بعد ایک پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچا۔ چوٹی سے اترا تو جنگل میں اسے انسانی قدموں کے نشان دکھائی دیئے۔ اس نے پہچان لیا کہ یہ وردفی الاکمام کے ساتھیوں کے نقش پا ہیں۔ وہ ان نشانوں پر چلنے لگا۔ شیر نے دیکھا کہ وہ نشان نشان جا رہا ہے اور وہ سمجھ گیا کہ یہ ان لوگوں کے پاؤں کے نشان ہیں جو اس کی محبوبہ کو لے گئے ہیں تو شیر واپس چلا گیا۔

اب انس الوجود دن رات چلتا رہا یہاں تک کہ وہ ایک موجزن اور متلاطم سمندر کے پاس پہنچا۔ دیکھا کہ نشان سمندر کے کنارے تک پہنچ کر ختم ہو گئے ہیں۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ لوگ یہاں سے کشتی پر بیٹھ کر سمندر کے راستے سے گئے ہیں۔ اس کی ساری امیدیں خاک میں مل گئیں۔ آنسو بہنے لگے اور وہ روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔

بہت دیر کے بعد جب اس کی حالت سنبھلی تو ادھر ادھر دیکھنے لگا لیکن جنگل میں کوئی شخص اسے نظر نہ آیا۔ سمندر کی موجیں اٹھ رہی تھیں۔ ڈر کے مارے ایک اونچے پہاڑ پر جا چڑھا۔ وہاں اسے کچھ آواز سی سنائی دی جو ایک غار میں سے آ رہی تھی۔ کان لگا کر سننے لگا۔ وہ ایک عابد کی آواز تھی جو دنیا چھوڑ کر عبادت میں مشغول تھا۔ اس نے تین بار غار کے دروازے پر دستک دی لیکن کسی نے جواب نہ دیا نہ کوئی نکل کر باہر آیا۔ انس الوجود اپنی بے بسی پر رونے لگا۔

اتنے میں غار کا دروازہ کھلا اور اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ تجھ پر میری رحمت ہو! انس الوجود دروازے کے اندر گیا' عابد کو سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا اور پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام انس الوجود ہے۔ عابد نے دریافت کیا یہاں تک کیوں آیا ہے؟ اس نے سارا قصہ شروع سے لے آخر تک دہرا دیا۔ انس الوجود کی دکھ بھری کہانی سن کر عابد کے آنسو نکلنے لگے۔ اس نے کہا' مجھے اس غار میں رہتے ہوئے بیس سال ہو گئے ہیں لیکن کل سے پہلے میں نے کسی کو یہاں نہیں دیکھا۔ میں اپنے شغل میں تھا کہ رونے پیٹنے کی آوازیں میرے کانوں میں آئیں۔ باہر نکلا تو سمندر کے کنارے بہت سے لوگ اور خیمے دکھائی دیے۔ میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک کشتی بنائی اور کچھ لوگ اس میں سوار ہو کر روانہ ہو ئے۔ پھر ان میں سے کچھ لوگ کشتی میں واپس آئے اور اسے توڑ پھوڑ کر چلتے ہوئے۔ میرے خیال میں اے انس الوجود تو انہی لوگوں کی کھوج میں ہے اور اب نہ تیرے غم کی انتہا نہ تیری مجبوری کی۔ مگر ایسا عاشق کہیں نہیں دیکھا گیا جسے حسرتوں کا سامنا نہ کرنا پڑا ہو۔ یہ کہہ کر عابد اٹھا اور اس نے انس الوجود کو گلے سے لگا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو پچھترویں رات

جب تین سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عابد نے اٹھ کر انس الوجود کو گلے سے لگایا۔ دونوں رونے لگے۔ اتنا روئے کہ ان کے رونے سے پہاڑ کانپ اٹھے اور دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو انہوں نے آپس میں عہد و پیمان کیا کہ ہم دونوں فی سبیل اللہ ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔
اس کے بعد انس الوجود نے عابد سے کہا' میں آج رات کو نماز پڑھ کر خدا سے استخارہ کروں گا کہ تجھے کیا کرنا چاہیے اور دونوں خاموش اپنی اپنی جگہ بیٹھ گئے۔
یہ تو انس الوجود کا قصہ ہوا۔ اب وردفی الاکمام کا حال سنئے۔ جب لوگ اسے پہاڑ پر لے گئے اور محل میں داخل کیا تو وہ اس کی آراستگی کو دیکھ کر رونے لگی اور کہا کہ واللہ یہ محل بڑا خوبصورت ہے مگر تجھ میں کمی ہے تو محبوب کی۔ اس نے وہاں جزیرے پر بہت سے پرندے دیکھے اور ایک مصاحب سے کہا کہ جال لگا کر ان کو پکڑ اور محل کے اندر پنجروں میں بند کر۔ اس نے حکم کی تعمیل کی۔ پھر وہ محل کے جھروکے میں جا بیٹھی اور اپنی ساری سرگزشت کو یاد کرنے لگی۔ اس کی محبت اور تمنائیں زور پکڑنے لگیں۔ رات کا اندھیرا چھا گیا اور اس کی حسرتوں کی کوئی انتہا نہ رہی تو اس کے آنسو بہنے لگے۔
یہ تو ادھر اس حال میں تھی ادھر انس الوجود کا ماجرا سنئے۔ عابد نے اس سے کہا کہ وادی میں جا کر میرے پاس کھجور کی شاخیں اور پتے لے آ' وہ جا کر لے آیا۔ عابد نے ان شاخوں اور پتوں سے ایک ٹوکرا بنا لیا اور انس الوجود سے کہا کہ وادی کے بیچ میں ایک بیل ہے جس کی جڑیں پانی کے اندر ہوتی ہیں۔ وادی میں جا کر اس ٹوکرے کے اندر بیل کو بھر لیجیو اور انہیں مضبوطی سے باندھ کر ٹوکرے کو سمندر میں ڈال دیجیو اور اس میں بیٹھ کر سمندر میں اتر جائیو تا کہ تیری مراد حاصل ہو۔ جو شخص

اپنی جان کو خطرے میں نہیں ڈالتا' مقصد تک نہیں پہنچتا۔ انس الوجود عابد سے رخصت ہو کر وادی کی طرف چلا۔ عابد نے اسے دعا دی اور اس نے جا کر ویسا ہی کیا جیسا عابد نے کہا تھا۔ جب وہ ٹوکرے میں بیٹھ کر بیچ سمندر میں پہنچا تو ایک طوفان آیا اور ٹوکرا الٹ گیا۔ عابد کی نظروں سے اس کی صورت اوجھل ہو گئی اور وہ سمندر کے تلاطم میں تیرنے لگا۔ ایک لہرا سے ابھارتی تو دوسری ڈبو دیتی۔ سمندر کے تمام عجائبات اور خطرے اس کی نظر کے سامنے سے گزرتے یہاں یک کہ تین دن بعد تقدیر نے اسے جبل الثکلا پر لا پھینکا۔ جب وہ خشکی پر پہنچا تو اس کی حالت ایسی تھی جیسی اس چڑیا کے بچے کی جسے چکر آ رہے ہوں اور وہ مارے بھوک پیاس کے بے چین تھا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ چشمے بہہ رہے ہیں اور شاخوں پر چڑیاں گا رہی ہیں۔ چھوٹے بڑے تمام درخت پھلوں سے لدے پڑے ہیں۔ اس نے کچھ پھل کھائے' چشموں کا پانی پیا اور اٹھ کر آگے قدم بڑھائے۔ دور سے اسے کوئی سفید سی چیز دکھائی دی اور وہ اس کی طرف روانہ ہو گیا۔ قریب پہنچ کر دیکھا کہ وہ ایک مضبوط اور عالیشان محل ہے۔ محل کے دروازے پر پہنچا تو اس میں قفل پڑا ہوا تھا۔ وہ وہیں بیٹھ گیا۔ تین دن کے بعد محل کا دروازہ کھلا اور ایک نوکر نکلا۔ اس نے انس الوجود کو بیٹھا دیکھ کر پوچھا تو کہاں سے آیا ہے اور تجھے کون یہاں لایا ہے؟ اس نے جواب دیا۔ اصفہان کا رہنے والا ہوں' تجارت کا مال لے کر سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ میری کشتی ٹوٹ گئی اور موجوں نے مجھے لا کر اس جزیرے میں پھینک دیا۔ یہ سن کر خادم رونے لگا اور اس کے گلے ملا اور بولا اے عزیز دوست میرا وطن بھی اصفہان ہے وہاں میری ایک چچیری بہن ہے جس سے لڑکپن میں مجھے عشق تھا۔ آٹھ پہر اس کے لئے بے قرار رہتا۔ اتفاقاً ایک قوم نے جو ہم سے زیادہ طاقتور تھی ہم پر حملہ کیا اور منجملہ اور غنیمت کے مال کے' میں بھی ان کے ہاتھ آیا۔ میں کم سن تو تھا ہی لوگوں نے میرے خصیے کاٹ کر خصی کر دیا اور بیچ ڈالا۔ اب میں اس حالت میں ہوں جیسا کہ تو دیکھتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

- ## تین سو چھترویں رات

جب تین سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ خادم نے کہا کہ اب میں اس حالت میں ہوں جو ظاہر ہے' پھر وہ اسے محل کے اندر لے گیا۔ اندر جا کر انس الوجود نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا حوض ہے اور اس کے ارد گرد درخت ہیں' دختوں کی شاخوں سے چاندی کے پنجرے لٹک رہے ہیں جن کی کھڑکیاں سونے کی ہیں اور ان کے اندر چڑیاں چہچہا رہی ہیں اور خدا کی تسبیح کر رہی ہیں۔ جب وہ پہلے پنجرے کے پاس پہنچا تو اس میں ایک قمری تھی۔ قمری نے اسے دیکھتے ہی اپنی آواز نکالی اور یا کریم! یا کریم! کہنے لگی۔ انس الوجود کو غش آ گیا؟ ہوش آیا تو وہ آہیں بھرنے اور اشعار پڑھنے لگا اور اتنا رویا کہ ہوش قائم نہ رہے۔ ذرا سدھ آئی تو آگے بڑھا دیکھا کہ دوسرے پنجرے میں ایک فاختہ ہے۔ فاختہ کی اس پر نظر پڑی تو اس نے کو' کو' حق سرہ کی صدا لگائی اور گانا شروع کیا کہ "اے ہمیشگی والے' میں تیرا شکریہ ادا کرتی ہوں۔" انس الوجود کو وجد آ گیا کبھی آہیں بھرتا' کبھی اشعار پڑھتا۔ پھر یہاں سے وہ تیسرے پنجرے کے پاس پہنچا۔ اس میں ایک ہزار داستان بند تھا۔ اس کے چہچہے سن کر انس الوجود کی زبان پر اشعار جاری ہو گئے اس سے فارغ ہو کر وہ چوتھے پنجرے کی طرف گیا جس میں ایک بلبل بند تھی۔ وہ بھی انس الوجود کو دیکھ کر گانے اور نوحہ کرنے لگی' جسے سن کر اس کے آنسو جاری ہو گئے اور وہ حسرت آمیز اشعار پڑھتا آگے بڑھا۔ دس پانچ ہی قدم چلا ہو گا کہ اسے ایک ایسا خوبصورت پنجرہ نظر آیا جس کا جواب محل میں نہ تھا۔ اس کے قریب آیا تو اس میں ایک جنگلی کبوتر نظر آیا جو ایک مشہور پرندہ ہے۔ وہ محبت کا مارا رو رہا تھا۔ گردن میں ہیروں کی ایک نفیس مالا پڑی ہوئی تھی اور وہ اپنے پنجرے میں بے حس و حرکت بیٹھا ہوا تھا اس کی

یہ کیفیت دیکھی تو انس الوجود کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں اور وہ عشقیہ اشعار پڑھنے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو سترویں رات

جب تین سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب انس الوجود اشعار پڑھ چکا تو جنگلی کبوتر کو ہوش آ گیا اور وہ پھڑ پھڑانے اور نوحہ کرنے لگا۔

اب انس الوجود نے اپنے دوست اصفہانی سے مخاطب ہو کر پوچھا کہ یہ کیا محل ہے' اس میں کون رہتا ہے اور اسے کس نے بنایا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں بادشاہ کے وزیر نے اسے اپنی بیٹی کے لئے بنایا ہے اور اسے اور اس کی سہیلیوں کو یہاں لا کر رکھا ہے تا کہ وہ زمانے کے حادثوں سے بچی رہے۔ محل کو سال میں ایک بار ہم کھولتے ہیں۔ وہ بھی اس وقت کہ وزیر زادی کے کھانے پینے کا سامان آتا ہے۔ انس الوجود نے اپنے دل میں کہا کہ مراد بر آنے میں تو کسر نہیں لیکن مدت لگے گی۔

اب انس الوجود کو امیدوں کے دروازے پر چھوڑ کر وردفی الاکمام کی سرگزشت سنئے۔ اسے کھانا پینا بھاتا' نہ بیٹھا اور سونا۔ جب محبت کی بے چینی زیادہ ہوئی تو وہ اٹھ کر مکان کے چاروں طرف پھرنے لگی لیکن کہیں جی نہ لگا۔ ہر چیز اداس نظر آئی۔ اس کے آنسو بہنے لگے۔ وہ چھت پر چڑھ گئی اور بعلبکی کپڑے کی پٹی اپنی کمر سے باندھ کر نیچے زمین پر اتر گئی۔ اس وقت وہ اپنے بہترین لباس میں تھی اور گلے میں ہیرے کا ہار پڑا ہوا تھا۔ جنگل اور بیابان میں سے گزرتی ہوئی سمندر کے کنارے پہنچی وہاں اس نے ایک ماہی گیر کو دیکھا جسے کشتی میں بیٹھے بیٹھے اور مچھلیاں پکڑتے طوفان نے لا کر اس جزیرے میں پھینک دیا تھا۔ ماہی گیر کی نظر جو وردفی لاکمام پر پڑی تو وہ ڈرا اور کشتی میں بیٹھ کر بھاگا۔ لڑکی نے اسے آوازیں دیں اور بہت اشارے کئے۔ ماہی گیر رونے اور آہیں بھرنے لگا۔ اسے اپنی جوانی کا وہ زمانہ یاد آ گیا جب وہ محبت میں گرفتار تھا اور عشق اسے مارے ڈالتا تھا۔ اس کی تمناؤں اور آرزوؤں کی کوئی حد نہ تھی'

وہ کشتی کو کنارے پر لے آیا اور لڑکی سے کہا سوار ہو جا جہاں تو چاہے گی میں پہنچا دوں گا۔ وہ سوار ہو گئی اور ماہی گیر کشتی کو کھینے لگا۔ ابھی وہ خشکی سے زیادہ دور نہ پہنچا ہو گا کہ پیچھے سے آندھی آئی اور کشتی تیزی کے ساتھ چلی۔ ایسی کہ چند ہی منٹ میں خشکی دونوں کی نظروں سے غائب ہو گئی اور ماہی گیر کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں ہے؟ تین دن تک چلنے کے بعد آندھی رکی اور کشتی سمندر کے کنارے ایک شہر پر جا لگی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو اٹھہترویں رات

جب تین سو اٹھہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کشتی کنارے پر لگی تو ماہی گیر نے اسے ساحل پر باندھنا چاہا۔ اس شہر کا ایک بڑا طاقتور بادشاہ تھا۔ اس کا نام درباس تھا۔ اتفاق سے اس وقت وہ اور اس کا بیٹا محل کے جھروکے میں بیٹھے تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان کی نظر سمندر کی طرف پڑی تو انہیں یہ کشتی دکھائی دی۔ غور سے دیکھنے کے بعد معلوم ہوا کہ اس میں ایک لڑکی ہے جیسے افق پر چودھویں رات کا چاند۔ اس کے کانوں میں قیمتی بلخش کی بالیں اور گلے میں ہیرے جواہرات کا ہار۔ انہیں یقین ہوا کہ یہ بڑے لوگوں یا بادشاہوں کی بیٹیوں میں سے ہو گی۔ بادشاہ اپنے محل سے اتر کر پیچھے کے دروازے سے باہر آیا۔ دیکھا کہ کشتی کنارے پر لگی کھڑی ہے۔ اتنے میں لڑکی سو گئی اور ماہی گیر کشتی باندھنے میں لگا ہوا تھا۔ بادشاہ نے اسے جگایا' وہ اٹھ کر رونے لگی۔ بادشاہ نے کہا کہ تو کہاں سے آئی ہے کس کی بیٹی ہے اور یہاں تیرا کیسے آنا ہوا؟ وردتی الاکمام نے جواب دیا میں بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کی بیٹی ہوں اور میرے یہاں آنے کا قصہ بھی عجیب و غریب ہے۔ پھر اس نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ ذرا پس و پیش نہ کیا اور رونے اور آہیں بھرنے لگی۔ اس کی باتیں سننے کے بعد بادشاہ سمجھا کہ وہ ضرور محبت کی ماری ہوئی ہے۔ اسے اس پر ترس آ گیا اور کہنے لگا کہ ڈر نہیں' غمگین نہ ہو' تیری مراد بر آئے گی۔ میں تیری حاجت روائی اور مطلب براری کر کے رہوں گا۔

لڑکی کو تسلی دے کر بادشاہ نے اپنے وزیر کو بلایا۔ اسے بہت سا مال دیا اور کہا کہ اسے بادشاہ شامخ کے پاس لے جا اور وہاں سے اس شخص کو لے کر آ جس کا نام انس الوجود ہے۔ کہیو ہمارا بادشاہ اپنی بیٹی کی شادی تیرے سردار انس الوجود کے ساتھ کر کے اس

سے رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے ضرور اسے میرے ساتھ روانہ کرتا کہ اس کی شادی سسرال میں منائی جائے۔ زبانی ہدایتیں کر کے بادشاہ درباس نے بادشاہ شامخ کو اسی مضمون کا ایک خط بھی لکھا اور اسے وزیر کے حوالے کر کے تاکید کر دی کہ انس الوجود کو ضرور لائیو۔ اگر تو نہ لایا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا۔ وزیر بادشاہ کا خط اور تحفے تحائف لے کر بادشاہ شامخ کے پاس روانہ ہو گیا۔ وہاں پہنچ کر وزیر نے بادشاہ شامخ کو بادشاہ درباس کا سلام پہنچایا۔ خط اور تحفے تحائف پیش کئے۔ بادشاہ شامخ نے تحفے دیکھے' خط پڑھا اور اس میں انس الوجود کا نام دیکھا تو دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ اور اس وزیر سے کہا جو اس کے پاس آیا تھا کہ انس الوجود کہاں؟ وہ غائب ہے اور نہیں معلوم کہاں ہے؟ اگر تو اسے میرے پاس لے آئے تو میں تجھے ان ہدیوں کا کئی گنا دوں گا جو تو لایا ہے۔ یہ کہتے کہتے بادشاہ کا دل بھر آیا۔ ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور اس کے آنسو جاری ہو گئے۔ بعد ازاں وزیر کی طرف مخاطب ہوا اور بولا انس الوجود ایک سال سے غائب ہے اور آج تک پتہ نہیں چلا کہ کہاں گیا؟ وزیر نے کہا کہ اے میرے مولیٰ میرے آقا کا حکم ہے کہ اسے لے کر آئیو۔ لے کے نہ آیا تو وزارت سے معزول کر دیا جائے گا بلکہ شہر کے اندر گھسنے نہ پائے گا۔ لہٰذا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں بے اس کے' واپس چلا جاؤں! اس پر بادشاہ شامخ نے اپنے وزیر ابراہیم سے کہا کہ اس کے ساتھ جا اور جگہ جگہ انس الوجود کو تلاش کر چنانچہ دونوں وزیر اپنے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ انس الوجود کی جستجو میں نکل کھڑے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اناسی ویں رات

جب تین سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ شامخ کا وزیر ابراہیم اپنے ملازموں اور بادشاہ درباس کے وزیر کو لے کر انس الوجود کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ جہاں ان کا گزر کسی عرب یا غیر عرب قوم پر ہوتا' وہ انس الوجود کے متعلق سوال کرتے اور کہتے کہ اس نام اور اس صفت کا کوئی شخص تو تمہارے علاقے سے نہیں گزرا؟ وہ جواب میں کہتے کہ ہمیں اس کی خبر نہیں۔ شہروں اور قریوں میں پوچھتے پوچھتے میدانوں' پہاڑوں' جنگلوں اور بیابانوں میں تلاش کرتے کرتے آخر سمندر کے کنارے پر پہنچے اور ایک کشتی میں بیٹھ کر پانی کھنگولتے چلے۔ جبل الثکلا پر جا پہنچے۔ بادشاہ درباس کے وزیر نے بادشاہ شامخ کے وزیر سے پوچھا اس پہاڑ کو جبل الثکلا کیوں کہتے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ پرانے زمانے میں یہاں ایک پری کا اتارا تھا۔ وہ پری چین کے جنات میں سے تھی اور اسے ایک انسان سے محبت ہو گئی تھی۔ وہ آدم زاد بھی اس پری پر عاشق تھا لیکن پری اپنے خاندان والوں سے ڈرتی تھی۔ جب اس کا عشق حد سے گزر چلا تو اس نے ایک ایسی جگہ ڈھونڈنی چاہی جہاں اپنے معشوق کو اپنی ذات برادری والوں سے چھپا کر رکھے۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے وہ اس پہاڑ پر پہنچی۔ یہاں نہ انسان کا گزر ہے اور نہ جنات کا' نہ انسان ادھر آتا ہے نہ جن۔ مرضی کے موافق جگہ مل گئی تو وہ اپنے معشوق کو اڑا لائی اور اسے لا کر یہاں رکھا۔ جب موقعہ ملتا خاندان والوں سے چھپ کر یہاں آتی اور اپنے معشوق کے پاس رہتی۔ مدت تک یہی حالت رہی۔ ان کے ہاں اسی پہاڑ پر کئی اولادیں بھی ہو گئیں۔ جو کوئی مسافر تاجر ادھر سے گزرتا اسے اس طرح بچوں کے رونے کی آواز آتی کہ کوئی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں' روتی ہو۔ آنے جانے والے کہتے ہیں کہ اس جگہ کوئی ثکلا ہے یعنی ایسی عورت جس کے بچے مر گئے ہوں؟ چنانچہ لوگ اسے جبل الثکلا کہنے لگے۔ یہ قصہ

سن کر بادشاہ درباس کے وزیر کو بڑا تعجب ہوا۔
القصہ چلتے چلتے وہ محل کے پاس جا پہنچے اور دروازے پر دستک دی۔ پھاٹک کھلا اور اس میں سے ایک خادم نکلا۔ بادشاہ شامخ کے وزیر ابراہیم کو پہچان کر اس نے سلام کیا۔ اس کے ہاتھ چومے اور اندر لے گیا۔ محل میں داخل ہو کر وزیر نے دیکھا کہ خادموں کے ساتھ ایک فقیر بیٹھا ہوا ہے۔ یہ انس الوجود تھا۔ وزیر نے پوچھا' یہ کہاں سے آیا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ایک تاجر ہے۔ غریب طوفان میں اپنا سارا مال کھو بیٹھا۔ فقط اپنی جان لے کر یہاں تک پہنچا اور اب مجذوب ہو گیا ہے۔ اسے وہیں چھوڑ کر وزیر محل میں پہنچا لیکن اپنی بیٹی کا نشان تک نہ پایا۔ کنیزوں سے جو وہاں تھیں' پوچھا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح چلی گئی۔ ہمارے آنے کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد یہ واقعہ پیش آیا ہے۔ یہ سن کر وزیر کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور رونے پیٹنے اور آہ زاری کرنے لگا اور اس نے کہا کہ خدا کی تقدیر کے مقابلے میں کوئی تدبیر نہیں چلتی۔ وہ جو قسمت میں لکھ دیتا ہے اس سے ہرگز مفر نہیں۔ اس کے بعد وہ چھت پر چڑھا۔ اس نے دیکھا ہ بعلبکی کپڑے محل کی ایک کھڑکی سے بندھے ہوئے ہیں اور ان کے سرے زمین پر لٹکے ہوئے ہیں۔ اسے یقین ہو گیا کہ وہ یہیں سے اتر کر حیران و پریشان چل کھڑی ہوئی ہے۔ اتنے میں اس کی نظر ایک کوے اور ایک الو پر پڑی۔ اس نے ان سے بد شگونی لی اور آہ و بکار کرنے لگا۔ روتا پیٹتا محل سے نیچے اترا اور خادموں کو حکم دیا کہ جا کر پہاڑ میں اپنی مالکہ کو ڈھونڈیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا لیکن کہیں اس کا سراغ نہ پایا۔
اسی اثناء میں جب انس الوجود کو یہ خبر لگی کہ وردفی الاکمام وہاں سے چلی گئی ہے تو اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ دیر تک اسی غشی کی حالت میں پڑا رہا۔ لوگوں نے خیال کیا کہ وہ خدا میں جذب ہو گیا ہے اور اس کی ہیبت کے جمال میں غرق ہے۔ نوکر چاکر انس الوجود سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وزیر ابراہیم اپنی بیٹی کی تلاش میں لگ گیا تو درباس بادشاہ کے وزیر نے وطن جانے کی ٹھان لی کیونکہ اس سفر کا

کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ وزیر ابراہیم جب اس سے رخصت ہونے لگا تو اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس فقیر کو اپنے ساتھ لیتا جاؤں۔ ممکن ہے کہ اس کی برکت سے خدا بادشاہ کا دل میری طرف مائل کر دے کیونکہ وہ مجذوب ہے۔ پھر میں اسے اس کے گھر اصفہان بھیج دوں گا وہ شہر ہمارے ملک سے قریب ہے۔ وزیر ابراہیم بولا کہ تیری مرضی۔ چنانچہ دونوں وزیر اپنی اپنی راہ لگے اور بادشاہ درباس کا وزیر انس الوجود کو اپنے ساتھ لیتا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو اسی ویں رات

تین سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- درباس کا وزیر انس الوجود کو اسی بے ہوشی کی حالت میں اپنے ساتھ لے کر روانہ ہوا۔ تین دن تک وہ اسی بے ہوشی کی حالت میں خچر پر لدا چلتا رہا۔ اسے یہ بھی خبر نہ تھی کہ سفر میں ہوں یا کہاں۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے پوچھا کہ میں کہاں ہوں؟ لوگوں نے جواب دیا کہ تو بادشاہ درباس کے وزیر کے ساتھ ہے۔ اس کے بعد انہوں نے جا کر وزیر کو خبر کی کہ فقیر کے ہوش و حواس درست ہو گئے ہیں۔ وزیر نے اس کے لئے گلاب کا عرق اور شربت بھیجا۔ نوکروں نے اسے شربت پلا کر پھر سوار کر دیا۔ اور چلتے چلتے وہ بادشاہ درباس کے شہر کے پاس پہنچ گئے۔ بادشاہ درباس نے وزیر کے لئے پیغام بھیجا کہ اگر انس الوجود تیرے پاس نہیں ہے تو ہرگز میرے پاس نہ آئیو۔
بادشاہ کا یہ حکم سن کر اسے بڑا صدمہ ہوا۔ نہ تو وزیر کو یہ معلوم تھا کہ وردفی الاکمام بادشاہ کے پاس ہے اور نہ ہی وردفی الاکمام کو اس کی خبر تھی کہ بادشاہ نے اسے انس الوجود کی تلاش میں کیوں روانہ کیا ہے اور اس سے کس لئے ناطہ رشتہ قائم کرنا چاہتا ہے اور نہ انس الوجود کو یہ علم تھا کہ لوگ اسے کہاں لے جا رہے ہیں۔ نہ یہ کہ وزیر اس کی تلاش میں بھیجا گیا ہے اور وزیر بھی اس سے بے خبر تھا کہ انس الوجود یہی ہے۔ جب وزیر نے دیکھا کہ انس الوجود کی غشی جاتی رہی ہے تو اس سے کہا کہ بادشاہ نے مجھے ایک ضرورت سے بھیجا تھا اور وہ پوری نہیں ہوئی۔ میرے ناکام آنے کی خبر سن کر اب اس نے مجھے ایک خط لکھا ہے کہ اگر خالی ہاتھ آیا ہے تو میرے شہر میں قدم نہ رکھیو۔ انس الوجود نے پوچھا کہ بادشاہ نے تجھے کس کام کے لئے بھیجا تھا؟ وزیر نے سارا قصہ بیان کر دیا۔ انس الوجود نے کہا بے دھڑک بادشاہ کے پاس میرے ساتھ چل' میں انس الوجود کو لانے کا ذمہ لیتا ہوں۔ وزیر خوش ہو گیا اور کہا کہ

کیا تو واقعی سچ کہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ وزیر سوار ہو گیا اور اسے اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے پاس پہنچا۔ جب یہ دونوں بادشاہ کے سامنے حاضر ہوئے تو اس نے پوچھا کہ انس الوجود کہاں ہے؟ انس الوجود بولا اے بادشاہ مجھے معلوم ہے کہ انس الوجود کہاں ہے؟ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بلا کر پوچھا کہ بتا وہ کس جگہ ہے؟ اس نے کہا بہت نزدیک۔ اگر تو بتا دے کہ تو اس سے کیا چاہتا ہے تو میں اسے ابھی لا کر پیش کر دوں گا۔ بادشاہ نے کہا کہ اس کے لئے تنہائی کی ضرورت ہے۔

بعد ازاں اس نے حاضرین کو رخصت کر دیا اور انس الوجود سے خلوت میں سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کیا۔ انس الوجود نے کہا کہ میرے لئے نفیس پوشاک منگوا کر مجھے پہنا۔ میں انس الوجود کو فوراً لے آؤں گا۔ بادشاہ نے اس کے لئے ایک عمدہ پوشاک منگوائی اور اس نے پہن کر کہا میں وہ شخص ہوں جس کا نام انس الوجود ہے۔ جو حاسدوں کے لئے تکلیف دہ ہے اور جو دلوں پر نگاہوں کے تیر مارتا ہے بادشاہ نے کہا واللہ تم دونوں سچے عاشق ہو اور حسن کے آسمان پر دو چمک دار ستارے اور تمہارا قصہ عجیب و غریب ہے۔ پھر بادشاہ نے وردفی الاکمام کی ساری کہانی کہہ سنائی۔

انس الوجود بولا جہاں پناہ وہ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ اس وقت میرے پاس ہے اور فوراً قاضی اور گواہوں کو بلوا کر دونوں کا نکاح پڑھوا دیا اور انس الوجود کے ساتھ بہت انعام و اکرام کے ساتھ پیش آیا۔

اس کے بعد بادشاہ درباس نے وزیر شامخ کے پاس قاصد بھیج کر اسے سارے ماجرے کی خبر کی جو اسے انس الوجود اور وردفی الاکمام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ بادشاہ شامخ کو بڑی خوشی ہوئی' اس نے بادشاہ درباس کو لکھا۔ نکاح تیرے ہاں پڑھایا گیا ہے۔ جشن اور ہم بستری میرے ہاں ہونی چاہیے اور انہیں بلوانے کے لئے اونٹ سوار اور پیادے بھیجے۔

بادشاہ شامخ کا یہ پیغام بادشاہ درباس کے پاس پہنچا تو اس نے ان دونوں کو بہت کچھ مال و دولت دے کر بڑے لاؤ لشکر کے ساتھ رخصت کیا اور وہ اپنے وطن پہنچے۔ وطن میں ان کے آنے کی بہار دیکھنے کے قابل تھی۔ اس سے زیادہ شاندار جلوس نظر سے

نہ گزرا ہو گا۔ بادشاہ شامخ نے تمام ڈومنیوں کو بلوایا جو گاتی بجاتی تھیں اور ولیمے کی دعوتیں دیں۔ سات دن تک یہی حالت رہی۔ ہر روز بادشاہ شامخ لوگوں کو عمدہ عمدہ خلعت عطا کرتا اور انعام دیتا۔ اس کے بعد انس الوجود' وردق الا کمام کے پاس تخلئے میں گیا۔ اسے گلے سے لگا لیا۔ جوش مسرت میں دونوں رونے لگے۔ گھڑی گھڑی دونوں ہم آغوش ہوتے یہاں تک کہ دونوں غش کھا کر گر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو اکیاسی ویں رات

تین سو اکیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- آپس میں ملنے کی خوشی میں دونوں غش کھا کر گر پڑے۔ جب انہیں ہوش آیا تو پھر گلے سے لپٹ گئے اور خلوت میں ایک دوسرے سے ہم آغوش پڑے رہے اور برابر مئے نوشی اور شعر خوانی اور قصہ خوانی ہوتی رہی حتیٰ کہ دونوں محبت کے سمندر میں غرق ہو گئے۔ یہ حالت سات دن تک رہی۔ خوشی' مسرت اور لذت کی وجہ سے ان کو یہ نہ معلوم ہوتا کہ کب دن ہوا اور کب رات آئی؟ ہفتے سے ہفتہ ہو گیا گویا وہ سات دن' ایک سے زیادہ نہ تھے۔ ساتویں دن کا پتہ بھی انہیں نوبت نقاروں کے بجنے سے چلا۔ وردفی الاکمام کو بڑا تعجب ہوا۔ انس الوجود نے سو سے زیادہ اس کے بوسے لئے اور دونوں نکل کر باہر آئے۔ لوگوں کو خلعت اور انعام دیئے' بخششیں کیں' ہدیئے عطا کئے۔ اس کے بعد ورد فی الاکمام نے حکم دیا کہ حمام خالی کرایا جائے اور انس الوجود سے کہا اے میری آنکھوں کی ٹھنڈک' میں چاہتی ہوں کہ ہم دونوں حمام میں تنہا جائیں اور کوئی تیسرا نہ ہو اور میں تجھے وہاں دیکھوں۔ پھر وہ مزے میں آ کر اشعار گانے لگی اور مل کر حمام گئے خوب لطف اٹھایا اور پھر اپنے محل میں واپس آ گئے۔ انہوں نے نہایت عیش و عشرت کی زندگی بسر کی یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو نہ زائل ہوتی ہے اور نہ بدلتی ہے اور جو ہر چیز کا ملجا ہے۔

- ### ابونواس اور ہارون الرشید کی کہانی

سنا ہے کہ ایک روز جب ابونواس اکیلا تھا تو اس نے ایک نہایت شاندار مجلس آراستہ

کی' طرح طرح کے کھانے جن سے ہونٹوں اور زبان کو مزے ملے' جمع کیے۔ دستر خوان چنا جا چکا تھا وہ ایک ایسے معشوق کی تلاش میں نکلا جو اس مجلس کے قابل ہو۔ چلتا جاتا اور دل میں دعا مانگتا جاتا کہ اے میرے اللہ' میرے آقا' میرے مولیٰ میں تجھ سے التجا کرتا ہوں کہ میرے پاس کسی ایسے کو بھیج دے جو اس مجلس کے مناسب ہو اور ساتھ آج ہم پیالہ و ہم نوالہ ہو۔ وہ اپنی دعا ختم نہ کرنے پایا تھا کہ اسے تین خوبصورت لڑکے دکھائی دیئے گویا وہ جنت کے غلمان تھے مگر تینوں مختلف رنگ کے۔ ابونواس کی یہی عادت تھی' کہ وہ خوبصورت لڑکوں سے ہنسی مذاق کرتا اور ان کے چکنے چپڑے رخساروں کے بوسے لیتا۔ اس نے بڑھ کر ان کو سلام کیا۔ انہوں نے بہترین طریقے سے سلام کا جواب دیا۔ سلام کا جواب دے کر وہ چلے تھے کہ ابونواس نے ان کو روک لیا اور اپنے ساتھ لے جانے کے لئے پھسلانے لگا۔ لڑکوں نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے ساتھ چلنے پر رضا مند ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نےوہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو بیاسی ویں رات

تین سو بیاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکے ابونواس کی باتوں میں آ گئے اور اس کے ساتھ ہو لئے۔ اس کے گھر پہنچے تو دیکھا کہ تمام چیزیں وہاں موجود ہیں بیٹھ کر کھانے پینے اور لطف اڑانے لگے اور پیتے پیتے جب سرور بڑھا تو مزے میں آ کر انھوں نے ابونواس سے کہا کہ تجھے ہم اس بات میں حکم بناتے ہیں تو یہ فیصلہ کر کہ ہم میں سے کون حسن و جمال اور قد و قامت میں دوسروں سے بہتر ہے۔ ابونواس نے ان میں سے ایک کی طرف اشارہ کر کے اس کے دو بوسے لئے اور اس کی خوبیاں بیان کرنے لگا۔ اس کے بعد اس نے دوسرے کو اشارے سے بلایا اور اس کے ہونٹ چوم کر اس کی تعریف کرنی شروع کر۔ پھر اس طرح تیسرے کے دس بوسے اور اس کی مدح سرائی کرنے لگا۔ شراب گردش میں تھی۔ لڑکے ایک ایک جام پیتے تو وہ دو جام اور شعر خوانی کرتا۔ جب ابونواس پر نشے نے غلبہ پایا اور اسے ہاتھ اور سر میں کوئی تمیز نہ رہی تو وہ لڑکوں کے ساتھ بوس و کنار کرنے لگا۔ اسی حالت میں تھے کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ اجازت ملنے کے بعد جب دستک دینے والا اندر آیا تو انھوں نے دیکھا کہ وہ تو امیر المومنین ہارون الرشید ہے۔ اسے دیکھ کر سب کے سب کھڑے ہو گئے' خلیفہ کے آگے زمین چومنے لگے اور اس کے ڈر کے مارے ابونواس کا نشہ ہرن ہو گیا۔ امیر المومنین نے کہا اے ابونواس! وہ بولا لبیک اے امیر المومنین' خدا تجھے کامیابی دے! خلیفہ نے پوچھا یہ کیا حرکت ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ خلیفہ نے کہا' اے ابونواس میں نے خدا سے استخارہ کیا تھا کہ میں تجھے معترضین کاضی بناتا ہوں۔ ابونواس نے کہا' کیا تیری مرضی ہے کہ میں وہاں کا قاضی بنوں؟ خلیفہ نے حکم دیا ہاں۔ ابونواس بولا اے امیر المومنین کیا میں نے تجھے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔ اس پر امیر المومنین کو

طیش آ گیا اور وہ انہیں چھوڑ کر چلتا ہوا مگر غصے میں بھرا ہوا۔ رات بھر وہ ابونواس سے ناراض رہا اور ابونواس کی رات نہایت خوشی اور شادمانی سے گزری۔ صبح ہوئی اور سورج نکل کر چمکنے لگا تو ابونواس نے مجلس برخاست کی۔ لڑکے رخصت ہو گئے پھر اس نے درباری لباس پہنا اور اپنے گھر سے نکل کر امیر المومنین کے پاس روانہ ہو گیا۔ امیر المومنین کا دستور تھا کہ جب مجلس برخاست کرتا تو مجلس کے کمرے میں جا کر بیٹھتا۔ شاعر' مصاحب' گویئے حاضر ہوتے اور اپنی اپنی جگہ بیٹھتے۔ چنانچہ وہ حسب معمول دربار سے اٹھ کر مجلس میں آیا اور اپنی جگہ پر بیٹھنے لگا تو امیر المومنین نے جلاد مسرور کو آواز دے کر کہا کہ ابونواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول رکھے اور اس کے منہ میں لگام دے کر اسے کنیزوں کی محل سراؤں میں پھرائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو تراسی ویں رات

تین سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- امیر المومنین نے جلاد مسرور سے کہا کہ ابونواس کے کپڑے اتار کر اس پر گدھے کی جھول ڈالے اور اس کے منہ میں لگام دے کر اسے کنیزوں کی محل سراؤں اور بیویوں کے محلوں وغیروں میں تشہیر کرے تا کہ وہ اس کا مذاق اڑائیں' اس کے بعد اس کا سر کاٹ کر لے آئے۔ مسرور' خلیفہ کے حکم کی تعمیل میں اسے محل سراؤں میں پھرانے لگا جن کی تعداد سال کے دنوں کے برابر تھی۔ ابونواس بڑا مسخرہ تھا جو کوئی اسے دیکھتا انعام دیتا یہاں تک کہ جب وہ لوٹا تو اس کی جھولی بھری ہوئی تھی۔ یہ اسی حالت میں تھا کہ جعفر برمکی خلیفہ کے سامنے پہنچا۔ وہ خلیفہ کے کسی ضروری کام کے لئے باہر گیا ہوا تھا۔ ابونواس کو اس حال میں دیکھ کر پوچھنے لگا کہ اے ابونواس! اس نے کہا اے میرے مولیٰ لبیک۔ جعفر نے پوچھا تو نے کون سا جرم کیا ہے جو تیری یہ گت بنی ہے؟ ابونواس نے کہا جرم تو کوئی نہیں کیا۔ مگر ہاں میں نے اپنے مولیٰ خلیفہ کو بہترین اشعار پیش کئے تھے اور اس نے اپنے بہترین کپڑے مجھے عطا کئے۔ امیر المومنین نے یہ سنا تو اسے بے اختیار ہنسی آ گئی۔ غصہ جاتا رہا اور اسے معاف کر دیا اور ایک توڑا دینار کا عطا کیا۔

- عبد اللہ بن معمر التیمی کی کہانی

بصرے کے کسی شخص نے ایک کنیز خریدی' اور اس کی تعلیم و تربیت نہایت اچھے طریقے سے کی۔ اسی اثناء میں کنیز کے ساتھ اسے محبت ہو گئی اور محبت اس درجہ بڑھی کہ اس نے اپنا سارا مال مزے اڑانے میں صرف کر دیا' کچھ باقی نہ رکھا اور ناداری کی

وجہ سے اسے سخت تکلیف ہونے لگی۔ کنیز نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا مجھے بیچ ڈال کیونکہ تجھے روپے کی ضرورت ہے۔ تیری ناداری دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے اگر تو مجھے بیچ کر میرے دام کھرے کرے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ میں تیرے پاس رہوں۔ اس شخص نے اپنی غربت کا خیال کر کے اس کی یہ تجویز منظور کر لی۔ اسے لے کر بازار گیا اور دلال نے اسے بصرے کے والی کے سامنے پیش کیا جس کا نام عبد اللہ بن معمر تیمی تھا۔ والی کو کنیز پسند آئی۔ پانچ سو دینار میں خرید لیا اور قیمت اس کے آقا کو دے دی۔ جب وہ دام لے کر واپس جانے لگا تو کنیز رونے لگی اور اس کا آقا بھی اسے روتا دیکھ کر آہیں بھرنے لگا۔ عبد اللہ بن معمر نے ان دونوں کو غمگین دیکھا تو وہ کہنے لگا واللہ میں تمہاری جدائی کا باعث نہیں ہوچا چاہتا' مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم ایک دوسرے کو چاہتے ہو' اس لئے اے شخص تو دام اور کنیز دونوں لے جا' خدا تجھے برکت دے! عاشق و معشوق کو ایک دوسرے سے جدا کرنا دونوں پر مصیبت لانا ہے۔ دونوں نے عبداللہ بن معمر کا ہاتھ چوما اور اپنے گھر کو چلے گئے اور جب تک وہ مرے نہیں ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے۔ پاک ہے وہ ذات جسے موت نہیں آتی۔

- بنو عذرہ کے عشق کی کہانی

بنو عذرہ میں ایک خوبصورت شخص تھا جو کسی بھی عشق سے خالی نہ رہتا تھا۔ اتفاق سے وہ ایک خوبصورت عورت پر جو اسی قبیلے کی تھی' عاشق ہو گیا۔ مدت تک خطوط لکھتا رہا لیکن وہ عورت اس پر برابر ستم ڈھاتی رہی اور اس کے پاس تک نہ پھٹکی۔ آخر محبت کی ناکامی اور تمناؤں کے بر نہ آنے کے صدمے سے وہ سخت بیمار پڑ گیا۔ چوبیس گھنٹے بچھونے پر پڑا رہتا' نہ نیند آتی نہ چین آتا۔ رفتہ رفتہ لوگوں پر اس کی حالت کھل

گئی اور اس کے عشق کا چرچا ہونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو چوراسی ویں رات

جب تین سو چوراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- اس کے عشق کا چرچا ہوتا چلا' اس کی بیماری بڑھتی گئی' غم کا ٹھکانہ نہ رہا اور وہ مرنے کے قریب ہو گیا۔ دونوں خاندانوں کے لوگ لڑکی سے اصرار کرتے کہ وہ اس سے ملنے جائے لیکن لڑکی برابر انکار کر دیتی یہاں تک کہ اب اس شخص کے مرنے میں کوئی کسر باقی نہ رہی۔ یہ خبر لڑکی کو ملی تو اسے ترس آ گیا اور اس سے ملنے کی ہامی بھر لی۔ لڑکی ملنے گئی اور اس نے اسے دیکھا تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ عاشق کو روتا دیکھ کر وہ بھی رونے لگی اور کہا کہ خدا کی قسم مجھے ہرگز یہ خیال نہ تھا کہ عشق سے تیرا اتنا برا حال ہو گیا ہے اور تو مرنے کے قریب ہے' اگر مجھے معلوم ہوتا تو میں تیری خبر گیری کرتی اور تجھے اپنے وصال سے نہ ترساتی۔ لڑکی کی یہ باتیں سن کر اس کا سینہ شق ہو گیا اس نے ایک چیخ ماری اور جان دے دی۔ لڑکی اس کے اوپر گر پڑی۔ کبھی اس کے بوسے لیتی' کبھی روتی۔ آخر روتے روتے غش کھا کر اس کے پاس گر پڑی۔ ہوش آیا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ جب میں مروں تو مجھے بھی اسی کی قبر میں دفن کرنا۔ اس کے بعد پھر اس نے رونا پیٹنا شروع کر دیا اور اتنا روئی پیٹی کے بے ہوش ہو گئی اور تین دن تک بے ہوش رہنے کے بعد مر گئی اور اسی کی قبر میں دفن ہوئی۔ محبت میں یہ بھی عجب اتفاق کی بات ہے۔

- ### بدر الدین کی کہانی

یمن کے وزیر صاحب دیوان بدر الدین کا ایک بھائی تھا۔ انتہائی درجے کا حسین' بدر الدین اس کی بڑی حفاظت کرتا۔ جب اسے معلم کی ضرورت ہوئی تو ایک ہیبت و وقار عفت

والا اور دیانت دار بوڑھا شخص تلاش کیا۔ اسے اپنے پڑوس میں رہنے کی جگہ دی اور تعلیم دلوانی شروع کی۔ اسی طرح ایک زمانہ گزر گیا وہ ہر روز صاحب بدر الدین کے گھر جاتا اور اس کے بھائی کو پڑھا کر اپنے گھر لوٹ آتا۔ اتفاق کی بات بوڑھے کے دل میں اس لڑکے کی محبت نے گھر کر لیا اور عشق نے اتنا زور پکڑا کہ بالاخر اس نے لڑکے سے اپنا دکھڑا رو ہی دیا۔ لڑکے نے کہا کہ میں کیا تدبیر کر سکتا ہوں۔ بھائی کے پہرے میں ہوں۔ دن رات میں کسی وقت اس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ تجھے معلوم ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے مجھے اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ بوڑھا بولا میرا گھر تیرے گھر سے ملا ہوا ہے۔ تو یہ کر سکتا ہے کہ جب تیرا بھائی سو جائے تو اٹھ کر پاخانے جائیوں اور پھر لوگوں پر ظاہر کر کے کہ تو سو گیا ہے چھت کی دیوار پر آ جائیو۔ دیوار کے پیچھے سے میں تجھے لے لوں گا' تھوڑی دیر میرے پاس بیٹھ کر واپس چلا آئیو' تیرے بھائی کو خبر تک نہ ہو گی۔ لڑکے نے اقرار کر لیا۔ بوڑھے نے لڑکے کے قابل' عمدہ عمدہ چیزیں تیار کیں اور رات آنے کا انتظار کرنے لگا۔

یہ تو بوڑھے کا قصہ ہوا' اب لڑکے کا حال سنئے۔ وہ پاخانے میں جا کر وقت کا منتظر تھا کہ ایک پہر رات گزر گئی اور وزیر غافل ہو کر سو گیا۔ اب لڑکا اٹھ کر آہستہ آہستہ دیوار کے پاس گیا دیکھا کہ بوڑھا کھڑا ہوا انتظار کر رہا ہے۔ بوڑھے نے اسے ہاتھ پکڑ کر کھینچ لیا اور بیٹھک میں لے گیا۔ وہ رات' چاند کی چودھویں رات تھی۔ دونوں بیٹھ کر مے نوشی کرنے لگے اور دور چلنے لگا۔ چودھویں رات کا چاند چمک رہا تھا اور بوڑھا گا رہا تھا۔ دونوں ایسے مزے میں تھے کہ جس سے عقل دنگ رہ جائے اور جس کی تعریف زبان سے نہ ہو سکے کہ اتنے میں صاحب بدر الدین کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دیکھا کہ بھائی غائب ہے۔ وہ مارے ڈر کے اٹھ بیٹھا۔ ادھر ادھر نظر ڈالی تو دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ باہر آیا اور اسے کھانا پھوسی کی آواز سنائی دی۔ زینے پر ہو کر چھت پر چڑھا۔ اسے برابر والے گھر میں روشنی دکھائی دی' جھانکا تو دیوار کے پیچھے دونوں بیٹھے ہوئے ہیں اور دور چل رہا ہے۔ بوڑھے کو آہٹ معلوم ہو گئی اور وہ یہ شعر پڑھنے

لگا۔ "وہ اپنے منہ کے لعاب سے مجھے شراب پلاتا ہے' اپنے رخساروں سے مجھے سلام کرتا ہے اور رات بھر رخسار سے رخسار ملائے بیٹھا رہتا ہے لیکن چاند ہمارے اوپر پہرا دیتا ہے لہٰذا اس سے کہہ دو کہ وہ چغل خوری نہ کرے۔" صاحب بدر الدین کی شرافت کو دیکھو کہ جب اس نے یہ اشعار سنے تو کہنے لگا کہ خدا کی قسم میں تمہاری چغل خوری نہ کروں گا۔ یہ کہہ کر وہ چلتا ہوا اور دونوں نے خوب مزے اڑائے۔

○ مکتب کے لڑکے لڑکی کی محبت کی کہانی

ایک لڑکا اور ایک لڑکی ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے۔ لڑکے کو لڑکی سے عشق ہو گیا

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اس اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو پچاسی ویں رات

جب تین سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکے کو لڑکی سے عشق ہو گیا۔ ایک روز جبکہ دوسرے لڑکے لڑکیاں کھیل کود میں مصروف تھیں۔

اس لڑکے نے لڑکی کی تختی لے کر اس پر یہ دو شعر لکھ دیئے:

"اس شخص کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے جس کو اس بیماری نے سوکھا کر کانٹا کر دیا ہو جو تیرے عشق کا نتیجہ ہے؟ محبت اور غم کی وجہ سے وہ اپنا دکھڑا ہر ایک کے آگے روتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی حالت چھپا نہیں سکتا۔"

لڑکی نے تختی اٹھائی تو اس نے یہ شعر لکھے ہوئے دیکھے۔ انہیں پڑھا اور ان کا مطلب سمجھا اور اسے لڑکے پر ترس آ گیا۔ وہ رونے لگی ان اشعار کے نیچے یہ دو شعر لکھ دیئے۔

"جب ہم دیکھتے ہیں کہ کسی کا محبت سے برا حال ہو رہا ہے تو ہم اس کے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ ہم اس کی محبت کی آرزو پوری کر دیں گے خواہ ہم پر کچھ بھی گزرے۔"

اتفاق کی بات ہے ان دونوں کی بے خبری میں معلم وہاں پہنچا اور اس نے تختی اٹھا کر دیکھی اور اشعار پڑھ کر سمجھا کہ دونوں قابل رحم ہیں۔ اس نے دونوں کے نیچے یہ دو اشعار لکھ دیئے:

"اپنے عاشق کی دل داری کر اور اس کے انجام سے نہ ڈر کیونکہ تیرا عاشق تیری محبت میں حیران و سرگرداں پھر رہا ہے۔ اب رہا معلم' اس سے خوف کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بھی ایک زمانے تک عشق میں مبتلا رہا ہے۔"

اتفاق سے اسی وقت لڑکی کا آقا مکتب میں آیا۔ اس کی نظر تختی پر پڑی۔ اس نے تختی اٹھا کر وہ تمام اشعار جو لڑکی' لڑکے اور معلم نے لکھے تھے' اس نے بھی ان کے نیچے

یہ دو اشعار لکھ دیئے:

”خدا تم دونوں کو کبھی جدا نہ کرے اور تمہارے حاسد حیران و پریشان رہیں! رہا معلم، اس سے زیادہ دریا دل میں نے کسی انسان کو نہیں دیکھا؟“

پھر لڑکی کے آقا نے قاضی اور گواہوں کو بلا کر اسی مجلس میں لڑکی کی شادی لڑکے سے کر دی اور ان کی طرف سے ولیمے کی دعوت دی۔ دونوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور دونوں خوش خوش رہے یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ متلمس شاعر اور اس کی بیوی کی کہانی

جب متلمس شاعر نعمان بن منذر کے دربار سے بھاگا تو بہت دنوں تک غائب رہا حتیٰ کہ لوگوں کو اس کے مرنے کا یقین ہو گیا۔ اس کی ایک بیوی تھی نہایت حسین۔ اس کا نام امیمہ تھا۔ خاندان والوں نے اسے مشورہ دیا کہ تو دوسری شادی کر لے۔ اس نے انکار کر دیا لیکن لوگ برابر اس کے سر رہے، اس لئے کہ ہر شخص اس سے شادی کرنے کا خواہش مند تھا۔ آخر اسے ایسا مجبور کیا گیا کہ باوجود اپنے شوہر متلمس سے انتہائی محبت کے وہ طوعاً اور کرہاً شادی کرنے پر رضا مند ہو گئی اور اس کا نکاح اسی قبیلے کے ایک شخص کے ساتھ ہو گیا۔ جس شخص نے نکاح کرنے پر لوگوں نے اسے مجبور کیا تھا اس کے ساتھ زفاف کی رات تھی کہ خدا کی شان اس کا شوہر متلمس آ پہنچا۔ قبیلے میں اسے باجے گانے کی آوازیں سنائی دیں اور جشن کے سامان نظر آئے۔ اس نے چند لڑکوں سے اس جشن کا سبب پوچھا تو انہوں نے کہا کہ متلمس کی بیوی امیمہ کی شادی فلاں شخص کے ساتھ ہوئی ہے۔ متلمس نے یہ سنا تو کسی حیلے سے عورتوں کے ساتھ مل کر اندر چلا گیا۔ اس نے دیکھا کہ دولہا آ چکا ہے اور دونوں تخت پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ امیمہ نے ٹھنڈا سانس لیا اور رو کر یہ شعر پڑھنے لگی:

"حوادث کا اتنا ہجوم ہے کہ مجھے معلوم نہیں اے متلمس تو کس ملک میں ہے۔"

متلمس مشہور شاعروں میں سے تھا۔ اس نے فوراً جواب دیا:

"تجھ سے بہت قریب اے امیمہ' یقین کر کہ جب سوار سو جاتے تھے تو میری راتیں تیری تمنا میں گزرتی تھیں۔"

دولہا نے جو یہ سنا تو اسے یقین ہوا کہ متلمس آ گیا اور دونوں میاں بیوی جمع ہو گئے تو وہ یہ پڑھتا ہوا دونوں کے بیچ میں سے تیزی سے چلتا ہوا:

"اب تک تو میری اچھی گزری مگر اب رات بری گزرے گی اور تم دونوں کشادہ گھر اور مجلس میں آرام کرو گے۔"

یہ کہہ کر وہ چلتا بنا اور متلمس اپنی بیوی کے ساتھ اکیلا رہ گیا اور دونوں نے بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر کی یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں۔

- ہارون الرشید' زبیدہ اور ابونواس کی کہانی

کہتے ہیں کہ خلیفہ ہارون الرشید' زبیدہ کو بے حد چاہتا تھا' اس کی سیر و تفریح کے لئے اس نے ایک خاص محل سرا بنائی تھی جس کے اندر پانی کا ایک حوض تھا۔ حوض کے ارد گرد جھاڑیاں تھیں' اس میں ہر طرف سے پانی آتا۔ جھاڑیاں اتنی گھنی تھیں کہ اگر کوئی اس حوض میں نہاتا تو اس کی شاخیں ٹٹیاں بن جاتیں اور اسے کوئی نہ دیکھ سکتا۔ ایک روز کا اتفاق سنئے۔ شہزادی زبیدہ وہاں آئی اور حوض کے پاس پہنچی ------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- تین سو چھیاسی ویں رات

جب تین سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہزادی زبیدہ حوض کے پاس آ کر اس کی خوبصورتی کا تماشا دیکھنے لگی۔ اس کی رونق اور درختوں کا اس پر جھرمٹ اسے بہت بھایا۔ اس دن گرمی زیادہ تھی وہ اپنے کپڑے اتار کو حوض میں اتر گئی اور پانی کے اندر جا بیٹھی۔ حوض اتنا گہرا نہ تھا کہ انسان اس میں کھڑا ہو کر پانی سے چھپ جائے اس لئے زبیدہ ایک چاندی کے لوٹے میں پانی بھر بھر کر اپنے بدن پر ڈالنے لگی۔ خلیفہ کو جو اس کی خبر لگی تو وہ اپنے محل سے نکل کر درختوں کی آڑ میں کھڑا ہو کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ وہ بالکل برہنہ ہے اور اس کے تمام پوشیدہ اعضاء کھلے ہوئے ہیں۔ جب زبیدہ کو معلوم ہوا کہ امیر المومنین درختوں میں چھپا کھڑا اسے برہنہ دیکھ رہا ہے تو شرم کے مارے اس نے دونوں ہاتھ اپنی مخصوص جگہ پر رکھ لئے مگر وہ مقام اتنا چوڑا چکلا اور موٹا تھا کہ دونوں ہاتھوں کے درمیان میں سے بھی دکھائی دیتا رہا۔ خلیفہ کو بڑا تعجب ہوا اور وہ یہ شعر پڑھتا ہوا فوراً لوٹ گیا:

"میری آنکھوں نے موت کی مدد کی اور
میری محبت جوش مارنے لگی"

آگے اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کہے اس لئے اس نے ابونواس کو بلوایا۔ ابونواس حاضر ہوا تو خلیفہ نے کہا کہ ایک نظم کہہ جس کا پہلا شعر یہ ہو:

"میری آنکھوں نے ------- الخ"

ابونواس نے فی البدیہہ یہ شعر کہے:

میری آنکھوں نے ------- الخ
ایک غزال صفت نے مجھے

بیری کے درخت کے نیچے گرفتار کر لیا
وہ ایک چاندی کے لوٹے سے اپنے اوپر پانی ڈالتی جاتی تھی
جب اس نے مجھے دیکھا تو اس چیز کو چھپا لیا

لیکن وہ دونوں ہاتھوں کے درمیان سے دکھائی دیتی تھی
کاش میں اس کے اوپر ایک دو گھڑی رہتا"
یہ سن کر امیر المومنین مسکرایا اور اسے انعام دیا اور مسرور سے کہا کہ اسے جانے دے۔

- ہارون الرشید اور کنیز اور ابونواس کی کہانی

ایک رات امیر المومنین ہارون الرشید کا جی بہت گھبرایا' وہ اٹھ کر اپنے محل کے ارد گرد ٹہلنے لگا۔ اچانک اس کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو نشے میں جھوم رہی تھی۔ خلیفہ اس کنیز کو بہت چاہتا تھا اور اس سے محبت کرتا تھا' اس لئے وہ اس سے ہنسی مذاق کرنے لگا اور اسے اپنی طرف کھینچنے لگا۔ اس ہاتھا پائی میں اس کی چادر گر پڑی اور ازار کھل گئی۔ یہ دیکھ کر خلیفہ وصل کا طالب ہوا۔ کنیز نے کہا کل رات تک مجھے معاف کر۔ اے امیر المومنین' میں تیرے لئے تیار نہیں ہوں کیونکہ مجھے تیرے آنے کی خبر نہ تھی۔ خلیفہ اسے چھوڑ کر چلا گیا۔ جب سویرا ہوا اور سورج کی روشنی پھیلنے لگی تو اس نے اپنے ایک غلام کے ہاتھ کنیز کو پیغام بھیجا کہ امیر المومنین تیرے حجرے میں موجود ہے۔ کنیز نے اس کے جواب میں کہلوا دیا کہ "کلام اللیل یمحوہ النہار" یعنی رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے۔ رشید نے اپنے مصاحبوں سے کہا کہ ایک نظم کہو

جس میں یہ مصرع آئے:
کلام اللیل ------- الخ"
پہلے رقاشی آگے بڑھا اور یہ اشعار پڑھنے لگا:

"خدا کی قسم اگر تجھے بھی ایسی ہی محبت ہوتی جیسی کہ مجھے ہے تو صبر و قرار تجھے سے کوسوں دور بھاگتے۔ تیری محبوبہ نے تجھے محبت میں گرفتار کر کے چھوڑ دیا ہے' نہ وہ آتی ہے اور نہ تجھے بلاتی ہے جب وہ وعدہ کرتی ہے تو وعدہ خلافی کرتی ہے اور کہتی ہے کہ رات کی بات کو ------- الخ"

اس کے بعد ابو مصعب نے آگے بڑھ کر کہا:

"تیرا دل تو بے بس ہے' قرار آئے تو کیسے! صبر تو جاتا رہا ہے' نیند آئے تو کیونکر! کیا یہ تیرے لئے کافی نہیں کہ آنکھیں اشک آلود ہیں اور دل میں ------- الخ"

پھر ابونواس نے یہ اشعار پڑھے:

"عشق بڑھتا جاتا ہے اور وصل کی امید گھٹتی جاتی ہے۔ میں نے صاف صاف اپنی محبت جتائی لیکن اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ رات کے وقت وہ محل میں مخمور پھر رہی تھی۔ نشے میں اس کی آن بان دوبالا ہو گئی تھی۔ ہاتھا پائی سے اس کی چادر کاندھے پر سے گر گئی اور اس کی ازار کھل گئی۔ میں نے کہا کہ اپنے عاشق سے وعدہ کر اور اسے پورا کر۔ اس نے کہا کہ کل وصال ہو گا۔ جب میں دوسرے دن آیا اور اسے وعدہ یاد دلایا تو وہ کہنے لگی کہ رات کی بات کو دن بھلا دیتا ہے۔"

خلیفہ نے حکم دیا کہ پہلے دونوں شاعروں کو ایک ایک توڑا عطا ہو اور ابونواس کی گردن اڑا دی جائے' اور اس سے کہا کہ تو رات کو محل میں موجود تھا۔ ابونواس نے کہا' خدا کی قسم میں اپنے گھر میں سو رہا تھا' محض تیرا کلام دیکھ کر یہ مضامین میرے خیال میں آئے ہیں۔ خدا کا قول ہے کہ "شاعر کے پیچھے پیچھے شیطان لگے رہتے ہیں' تو نے خود دیکھا ہو گا کہ وادی وادی مارے مارے پھرتے ہیں اور جو کچھ وہ کہتے ہیں کرتے نہیں۔" اس پر خلیفہ نے اسے معاف کر دیا اور دو توڑے اشرفیوں کے دیئے اور سب لوگ وہاں سے چلتے ہوئے۔

○ چکی چلانے والے اور اس کی بیوی کی کہانی

کسی شخص کے پاس ایک چکی تھی اور ایک گدھا جو اسے چلاتا تھا۔ اس کی ایک بد ذات بیوی تھی۔ شوہر بیوی کو چاہتا تھا مگر بیوی اس سے نفرت کرتی تھی۔ اسے اپنے ایک پڑوسی سے محبت تھی پڑوسی کو اس سے نفرت' یہ شوہر کا کہنا نہ مانتی اور پڑوسی اس کا کہنا نہ مانتا۔ ایک رات شوہر نے خواب میں دیکھا کہ کوئی اس سے کہہ رہا ہے کہ گدھے کی چکی کے کھونٹے کے نیچے کھود تجھے وہاں خزانہ ملے گا۔ جب وہ سو کر اٹھا تو اس نے اپنی بیوی سے یہ خواب بیان کیا اور کہا کہ یہ راز کسی سے کہیو نہیں لیکن بیوی نے اپنے پڑوسی کو خبر کر دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اٹھاسی ویں رات

جب تین سو اٹھاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- چکی والے کی بیوی نے اس کی خبر اپنے پڑوسی کو' جسے وہ چاہتی تھی' کر دی تا کہ وہ اس سے

محبت کرنے لگے۔ پڑوسی نے اس سے رات کے وقت آنے کا وعدہ کر لیا۔ رات ہوئی تو وہ آیا اور چکی کے نیچے کھود کر وہاں سے خزانہ نکالا۔ پھر وہ کہنے لگا کہ اب کیا کریں؟ عورت نے جواب دیا کہ اسے دو برابر حصوں میں تقسیم کر۔ اس کے بعد تو اپنی بیوی کو چھوڑ دے' میں کسی بہانے سے اپنے شوہر سے جدا ہو جاؤں اور تو میرے ساتھ شادی کر لے۔ جب ہم دونوں مل جائیں گے تو کل خزانہ بھی یکجا ہو جائے گا اور ہمارے کام آئے گا۔ پڑوسی نے کہا میں ڈرتا ہوں کہ شیطان تجھے بہکادے اور تو میرے علاوہ کسی اور سے شادی کر لے کیونکہ سونے کا گھر میں ہونا ایسا ہے جیسا سورج کا دنیا میں ہونا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سارا مال میرے پاس رہے تا کہ تجھے اس بات کا لالچ لگا رہے اور تو اپنے شوہر کو چھوڑ کر میرے پاس آ جائے۔ عورت بولی مجھے بھی وہی ڈر ہے جو تجھے ہے اس لئے میں اپنا حصہ تجھے نہیں دوں گی۔ آخر میں نے ہی تو تجھے خزانے کا پتا دیا ہے۔ جب پڑوسی نے یہ باتیں سنیں تو شیطان نے اس سے کہا کہ عورت کو قتل کر دے اور اس نے قتل کر کے اسی جگہ ڈال دیا جہاں سے خزانہ ملا تھا اور صبح ہوتے وہ مال و دولت لے کر چمپت ہوا۔ اتنے میں چکی والے کی آنکھ کھل گئی اور اس نے دیکھا کہ بیوی نہیں ہے۔ اس نے چکی میں جا کر گدھے کو چکی سے باندھا اور اسے ہانکنے لگا۔ گدھا چل کر رک گیا۔ چکی والے نے اسے خوب مارا اور جتنا مارتا اتنا ہی گدھا پیچھے ہٹتا جاتا کیونکہ وہ عورت کی لاش دیکھ کر بدکتا اور آگے بڑھنے کی ہمت نہ کرتا تھا۔ چکی والے کو کیا خبر کہ گدھا کیوں نہیں چلتا۔ وہ گدھے کا مکرا پن نہ سمجھا۔ اب اس نے ایک چھری لے کر اسے خوب گودا

لیکن وہ ایک قدم آگے نہ سرکا۔ آخر اس نے طیش میں آ کر گدھے کے پہلوؤں میں چھریاں ماریں اور وہ گر کر مر گیا۔ جب دن نکلا تو چکی والے نے دیکھا کہ گدھا بھی مرا پڑا ہے اور اس کی بیوی بھی اور ٹھیک اسی جگہ جہاں خزانہ تھا۔ اسے اور بھی زیادہ غصہ آیا کہ خزانے کا خزانہ ہاتھ سے گیا' بیوی اور گدھا مرا سو الگ۔ یہ سب اس وجہ سے ہوا کہ اس نے اپنی بیوی سے بھید کہہ دیا اور اس نے اسے پوشیدہ نہ رکھا۔

○ گدھے والے اور چور کی کہانی

ایک احمق اپنے گدھے کی رسی پکڑے اسے اپنے پیچھے پیچھے لے چلا جا رہا تھا کہ دو چوروں کی نظر اس پر پڑی۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ میں ابھی اس گدھے کو اس شخص سے لئے آتا ہوں۔ اس نے پوچھا کہ کس طرح؟ ساتھی بولا میرے پیچھے پیچھے آ اور تماشا دیکھ۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ اب یہ چور اس گدھے کی طرف بڑھا اور اس کی رسی کھول کر اپنے ساتھی کے حوالے کیا اور خود اپنے گلے میں رسی ڈال کر احمق کے پیچھے پیچھے چلنے لگا۔ جب اس نے دیکھ لیا کہ اس کا ساتھی گدھے کو لے کر غائب ہو چکا ہے تو وہ ٹھہر گیا اور احمق کے کھینچنے پر بھی آگے نہ بڑھا۔ احمق نے پیچھے مڑ کر نظر کی تو کیا دیکھتا ہے کہ رسی ایک انسان کی گردن میں پڑی ہوئی ہے۔ اس نے پوچھا کہ تو کیا بلا ہے؟ چور نے جوابدیا میں تیرا گدھا ہوں۔ میرا قصہ عجیب و غریب ہے وہ یہ کہ میری ماں ایک پارسا بڑھیا ہے۔ ایک روز میں پیئے ہوئے اس کے پاس آیا اس نے کہا بیٹا' اس گناہ سے خدا کے آگے توبہ کر۔ میں نے ایک ڈنڈا اٹھایا اور اسے مارا۔ اس نے بددعا دی اور خدا نے مجھے گدھا بنا کر تیرے حوالے کیا۔ میں اتنی مدت تک تیرے پاس رہا۔ آج میری ماں کو میری یاد آئی۔ اسے میرے حال پر ترس آ گیا' اس نے میرے لئے دعا کی اور خدا نے مجھے پہلے کی طرح انسان بنا دیا۔ احمق نے کہا "لاحول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" بھائی' خدا

کے لئے میرا کیا دھرا معاف کر اور اس نے چور کے گلے سے رسی کھول دی اور غم اور غصے میں بھرا ہوا اپنے گھر پہنچا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ تجھ پر کیا مصیبت نازل ہوئی اور گدھا کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ تجھے گدھے کے متعلق کچھ خبر نہیں ہے؟ سن۔ یہ کہہ کر اس نے ساری سرگزشت دہرا دی۔

بیوی بولی ہائے افسوس' مدت تک ہم آدمی سے خدمت لیتے رہے! اس کے بعد اس نے خیرات کی' خدا سے مغفرت چاہی اور شوہر بہت دنوں تک گھر میں بیکار بیٹھا رہا۔ آخر کار عورت نے کہا کہ کب تک گھر میں بے کار بیٹھا رہے گا؟ بازار جا کر دوسرا گدھا خرید لا اور روزی کما۔ یہ سن کر وہ بازار گیا اور ایک گدھے والے کے پاس ٹھہر گیا اور جو اپنا گدھا بیچ رہا تھا۔ گدھے کو دیکھ کر وہ اس کے پاس گیا اور اپنا منہ اس کے کان پر رکھ کر کہنے لگا۔ کمبخت کہیں تو نے اپنی ماں کو تو نہیں مارا ہے اور اس وجہ سے گدھا ہو گیا ہے! خدا کی قسم میں تجھے ہرگز نہیں خریدوں گا' اور وہ اسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔

○ ہارون الرشید' زبیدہ اور چمگاڈر کی کہانی

ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید دوپہر کے وقت سو گیا۔ جب وہ بیدار ہوا اور تخت اٹھایا جس پر وہ سویا تھا تو اس نے دیکھا کہ بچھونے پر تازہ منی پڑی ہے۔ اسے بڑی پریشانی ہوئی۔ مزاج برگزشتہ ہو گیا۔ اس نے شہزادی زبیدہ کو بلوایا۔ وہ آئی تو خلیفہ نے پوچھا' یہ بچھونے پر کیا چیز پڑی ہے؟ زبیدہ نے اسے دیکھ کر کہا کہ اے امیر لمومنین یہ منی ہے۔ خلیفہ بولا' اس منی کی وجہ سچ سچ بتا ورنہ میں ابھی تیرے اوپر مصیبت ڈھا دوں گا۔ اس نے کہا اے امیر المومنین خدا کی قسم مجھے اس کا سبب معلوم نہیں۔ تو بدگمانی میری طرف سے کرتا ہے' اس سے میں بری ہوں۔ خلیفہ نے قاضی ابو یوسف کو بلا کر اس سے سارا قصہ بیان کیا اور منی دکھائی۔ قاضی نے سر اوپر اٹھا کر چھت

کی طرف دیکھا کہ اس میں ایک سوراخ ہے۔ کہنے لگا‘ اے امیر المومنین‘ چمگاڈر کی منی بھی انسان کی منی جیسی ہوتی ہے‘ یہ چمگاڈر کی منی ہے۔ یہ کہہ کر اس نے بھالا منگوایا اور اپنے ہاتھ میں لے کر سوراخ کے اندر مارا‘ اس میں سے چمگاڈر گری۔ یہ دیکھ کر خلیفہ ہارون الرشید کی بد گمانی جاتی رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

- تین سو نواسی ویں رات

تین سو نواسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب قاضی ابو یوسف نے ہاتھ میں بھالا لے کر سوراخ میں مارا اور ایک چمگاڈر آ کر نیچے گری تو ہارون الرشید کی بد گمانی دور ہو گئی اور زبیدہ کی بے گناہی کا ثبوت مل گیا۔ زبیدہ کو اس سے زیادہ کیا خوشی ہوتی۔ خدا نے اس کو بری کر دیا اور اس خوشی میں اس نے ابو یوسف کو بہت سا انعام دینے کا وعدہ کیا۔

زبیدہ کے پاس اتفاق سے اس وقت ایک غیر موسی پھل تھا اور اسے یہ بھی خبر تھی کہ باغ میں ایک دوسرا غیر موسی پھل بھی ہے۔ اس نے ابو یوسف سے کہا کہ اے دین کے پیشوا' تو کس پھل کو زیادہ پسند کرے گا موجودہ کو یا غائب کو؟ قاضی نے جواب دیا ہمارا مذہب غائب پر کوئی حکم نہیں لگاتا۔ یہاں ہو تو اس پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔

زبیدہ نے دونوں پھل اس کے سامنے پیش کئے۔ قاضی ابو یوسف نے اس میں سے بھی کھایا اور اس میں سے بھی۔ زبیدہ نے پوچھا۔ دونوں میں کیا فرق ہے؟ اس نے جواب دیا کہ جب میں ایک پھل کی تعریف کرنا چاہتا ہوں تو دوسرا آ کر اپنے دلائل پیش کرتا ہے۔ رشید اس کی باتیں سن کر ہنس پڑا اور اسے انعام دیا اور زبیدہ نے بھی وہ انعام پیش کیا جس کا اس نے اس سے وعدہ کیا تھا اور وہ خوش خوش ان کے پاس سے واپس گیا۔ اس پیشوا کی فضیلت دیکھیے اور یہ کہ اس نے زبیدہ کی بے گناہی کس طرح ثابت کی۔

- حاکم بامر اللہ اور باغ والے کی کہانی

ایک دن حاکم بامر اللہ اپنے جلوس کے ساتھ سوار جا رہا تھا۔ اس کا گزر ایک باگ

کی طرف ہوا۔ اس نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کے ارد گرد غلام اور نوکر چاکر جمع تھے۔ ضلیفہ نے اس سے پینے کے لئے پانی مانگا اس نے پانی پلایا اور کہنے لگا' میں امید کرتا ہوں کہ امیر المومنین اس باغ میں اتر کر میری عزت افزائی کرے گا۔ خلیفہ نے منظور کیا اور اس کا لشکر باغ میں اتر پڑا۔ اب اس شخص نے سو فرش نکالے' سو جاجمیں'' سو تکیے' سو خوان پھلوں کے' سو پالے جن میں حلوے تھے اور سو کٹورے جن میں شکر کا شربت تھا۔ یہ دیکھ کر حاکم بامر اللوہ دنگ ہو گیا اور بولا اے شخص تیرا واقعہ عجیب و غریب ہے۔ کیا تجھے ہمارے آنے کی خبر تھی تو نے تو یہ تمام چیزیں تیار کر رکھی ہیں؟ اس نے جواب دیا نہیں' خدا کی قسم اے امیر المومنین' مجھے تم لوگوں کے آنے کا حال بالکل معلوم نہ تھا۔ میں تیری رعیت کے تاجروں میں سے ایک تاجر ہوں۔ میری سو کنیزیں ہیں۔ جب امیر المومنین نے میرے ہاں اتر کر مجھے عزت بخشی تو میں نے ان میں سے ہر ایک کو کہلا بھیجا کہ میرے واسطے ناشتہ باغ میں بھیج دیں۔ سب نے اپنا کچھ فرش اور کھانا پینا جو ان کی ضرورت سے زائد تھا بھیج دیا کیونکہ ہر روز ان میں سے ہر ایک کنیز ایک تشت کھانا' ایک تشت ٹھنڈا شربت' ایک تشت میوہ' ایک پیالے میں حلوہ اور ایک کٹورا شراب بھیجتی ہے۔ یہ ناشتہ میرے پاس ہر روز پہنچ جاتا ہے۔ تیری وجہ سے میں نے کوئی زائد چیز نہیں منگوائی۔ امیر المومنین حاکم بامر اللہ نے خدا کے آگے شکرانے کا سجدہ کیا اور کہنے لگا کہ شکر ہے اس کا کہ اس نے ہماری رعایا میں لوگوں کو اتنی وسعت دی ہے کہ وہ بغیر تیاری کئے محض اس کھانے میں سے جو بچ رہتا ہے خلیفہ اور اس کے لشکر کی دعوت کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ جتنے درہم اس سال نئے بنائے گئے ہیں اور بیت المال میں ہیں سب اسے دے دیئے جائیں۔ ان درہموں کی تعداد سینتیس لاکھ تھی اور خلیفہ اس وقت تک سوار نہ ہوا جب تک درہموں کو منگوا کر انہیں اس شخص کے حوالے نہ کر دیا ' اور اس نے کہا کہ انہیں خرچ کر کیونکہ تیری دیا دلی ان سے بڑھ کر ہے۔

یہ کہہ کر وہ سوار ہوا اور چل دیا۔

نوشیرواں اور لڑکی کی کہانی

عادل بادشاہ کسریٰ نوشیرواں ایک دن شکار کے لئے نکلا اور ایک ہرن کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اپنے لشکر سے جدا ہو گیا۔ وہ ہرن کے پیچھے لگا ہی ہوا تھا کہ سامنے ایک گاؤں نظر آیا۔ بھاگ دوڑ میں اسے پیاس لگ آئی تھی اس لئے اس نے گاؤں کی طرف رخ کیا اور جو گھر پہلے پڑا اسی پر دستک دی اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ گھر میں سے ایک لڑکی نکلی اور بادشاہ کو غور سے دیکھ کر مکان کے اندر چلی گئی۔ اندر جا کر لڑکی نے ایک گنے کا رس نکالا اور اس میں پانی ملا کر پیالے میں بھرا پھر اس پر کوئی خوشبو دار چیز چھڑکی جس کی شکل مٹی کی سی تھی اور پیالہ لا کر نوشیرواں کے آگے پیش کیا۔ نوشیرواں نے پیالہ ہاتھ میں لے کر دیکھا کہ اس میں مٹی کی طرح کی کوئی چیز پڑی ہے۔ وہ پھونک مارتا اور چھوٹے چھوٹے گھونٹ لیتا یہاں تک کہ سارا پیالہ خالی ہو گیا۔ اب اس نے لڑکی سے کہا کہ اے لڑکی' پانی بہت اچھا اور بہت میٹھا تھا۔ کاش اس کے اندر گرد نہ ہوتی! لڑکی بولی کہ اے مہمان' میں نے جان بوجھ کر یہ گرد اس میں ڈال دی ہے جو کوڑے کی طرح ہے۔ بادشاہ نے پوچھا یہ کیوں؟ اس نے جواب دیا میں نے دیکھا کہ تو بہت پیاسا ہے۔ مجھے ڈر ہوا کہ اگر تو ایک ہی سانس میں چڑھا گیا تو تجھے نقصان پہنچے گا۔ اگر اس میں گرد نہ ہوئی تو تو تیزی کے ساتھ ایک ہی گھونٹ میں پی جاتا اور اس طرح سے تجھے نقصان پہنچتا۔

نوشیرواں کو اس کی باتوں اور ذہانت پر بڑا تعجب ہوا۔ وہ سمجھ گیا کہ جو کچھ اس نے کہا ذہانت اور عقل مندی اور دانش مندی کی بنا پر کہا۔ اب اس نے لڑکی سے پوچھا کہ یہ کتنے گنوں کا رس تھا۔ اس نے جواب دیا کہ ایک گنے کا۔ نوشیرواں کو حیرت ہو گئی اس نے لگان کا کھاتہ نکلوا کر دیکھا کہ اس گاؤں سے کتنا وصول ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وصول کم ہے۔ اس بات کو اس نے اپنے دل ہی میں رکھا ارادہ کیا کہ جب دارالسلطنت میں پہنچوں گا تو اس گاؤں کا لگان بڑھا دوں گا کیونکہ جس گاؤں میں ایک گنے کا اتنا رس ہو' اس کا لگان اتنا کم کیونکر ہو سکتا ہے چنانچہ گاؤں سے واپس ہو کر پھر شکار میں مصروف ہو گیا۔ شام کے وقت لوٹا تو اس دروازے پر تنہا پہنچا اور پینے کے لئے پانی مانگا۔ وہی لڑکی باہر نکلی اس نے بادشاہ کو پہچان لیا اور اندر جا کر رس نکالنے لگی۔ دیر زیادہ لگی تو نوشیرواں نے اس سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو نوے ویں رات

جب تین سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ نوشیرواں نے لڑکی سے پوچھا کہ تو نے اتنی دیر کیوں لگائی؟ اس نے جواب دیا: اس لئے کہ ایک گنے سے تیری ضرورت کے لائق رس نہیں نکلا' میں نے تین گنوں کا رس نکالا پھر بھی ان میں سے اتنا رس نہ نکلا جتنا کہ پہلے ایک گنے سے نکلا تھا۔ بادشاہ نوشیرواں نے کہا: اس کی کیا وجہ ہے؟ لڑکی بولی کہ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بادشاہ کی نیت بدل گئی۔ اس نے دریافت کیا کہ یہ تجھے کیونکر معلوم ہوا؟ لڑکی نے جواب دیا کہ ہم نے عقلمندوں سے سنا ہے کہ جب بادشاہ کی نیت اپنی رعایا کے حق میں خراب ہو جاتی ہے تو ان میں سے برکت جاتی رہتی ہے اور نیکیاں کم ہو جاتی ہیں۔
نوشیرواں ہنس پڑا اور اس نے اپنے دل سے وہ بات نکال دی جو اب تک اس گاؤں کے متعلق دل میں پوشیدہ تھی اور اس لڑکی سے فوراً بیاہ کر لیا کیونکہ اس کی انتہائی ذہانت' سمجھ داری اور خوش بیانی اسے بہت پسند آئی۔

- سقے اور سنار کی بیوی کی کہانی

بخارا میں ایک سقہ تھا جو تیس سال سے ایک سنار کے ہاں پانی بھرا کرتا۔ اس سنار کی ایک بیوی نہایت حسین و جمیل' آن بان والی' دیانت دار' نیک اور پارسا تھی۔ ایک روز سقہ دستور کے موافق آکر گھروں میں پانی بھرنے لگا۔ عورت صحن میں کھڑی تھی' سقہ اس کے پاس آیا' اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچا' خوب دبایا اور پھر اسے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ جب اس کا شوہر گھر لوٹا تو عورت نے کہا کہ آج تو نے بازار میں ایسا کیا کیا ہے جس سے خدا ناراض ہو گیا۔ شوہر بولا میں نے ایسی تو کوئی بات نہیں کی جس

سے خدا ناراض ہو۔ عورت نے کہا' نہیں تو نے ضرور کوئی ایسی بات کی ہے جو خدا کی ناراضگی کا سبب ہوئی۔ اگر تو نے سچ سچ نہ بتایا تو میں تیرے گھر میں نہ ٹھہروں گی اور اس کے بعد نہ تو مجھے دیکھے گا اور نہ میں تجھے دیکھوں گی۔

شوہر نے کہا اچھا جو کچھ میں نے کیا ہے تجھ سے سچ سچ کہتا ہوں سن: میں اپنی دکان میں دستور کے موافق بیٹھا ہی تھا کہ ایک عورت آئی اور یہ کہہ کر کہ میرے لئے کنگن بنادے' چل دی۔ میں نے کنگن بنا رکھ چھوڑے جب وہ پھر آئی تو میں نے کنگن نکالے اور اس نے اپنا ہاتھ نکالا۔ میں نے اسے کنگن پہنا دیئے۔ اس کے گورے گورے ہاتھ اور پیاری پیاری کلائیاں دیکھ کر میں دنگ ہو گیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کی میں نے خوب دبایا۔ بیوی نے کہا' اللہ اکبر! یہ تو نے کیوں کیا؟ اسی وجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سقے نے جو ہمارے ہاں تیس سال سے آتا جاتا ہے اور جس نے آج تک کوئی خیانت نہیں کی' آج میرا ہاتھ پکڑ کر دبایا۔ مرد نے کہا بیوی میں خدا سے مغفرت کا طالب ہوں اور جو کچھ کیا ہے اس سے توبہ کرتا ہوں' تو بھی میرے لئے خدا سے معافی مانگ۔

بیوی نے کہا خدا ہم سب کو معاف کرے بالخصوص تجھے اور آرام سے زندگی بسر کرائے!

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # تین سو اکیانوے ویں رات

جب تین سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سنار کی بیوی نے کہا کہ خدا' ہم سب کو اور بالخصوص تجھے معاف کرے اور آرام سے زندگی بسر کرائے۔ دوسرے دن سقہ آیا تو عورت کے قدموں پر گر پڑا اور زمین پر لوٹنے لگا۔ بڑی معذرت کی اور کہنے لگا کہ اے میری آقا' جو کچھ شیطان نے بہکا کر مجھ سے کرایا ہے معاف کر۔ عورت نے جواب دیا کہ تو اطمینان رکھ' یہ جرم تو نے اپنی طرف سے نہیں کیا بلکہ اس کا سبب میرے شوہر کا وہ فعل ہے جو اس نے دکان میں کیا تھا' خدا نے اس کا بدلہ اسی دنیا میں دے دیا۔ جب سنار کی بیوی نے اپنے شوہر سے یہ ماجرا بیان کیا تو اس نے کہا "گناہ کے بدلے گناہ" اگر میں زیادہ کرتا تو سقہ بھی زیادہ کرتا۔ اس کے بعد یہ جملہ لوگوں میں ضرب المثل ہو گیا۔ بیوی کو چاہیے کہ اپنے شوہر کے ساتھ ظاہر و باطن یکساں رکھے اور اگر شوہر کی استطاعت زیادہ نہ ہو تو بیوی کم پر قناعت کرے۔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نقش قدم پر چلے (خدا ان دونوں سے راضی رہے) تا کہ بزرگوں کے ساتھ اس کا حشر ہو۔

- ## خسرو' شیریں اور ماہی گیر کی کہانی

عجم کے بادشاہ خسرو کو مچھلی بہت پسند تھی۔ ایک روز وہ اپنی بیوی شیریں کے ساتھ محل میں بیٹھا تھا کہ ایک ماہی گیر آیا جس کے پاس ایک بہت بڑی مچھلی تھی۔ اس نے یہ مچھلی خسرو کی خدمت میں پیش کی۔ خسرو نے خوش ہو کر حکم دیا کہ اسے چار ہزار درہم دیئے جائیں۔ شیریں نے کہا یہ تو نے بہت برا کیا۔ اس نے پوچھا کیونکر؟

شیریں نے کہا کہ اگر اس کے بعد تو اپنے مصاحبوں میں سے کسی کو انعام دے گا تو وہ اسے حقیر سمجھے گا اور کہے گا کہ بادشاہ نے مجھے اتنا ہی دیا جتنا کہ ماہی گیر کو دیا تھا اور اگر تو اس سے کم دے گا تو اسے رنج ہو گا کہ بادشاہ نے میری ذلت کی اور ماہی گیر سے بھی کم دیا۔ خسرو بولا' تو سچ کہتی ہے لیکن بادشاہوں کے لئے یہ بری بات ہے کہ دے کر لے لے' جو ہوا سو ہوا۔ شیریں نے کہا کہ میں تجھے ایک ترکیب بتاتی ہوں کہ تو اس سے اپنا دیا ہوا انعام واپس لے سکے۔ خسرو نے پوچھا کہ وہ کیا؟ شیریں نے کہا کہ اگر تو ایسا کرنا چاہتا ہے تو ماہی گیر کو بلا کر پوچھ کہ یہ مچھلی نر ہے یا مادہ۔ اگر وہ کہے کہ نر ہے تو اسے کہیو ہم تو مادہ چاہتے ہیں اور اگر وہ کہے کہ مادہ ہے تو کہو کہ ہمیں نر کی ضرورت ہے۔

خسرو نے ایک شخص کو اس کے پیچھے بھیجا اور وہ اسے بلا لایا۔ یہ ماہی گیر بڑا ذہن اور ذکی تھی۔ بادشاہ خسرو نے پوچھا کہ مچھلی نر ہے یا مادہ؟ ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا کہ جہاں پناہ یہ مچھلی نہ نر ہے نہ مادہ بلکہ مخنث ہے۔ خسرو ہنس پڑا اور حکم دیا کہ اسے اور چار ہزار درہم عطا کئے جائیں۔ ماہی گیر خزانچی کے پاس گیا اور اس سے آٹھ ہزار درہم لے کر اپنی تھیلی میں رکھ لئے اور تھیلی کو کندھے پر رکھ کر جانا ہی چاہتا تھا کہ اس میں سے ایک درہم نکل پڑا۔ ماہی گیر نے تھیلی کندھے سے اتار کر رکھ دی اور جھک کر اس درہم کو اٹھا لیا۔ خسرو اور شیریں دونوں دیکھ رہے تھے۔ شیریں نے کہا اے بادشاہ' تو نے اس شخص کی خست اور چھچھور پن کو دیکھا ایک درہم گر پڑا تو اسے یہ گوارا نہ ہوا کہ وہ اسے پڑا رہنے دے اور بادشاہ کے نوکروں میں سے کوئی اٹھا لے۔ بادشاہ نے شیریں کی یہ باتیں سنیں تو اسے ماہی گیر سے نفرت آنے لگی۔ اس نے کہا اے شیریں تو سچ کہتی ہے اور حکم دیا کہ ماہی گیر کو واپس بلایا جائے۔

ماہی گیر واپس آیا تو اس سے کہا: اے کم ہمت' تجھ میں انسانیت بالکل نہیں۔ تو نے یہ کیوں کیا کہ سارا مال اپنے کندھے سے اتار کر ایک درہم کی خاطر جھکا اور تیری

کنجوسی نے یہ گوارا نہ کیا کہ تو درہم کو پڑا رہنے دیتا۔
ماہی گیر نے زمین چوم کر کہا خدا بادشاہ کی عمر میں برکت دے! میں نے وہ درہم زمین سے اس لئے نہیں اٹھایا کہ میں اسے لینے کے لئے بے چین تھا بلکہ میں نے اسے اس وجہ سے اٹھایا کہ اس میں ایک طرف بادشاہ کی تصویر تھی اور دوسری طرف اس کا نام۔ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کوئی شخص غلطی سے اس پر پاؤں نہ رکھ دے اور بادشاہ کے نام اور تصویر کی ذلت اور مجھ پر گناہ عائد نہ ہو جائے۔ بادشاہ کو اس کی بات پسند آئی وہ اس جواب پر پھڑک گیا اور اسے چار ہزار درہم اور دینے کا حکم دیا۔ اس کے بعد بادشاہ نے ملک میں ڈھنڈورا پٹوا دیا کہ کوئی عورتوں کے مشورے پر نہ چلے' کیونکہ اگر کوئی ان کے مشورے پر چلے گا تو وہ اپنے ایک درہم کے علاوہ دو درہم کھوئے گا۔

○ یحییٰ برمکی اور فقیر کی کہانی

ایک روز یحییٰ برمکی خلیفہ کے محل سے نکل کر اپنے گھر چلا۔ وہاں پہنچ کر دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص بیٹھا ہوا ہے۔ وزیر کو سامنے دیکھ کر وہ شخص کھڑا ہو گیا اور سلام کر کے کہنے لگا کہ اے یحییٰ میں تیری سخاوت کا محتاج ہوں اور تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ یحییٰ نے حکم دیا کہ اس کے لئے گھر کا ایک حصہ خالی کر دیا جائے اور اپنے خزانچی کو حکم دیا کہ اسے ہر روز ایک ہزار درہم دے آیا کرے اور اپنے خاص کھانے میں سے اس کے لئے کھانا بھیجا کرتا۔ وہ شخص پورے مہینے اسی طرح رہا' مہینہ ختم ہونے کے بعد اس کے پاس تیس ہزار درہم ہو گئے۔ اب وہ شخص ڈرا کہ کہیں یحییٰ اس وجہ سے کہ میرے پاس بہت سے درہم ہو گئے ہیں' انہیں چھین نہ لے اور چپکے سے چلتا ہوا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

- ## تین سو بانوے ویں رات

جب تین سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- وہ شخص چپکے سے درہم لے کر چلتا ہوا۔ خزانچی نے یحییٰ کو خبر دی تو وہ کہنے لگا واللہ

اگر وہ اپنی زندگی بھر بھی میرے پاس ٹھہرتا تو میں نہ اس کا انعام روکتا اور نہ مہمانی کا حق ادا کرنے میں کوتاہی کرتا۔ برمکیوں کی خوبیاں بے شمار ہیں اور ان کی تعریف بیان کرنے سے زبان قاصر ہے خاص کر یحییٰ میں تو بہت ساری خوبیاں تھیں۔

- ### جعفر بن موسیٰ الہادی اور امین بن زبیدہ کی کہانی

جعفر بن موسیٰ الہادی کی ایک کنیز تھی جس کا نام بدر کبیر تھا اور جو خوب روئی اور تناسب اعضاء میں بے نظیر تھی۔ حسن و جمال میں لاجواب۔ امین بن دزبیدہ کو اس کی خبر ہوئی تو اس نے جعفر سے درخواست کی کہ وہ اسے میرے ہاتھ بیچ دے۔ جعفر نے کہلا بھیجا کہ تجھے معلوم نہیں کہ مجھ جیسا شخص نہ کنیزوں کو بیچ سکتا ہے نہ ان کا مول تول کر سکتا ہے۔ اگر وہ میری گھر کی پلی ہوئی نہ ہوتی تو میں کنجوسی نہ کرتا اور تجھے نذر کر دیتا۔ اس کے بعد ایک روز امین بن زبیدہ گانا سننے کی غرض سے جعفر کے گھر گیا۔

جعفر نے وہ تمام عمدہ عمدہ چیزیں مہیا کیں جو دوستوں کے لئے مہیا کی جا سکتی ہیں اور اپنی کنیز بدر کبیر سے کہا کہ اس کے آگے گائے اور اسے خوش کرے۔ کنیز نے باجوں کو ٹھیک ٹھاک کر کے بہترین راگ بجائے۔ امین بن زبیدہ شراب نوشی اور لطف انگیزی میں مشغول ہو گیا اور ساقیوں کو حکم دیا کہ جعفر کو خوب پلائیں یہاں تک

کہ وہ مدہوش ہو جائے۔ جب وہ مدہوش ہو گیا تو امین' کنیز کو لے کر اپنے گھر چلتا بنا مگر اس کے ساتھ دست درازی نہ کی۔

صبح ہوئی تو اس نے حکم دیا کہ جعفر کو بلایا جائے۔ جعفر آیا تو امین نے حکم دیا کہ س کے سامنے شراب پیش کی جائے اور کنیز پر دے کے پیچھے سے گائے۔ جعفر نے اس کی آواز سنی تو بہت طیش میں آیا۔ تاہم اپنی شرافت اور بلند حوصلگی کی وجہ سے ناراضگی کا کوئی اظہار نہ کیا اور مصاحبت کے آداب میں کوئی کمی نہ کی۔ شراب کی مجلس ختم ہوئی تو امین بن زبیدہ نے اپنے ایک مصاحب کو حکم دیا کہ جس کشتی میں جعفر آیا ہے اسے درہموں' دیناروں' طرح طرح کے ہیرے جواہرات' نفیس پوشاکوں اور عمدہ سامانوں سے بھر دیا جائے۔ مصاحب نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اس نے حکم دیا تھا اور کشتی میں ایک ہزار تھیلیاں اور ایک ہزار توڑے رکھ دیئے۔ ہر توڑے میں بیس ہزار درہم تھے۔ ان کے علاوہ اس قدر نفیس چیزیں رکھیں کہ ملاح چلانے لگے کہ اس سے زیادہ چیزیں کشتی میں نہیں آ سکتیں۔ اب اس نے حکم دیا کہ یہ چیزیں جعفر کے گھر پہنچا دی جائیں یہ ہیں ہمتیں بڑے آدمیوں کی۔ خدا ان پر رحم کرے!

○ سعید بن سالم باہلی اور برمکیوں کی کہانی

سعید بن سالم کا بیان ہے کہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک بار میری حالت بہت ابتر ہو گئی اور مجھ پر بے حد قرضہ ہو گیا جس کی وجہ سے میں پریشان رہنے لگا کیونکہ اس کا ادا کرنا میری طاقت سے باہر تھا اور مجھے کوئی صورت چھٹکارے کی نظر نہ آتی تھی۔ میں حیران تھا کہ کیا کروں۔ قرض خواہ میرے مکان کو گھیرے رہتے اور تقاضا کرنے والوں کی بھیڑ لگی رہتی اور لینے والے میرا پیچھا نہ چھوڑتے اور میری سرا سیمگی بڑھتی جاتی۔ جب میں نے دیکھا کہ صورت حال خطرناک اور حالات بدلے ہوئے ہیں

تو میں عبد اللہ بن مالک الخزاعی کے پاس گیا کہ وہ مشورے سے میری مدد کرے اور کی اچھی تدبیر سوچ کر میرے لئے خوشی کا راستہ نکالے۔ عبد اللہ بن مالک خزاعی نے کہا کہ اگر کوئی تجھے اس مصیبت اور رنج و ناداری اور غم سے چھٹکارا دے سکتا ہے تو وہ برمکی ہیں۔ میں نے جواب دیا ان کے تکبر کو کون برداشت کر سکتا ہے اور ان کے تجبر پر کون صبر کر سکتا ہے! وہ بولا اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزں کو برداشت کر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو ترانوے ویں رات

جب تین سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- عبد اللہ بن مالک خزاعی نے سعید بن سالم سے کہا کہ اپنی حالت کی بہتری کی خاطر ان چیزوں کو برداشت کر۔ سعید کہتا ہے کہ میں یحییٰ بن خالد کے دونوں بیٹوں فضل اور جعفر کے پاس گیا اور ان کے سامنے اپنا دکھڑا رویا۔ اپنی حالت بیان کی۔ انہوں نے کہا کہ خدا تیری مدد کرے' اپنے احسان سے تجھے اوروں سے مستغنی کر دے' تجھے بہت مال و دولت دے اور دوسروں کا محتاج نہ رکھے! وہ جو چاہے کر سکتا ہے اور اپنے بندوں کی کھلی ڈھکی سب باتوں سے واقف ہے۔ میں وہاں سے حیران پریشان اور دل شکستہ اٹھ کر عبد اللہ بن مالک کے پاس آیا اور جو کچھ دونوں بھائیوں نے کہا تھا اسے کہہ سنایا وہ بولا آج تو یہیں میرے پاس ٹھہر جا۔ دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔ ابھی میں وہاں پہر بھر کے قریب ہی بیٹھا ہوں گا کہ میرا غلام آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' ہمارے دروازے پر بہت سے خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور ان کے ساتھ ایک شخص ہے جو کہتا ہے کہ میں فضل بن یحییٰ اور جعفر بن یحییٰ کا کارندہ ہوں۔

عبد اللہ بن مالک نے کہا خدا کرے یہ خوشی کا باعث ہو! اٹھ اور جا کر دیکھ کہ کیا ماجرا ہے۔ میں وہاں سے دوڑتا ہوا اپنے گھر پہنچا دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے جس کے ہاتھ میں ایک رقعہ ہے اس میں لکھا ہوا ہے کہ جب تو ہمارے پاس آیا تھا اور ہم نے تیری باتیں سنی تھیں تو اس کے بعد ہم خلیفہ کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ تیری حالت اتنی خراب ہو چکی ہے کہ تو مانگنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ اس پر خلیفہ نے ہم کو حکم دیا کہ بیت المال سے دس لاکھ درہم لے کر تیرے پاس بھیج دیں۔ ہم نے عرض کیا کہ ان سے تو وہ اپنے قرض خواہوں کے تقاضوں سے سبکدوشی حاصل کر سکتا ہے' اپنے اوپر کیا خرچ کرے گا؟ اس نے حکم دیا کہ تین لاکھ اور

دے دیئے جائیں۔ ان کے علاوہ ہم دونوں اپنے حلال مال میں سے دس دس لاکھ درہم بھیجتے ہیں۔ یہ کل تینتیس لاکھ درہم ہوئے جن سے تو اپنی حالت سدھار سکتا ہے۔ دیکھی

ان سخی لوگوں کی سخاوت' خدا ان پر رحم کرے۔

○ مکار عورت کی کہانی

ایک عورت نے ایک بار اپنے شوہر سے بڑی مکاری کی۔ وہ اس طرح کہ جمعے کے دن اس کا شوہر مچھلی لایا اور بیوی سے کہا' اسے پکا کر جمعے کی نماز کے بعد تیار رکھیو۔

وہ تو اپنے کام پر چلا گیا۔ اتنے میں اس عورت کا یار پہنچا اور کہنے لگا کہ ہمارے ہاں ایک شادی ہے چل کر اس میں شرکت کر۔ عورت مچھلی کو ایک چھلنی میں رکھ کر اس کے ساتھ چل دی اور دوسرے جمعے تک اپنے گھر نہ لوٹی۔ شوہر نے گھر گھر اسے ڈھونڈا اور لوگوں سے پوچھا لیکن کچھ پتہ نہ چلا۔ دوسرے جمعے کو جب وہ گھر آئی تو اس نے مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اسے دکھا دی۔ لوگ جمع ہوئے شوہر نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو چورانوے ویں رات

جب تین سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عورت دوسرے جمعے کو اپنے شوہر کے پاس آئی تو اس نے مچھلی چھلنی میں سے زندہ نکال کر اسے دکھا دی' تو تو میں میں ہونے لگی۔ لوگ جمع ہو گئے۔ شوہر نے ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ انہوں نے کہا تو جھوٹا ہے' یہ ممکن نہیں کہ مچھلی اتنی مدت تک زندہ رہے۔ یقین ہو گیا کہ وہ پاگل ہو گیا ہے اسے قید خانے میں بند کر دیا گیا اور اس کا مذاق اڑانے لگے۔

- بنی اسرائیل کی پارسا عورت کی کہانی

پرانے زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک لڑکی تھی جس کی پارسائی' دیانت داری اور زہد و عبادت کے سب قائل تھے۔ روزانہ مسجد جانا اس کا معمول تھا۔ مسجد سے ملا ہوا ایک باغ تھا جب وہ مسجد میں جاتی تو باغ سے ہو کر گزرتی اور وہیں وضو کرتی۔ اس باغ میں دو بوڑھے پہریدار تھے ایک روز وہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے اور اسے اپنی طرف مائل کرنے لگے لیکن اس نے صاف انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کہ اگر تو ہمارا کہا نہ مانے گی تو ہم گواہی دیں گے کہ تو نے زنا کیا ہے۔ لڑکی بولی' خدا مجھے تمہارے شر سے پناہ میں رکھے گا۔ اب ان دونوں نے باغ کا دروازہ کھول کر چلانا شروع کیا۔ لوگ چاروں طرف سے دوڑے اور کہنے لگے کہ تم پر کیا گزری؟ انہوں نے کہا کہ ہم نے اس لڑکی کو ایک جوان سے زنا کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ افسوس ہے کہ وہ ہمارے ہاتھ سے بچ کر نکل گیا۔ اس زمانے میں دستور تھا کہ لوگ پہلے تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ کر زانی کو بدنام کرتے' پھر اسے سنگسار کرتے چنانچہ تین دن تک ڈھنڈورا پیٹ

کر اس کی بھی فضیحت کی گئی‘ اس میں دونوں بوڑھے ہر روز لڑکی کے پاس آتے اور اپنے ہاتھ اس کے سر پر رکھ کر کہتے کہ شکر ہے خدا کا جس نے اپنا عذاب تجھ پر اتارا۔ جب لوگ اسے سنگسار کرنے چلے تو حضرت دانیال علیہ السلام بھی ان کے پیچھے روانہ ہو گئے۔ اس وقت ان کی عمر بارہ سال کی تھی اور یہ ان کا پہلا معجزہ ہے‘ ان پر اور ہمارے نبی پر دورد و سلام ہو! جاتے جاتے آخر وہ ان تک پہنچ گئے اور کہنے لگے کہ اس کی سنگساری میں جلدی نہ کرو بلکہ مجھے فیصلہ کر لینے دو۔

لوگوں نے ان کے لئے ایک کرسی بچھا دی۔ انہوں نے بیٹھ کر اول دونوں بوڑھوں کو الگ الگ کیا۔ حضرت دانیال علیہ السلام پہلے شخص ہیں جنہوں نے گواہوں سے علیحدہ علیحدہ گواہی لی ہے۔ بعد ازاں ایک بوڑھے سے پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا ہے؟ اس نے جو قصہ بنایا تھا‘ سارا بیان کیا۔ پھر آپ نے اس سے پوچھا کہ باغ میں کس جگہ یہ بات ہوئی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ پورب کی طرف امرود کے درخت کے نیچے۔ اس کے بعد آپ نے دوسرے کو بلا کر پوچھا کہ تو نے کیا دیکھا؟ اس نے بھی یہی داستان کہہ سنائی۔ آپ نے پوچھا باغ میں کس جگہ؟ وہ بولا پچھم کی طرف سیب کے درخت کے نیچے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر لڑکی کھڑی ہوئی اپنا سر اور ہاتھ آسمان کی طرف اٹھائے خدا سے دعا مانگ رہی تھی کہ اسے نجات ملے۔

خدا نے بطور عذاب کے ایک کڑک بھیجی جس نے دونوں بوڑھوں کو جلا کر راکھ کر دیا اور لڑکی کی معصومیت ثابت ہو گئی۔ یہ پہلا معجزہ تھا جو نبی اللہ حضرت دانیال علیہ السلام سے ظہور میں آیا۔

○ جعفر برمکی کے نسخے کی کہانی

ایک روز امیر المومنین ہارون الرشید‘ ابو یعقوب الندیم‘ جعفر برمکی اور ابونواس جنگل میں جا رہے تھے‘ انہوں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا اپنے گدھے سے تکیہ لگائے بیٹھا ہے۔

ہارون الرشید نے جعفر سے کہا کہ اس بوڑھے سے پوچھ کہ کہاں سے آ رہا ہے؟
جعفر نے اس سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے؟ اس نے جواب دیا' بصرے سے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## تین سو پچانوے ویں رات

جب تین سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس شخص نے کہا کہ میں بصرے سے آ رہا ہوں۔ جعفر بولا اور جا کہاں رہا ہے؟ اس نے

جواب دیا کہ بغداد۔ جعفر نے پوچھا وہاں کیا کرے گا؟ اس نے جواب دیا کہ اپنی آنکھوں کا علاج۔ ہارون الرشید نے کہا اے جعفر' اس سے مذاق کر۔ جعفر نے کہا کہ اگر اس سے مذاق کروں گا تو وہ کھری کھری سنائے گا۔ خلیفہ نے کہا کہ میری جان کی قسم اس سے مذاق کر۔ جعفر نے بوڑھے سے کہا کہ اگر میں تجھے ایسی دوا بتا دوں جس سے تجھے فائدہ ہو تو' تو مجھے کیا دے گا؟ بوڑھے نے کہا کہ خدا تجھے ایسا بدلہ دے گا جو میرے بدلے سے بہتر ہو گا۔ جعفر نے کہا کہ کان دھر کر سن' میں تجھے وہ دوا بتا دیتا ہوں جو کسی اور کو نہیں بتائی۔ بوڑھے نے کہا کہ وہ کیا؟ جعفر نے کہا کہ ڈیڑھ چھٹانک صبا کی رفتار اور ڈیڑھ چھٹانک سورج کی کرنیں اور ڈیڑھ چھٹانک چاندنی اور ڈیڑھ چھٹانک چراغ کی روشنی لے اور سب کو ملا کر تین مہینے تک ہوا میں سکھا۔ اس کے بعد انہیں تین مہینے تک ایسے ہاون دستے میں کوٹ جس میں گہرائی نہ ہو۔ جب تو کوٹ چکے تو انہیں ایک پیالے میں رکھ' جس میں سوراخ ہو اور اس پیالے کو تین مہینے تک ہوا میں رکھ' پھر اس دوا کے تین درہم ہر روز سوتے وقت استعمال کر' خدا نے چاہا تو تجھے تین مہینے میں آرام ہو جائے گا۔ بوڑھے نے جعفر کی باتیں سنیں تو اپنے گدھے پر پھیل کر لیٹ گیا اور پاد مار کر کہنے لگا کہ اس نسخے کے عوض یہ پاد۔ اگر اس دوا سے خدا نے مجھے آرام دیا تو میں تجھے ایک کنیز دوں گا جو اس طرح خدمت کرے گی کہ خدا جلد تیری موت لے آئے گا۔ جب تو مر چکے گا اور خدا تیری روح جلدی سے دوزخ میں پہنچا دے گا تو وہ افسوس کی وجہ سے اپنی غلاظت سے تیرا منہ کالا کرے گی اور تجھ پر گریہ و زاری کرے گی اور منہ پیٹے گی اور اور

رو کر کہے گی کہ اے سفید داڑھی والے' تیری داڑھی کیسی سفید ہے! ہارون الرشید ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور اس شخص کو تین ہزار درہم دینے کا حکم دیا۔

○ قاتل اور ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضمانت کی کہانی

شریف حسین بن ریان سے روایت ہے کہ ایک روز امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیٹھے حکم احکام جاری کر رہے تھے۔ بڑے بڑے عقل مند مصاحب حاضر تھے کہ دو خوبصورت جوان ایک تیسرے نہایت حسین جوان کو جو صاف ستھرے کپڑے پہنے ہوئے تھا پکڑے ہوئے لائے۔ دونوں جوانوں نے اس کا گریبان پکڑ رکھا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کیا۔ امیر المومنین نے پہلے دن دونوں کی طرف دیکھا اور پھر اس جوان کی طرف اور ان دونوں سے کہا کہ اسے چھوڑ دو اور قریب جا کر پوچھا' تمہارا اس پر کیا مطالبہ ہے؟ دونوں نے کہا اے امیر المومنین' ہم دونوں سگے بھائی ہیں اور انصاف کے طالب۔ ہمارا ایک بوڑھا باپ تھا' نہایت دانشمند اور قبیلوں میں باعزت۔ برائیوں سے پاک نیکیوں میں مشہور۔ بچپن میں اس نے ہماری تربیت کی تھی اور جوانی میں ہم پر احسان کئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو چھیانوے ویں رات

جب تین سو چھیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جوانوں نے کہا اور جوانی میں اس نے ہم پر احسان کئے تھے اور اس میں ساری خوبیاں جمع تھیں۔ ایک روز وہ اپنے باغ کی سیر کرنے اور پھل توڑنے گیا ہوا تھا کہ اس جوان نے اسے بدمعاشی سے قتل کر دیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ تو اس کے گناہ کا بدلہ دلوائے اور خدا کے حکم کے موافق فیصلہ کرے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جوان کی طرف تیوری بدل کر دیکھا اور کہا تو نے ان دونوں جوانوں کی باتیں سن لی ہیں' تیرے پاس کیا جواب ہے؟ یہ جوان مضبوط دل اور شیریں زبان تھا۔ دل کڑا کر کے اور بے دھڑک ہو کر مسکرایا اور نہایت میٹھی زبان سے گفتگو کی اور امیر المومنین سے نہایت اچھے الفاظ میں مخاطب ہو کر بولا اے امیر المومنین' ان کا دعوٰی میرے اوپر پورا پورا اترتا ہے ان کی گفتگو درست ہے اور انہوں نے ماجرا ٹھیک بیان کیا ہے' خدا نے قسمت میں یہی لکھا تھا۔ لیکن میں چاہتا ہوں کہ تیرے سامنے اپنا قصہ بیان کر دوں اور پھر جو تیرا حکم ہے ماننے کو تیار ہوں۔

سن اے امیر المومنین! میرا شمار ٹھیٹھ عربوں میں سے ہے جو آسمان کے نیچے سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں۔ میں ریگستان میں پلا بڑھا ہوں۔ وہاں قحط پڑا تو میں اپنے خاندان اور مویشی اور بال بچوں کو لے کر اس شہر کے قریب رہا اور اس کی گلیوں میں سیر کرتا کرتا باغوں کے درمیان پہنچا۔ میرے ساتھ اصیل اونٹ تھے جو مجھے بہت عزیز تھے۔ان میں سے ایک عمدہ نسل کا نر اونٹ بہت ہی خوبصورت تھا اور جس سے بہت سے بچے پیدا ہوئے تھے۔ جب وہ ان میں چلتا تو ایسا معلوم ہوتا' بادشاہ تاج پہنے جا رہا ہے۔ اچھا تو بعض اونٹ بھک کر ان کے باپ کے باغ میں پہنچ گئے اور اپنے منہ ایک درخت پر ڈال دیئے جس کی شاخیں دیوار کے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ یہ دیکھ کر میں نے

انہیں باغ سے دور کر دیا۔ اتنے میں باغ کے اندر سے بوڑھا نکلا جس کی آواز سے مارے غصے کے چنگاریاں نکلتی تھیں۔ اس کے دہنے ہاتھ میں ایک پتھر تھا' اس نے شیر کی طرح ڈکرا کر وہ پتھر اونٹ پر اس زور سے مارا کہ وہ مر گیا کیونکہ پتھر ٹھیک اسی جگہ پڑا جہاں کی مار مہلک ہوتی ہے۔ میں نے اونٹ کو اپنے پاس گرتے دیکھا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرا دل پھٹ گیا اور اس میں غصے کے شعلے بھڑکنے لگے اور میں نے وہی پتھر اٹھا کر اسے مارا' وہ مر گیا۔ اس کی موت آ گئی اور وہ اسی پتھر سے قتل ہوا جس سے اس نے قتل کیا تھا۔ جب پتھر اس کے لگا تو وہ بہت زور سے چلایا اور ایک دردناک چیخ ماری۔

یہ سن کر میں تیزی سے بھاگا مگر ان دونوں جوانوں نے دوڑ کر مجھے پکڑ لیا اور لا کر تیرے سامنے کھڑا کر دیا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ تو اپنے جرم کا اعتراف کرتا ہے اور بچنے کی وجہ بیان نہیں کرتا۔ لہٰذا تجھ پر قصاص لازم آتا ہے اور پناہ کا وقت نکل گیا۔ جوان نے کہا کہ بسر و چشم جو ہمارے پیشوا کی مرضی۔ اسلام کی شریعت جو حکم دے اس پر میں راضی ہوں لیکن میرا ایک چھوٹا بھائی ہے' اس کے دادا نے مرنے سے پہلے اس کے لئے بہت کچھ مال و دولت اور سونا چاندی چھوڑا ہے مجھے اس کا وکیل بنایا ہے اور مجھے خدا کی قسم دے کر کہا کہ یہ مال میں تیرے بھائی کا تیرے سپرد کرتا ہوں' اسے حتی الامکان حفاظت سے رکھیو۔ میں نے یہ مال و دولت لے کر دفن کر دیا اور میرے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں۔ اور تو نے مجھے ابھی قتل کر دیا تو سارا مال ضائع جائے گا اور اس کا سبب تو ہو گا اور بچہ تجھ سے اس کا مطالبہ اس روز کرے گا جب کہ خدا اپنے بندوں کا فیصلہ کرنے' عدالت کی کرسی پر بیٹھے گا۔ تو مجھے تین دن کی مہلت دے دے کہ میں لڑکے کا کوئی دوسرا متولی بنا کر آؤں اور اپنے جرم کی سزا پاؤں۔ میں اس کی تجھے ضمانت دے سکتا ہوں۔ یہ سن کر امیر المومنین نے اپنا سر جھکا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور حاضرین کی طرف دیکھ کر کہا کہ کون اس شخص کی ضمانت لیتا ہے کہ وہ یہاں واپس آئے گا؟ جوان نے حاضرین

کے چہروں کی طرف دیکھا اور سب کو چھوڑ کر ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو ستانوے ویں رات

جب تین سو ستانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب جوان نے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیا تو نے یہ باتیں سن لیں' کیا تو اس بات کی ضمانت لینے کے لئے تیار ہے کہ یہ جوان واپس آ جائے گا؟ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ ہاں اے امیر المومنین! میں تین دن کے لئے اس کی ضمانت کرتا ہوں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے منظور کر لیا اور جوان کو جانے کی اجازت دے دی۔ جب تین دن گزر گئے۔ مدت ختم ہو گئی یا ختم ہونے کے قریب تھی اور جوان نہ آیا۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپ کے گرد اس طرح جمع تھے جیسے کہ چاند کے گرد تارے۔ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ بھی موجود تھے اور دونوں مدعی بھی۔ مدعیوں نے کہا اے ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجرم کہاں ہے؟ کہیں بھاگ کر بھی کوئی لوٹا ہے! جب تک تو اسے لے نہ آئے گا اور ہم اس سے بدلہ نہ لے لیں گے ہم یہاں سے نہیں ٹل سکتے۔

ابوذر رضی اللہ تعالیٰ نے کہا کہ اس خدا کی قسم جو سب کا مالک اور سب کچھ جاننے والا ہے اگر پورے تین دن گزرنے کے بعد وہ شخص نہ آیا تو میں اپنی ضمانت کا حق ادا کر دوں گا اور اپنی جان امام کے حوالے کر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ واللہ اگر جوان حاضر نہ ہوا تو اسلامی شریعت کی رو سے میں ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بدلہ لوں گا۔ یہ سن کر حاضرین رونے پیٹنے اور زور سے چیخیں مارنے لگے اور بڑے صحابیوں نے دونوں جوانوں کے آگے یہ تجویز پیش کی کہ خون بہا لے کر ہمیں شکر گزار کرو۔ لیکن انھوں نے نہ مانا اور بدلے لینے کے سوا اور کسی چیز پر راضی نہ ہوئے۔

لوگ ابھی بے قرار ہی تھے اور ابوذر رضی اللہ تعالٰی عنہ پر افسوس کیا جا رہا تھا کہ جوان آ گیا اور خلیفہ کے سامنے کھڑے ہو کر انہیں نہایت ادب سے سلام کیا۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح چمک رہا تھا اور کپڑے پسینے میں تر بہ تر تھے۔ وہ کہنے لگا کہ میں لڑکے کو ماموؤں کے سپرد کر آیا ہوں۔ ان سے سارا ماجرا بیان کر دیا اور لڑکے کے مال کی انہیں اطلاع دے دی' اس کے بعد دوپہر کی گرمی میں بھاگتا ہوا اپنا شریفانہ وعدہ پورا کرنے پلٹ آیا۔ لوگوں کو اس کی سچائی اور وعدہ وفائی' جرات اور موت کے مقابلے پر تعجب ہوا اور اس سے کہنے لگے' شاباش تو کیسا شریف جوان ہے اور کتنا عہد و پیماں کا پکا! جوان نے کہا تمہیں یقینی طور پر معلوم ہے کہ جب کسی کی موت آ جاتی ہے تو وہ اس سے بچ نہیں سکتا۔ میں نے اپنا وعدہ اس لئے پورا کیا کہ کہیں لوگ یہ نہ کہیں کہ لوگوں میں سے وفا اٹھ گئی ہے۔ ابوذر رضی اللہ تعالٰی نے کہا اے امیر المومنین' میں نے اس جوان کی ضمانت کر لی تھی مگر خدا کی قسم مجھے نہ معلوم تھا کہ وہ کس قبیلے کا ہے اور نہ میں نے اس دن سے پہلے کبھی اسے دیکھا تھا' لیکن جب اس نے اوروں کی طرف سے منہ پھیر لیا اور مجھے دیکھ کر کہا کہ یہ شخص میری ضمانت کرے گا اور میری ذمے داری لے گا تو مجھے یہ اچھا نہ معلوم ہوا کہ میں انکار کر دوں اور میری مروت نے یہ گوارا نہ کیا کہ میں اس کی خواہش پوری نہ کروں بالخصوص جبکہ خواہش کے پورا کرنے میں کوئی عیب نہ ہوتا کہ لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ لوگوں میں سے شرافت اٹھ گئی ہے۔

یہ سن کر دونوں جوانوں نے کہا کہ اے امیر المومنین ہم نے اپنے باپ کا خون معاف کر دیا۔ اس نے نفرت کو محبت سے بدل دیا ہے۔ لوگوں کو یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ نیکی دنیا سے اٹھ گئی ہے۔ خلیفہ جوان کی سچائی اور وفا اور اس کے معاف ہو جانے پر بہت خوش ہوا اور دوسرے مصاحبوں کے مقابلے میں ابوذر رضی اللہ تعالٰی کی مروت کا ان پر بڑا اثر پڑا اور یہ بہت بھلا معلوم ہوا کہ دونوں جوان نیکی پر اعتماد رکھتے ہیں۔ آپ نے دونوں کی تعریف کی اور شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد حکم دیا کہ دونوں جوانوں

کو بیت المال سے ان کے باپ کا خون بہا ادا کیا جائے لیکن انہوں نے جواب دیا کہ ہم نے محض خدا کے لئے اسے معاف کیا اور جو اس نیت سے معاف کرے' وہ نیکی کرنے کے بعد احسان نہیں جتا سکتا اور نہ کوئی تکلیف دے سکتا ہے۔

- خلیفہ مامون اور اہرام کی کہانی

جب مامون بن ہارون الرشید مصر میں داخل ہوا تو اس نے اہرام کے ڈھا دینے کا ارادہ کر لیا تھا تا کہ وہ ان کے اندر کا خزانہ نکال لے لیکن وہ ان کو نہ ڈھا سکا حالانکہ اس نے بہت کوشش کی اور بہت مال خرچ کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• تین سو اٹھانوے ویں رات

جب تین سو اٹھانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- مامون نے اہرام کے ڈھانے میں بڑی کوشش کی اور اس پر بہت دولت صرف کی لیکن انہیں ڈھا نہ سکا۔ صرف ایک ہرم میں ایک چھوٹی سی کھڑکی کھل گئی۔ لوگوں کا بیان ہے کہ اس کھڑکی میں مامون کو اتنا مال ملا جتنا کہ اس نے اس کے کھولنے میں صرف کیا تھا' نہ زیادہ نہ کم۔ مامون کو بڑا تعجب ہوا اور اس نے وہ مال لے کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اہرام تین ہیں اور ان کا شمار دنیا کے عجائبات میں سے ہے۔ اتنی مضبوط' مستحکم اور اونچی عمارات سطح زمین پر اور کوئی نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے پتھروں سے بنائے گئے ہیں۔ معماروں نے پتھروں کے دونوں طرف سوراخ کر کے ان میں لوہے کی سلاخیں ڈال دی ہیں جو کھڑی ہیں اور دوسرے پتھر میں سوراخ کر کے انہیں سلاخوں میں پرو دیا ہے اور رانگ کو پگھلا کر سلاخوں کے اوپر ڈال دیا ہے۔ ان کی ترکیب بالکل ریاضی کے مطابق ہے۔ جب وہ بن چکے تو ان کی اونچائی سو ہاتھ تھی۔ یہ ان ہاتھوں سے جو آج کل استعمال کئے جاتے ہیں' یہ اہرام مربع ہیں اور اوپر کی طرف کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہر طرف سے تین سو ہاتھ۔ بزرگوں کا قول ہے کہ پچھم والے ہرم کے اندر تیس خزانوں کی کوٹھڑیاں ہیں جو رنگ برنگے چقماق کے پتھروں کی بنی ہوئی ہیں اور جن میں قیمتی قیمتی ہیرے' طرح طرح کے مال و دولت' عجیب و غریب تصویریں' اوزار اور نفیس ہتھیار ہیں جو اس حکمت کے ساتھ تیلوں سے چپڑے ہوئے ہیں کہ قیامت تک ان میں زنگ نہیں لگ سکتا۔ ان میں سے شیشے کے برتن ہیں جو پچک جاتے ہیں مگر ٹوٹتے نہیں اور مرکب دوائیں اور عمدہ عمدہ عرق۔ دوسرے ہرم میں چقماق کی تختیوں پر کاہنوں کے قصے ہیں۔ ہر کاہن کے لئے ایک تختی مخصوص ہے اور اس پر اس کاہن

کی عجیب و غریب صنعتوں اور کاریگروں کا ذکر ہے۔ دیواروں پر بتوں کی طرح آدمیوں کی تصویریں ہیں جو اپنے ہاتھوں سے تمام کام کرتے ہیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔

ہر ہرم کا ایک خزانچی ہے جو پہرے داری کا کام کرتا ہے اور یہ پہرے دار انہیں زمانے کے حوادث سے محفوظ رکھتے ہیں۔ اہرام کے عجائبات میں سے ایسے جانور ہیں جو سمجھ بوجھ کر کام کرتے ہیں۔

○ چور کی کہانی جس نے چوری سے توبہ کی تھی

ایک چور تھا' جس نے چوری سے توبہ کرلی تھی اور پوری طرح کر لی تھی۔ اس نے کپڑے کی دکان کھولی اور خرید و فرخت کرنے لگا۔ ایک مدت تک یہ کام کرتا رہا۔
ایک روز کا واقعہ ہے کہ وہ دکان بند کر کے گھر گیا ہوا تھا کہ ایک شاطر چور دکان دار کے کپڑے پہن اور اس آستین میں سے کنجیاں نکال بازار پہنچا۔ رات کا وقت تھا۔ اس نے بازار کے چوکیدار سے کہا کہ اس موم بتی کو جلا دے۔ چوکیدار نے اس کے ہاتھ سے موم بتی لے لی اور اسے جلانے کے لیے چلا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- تین سو ننانوے ویں رات

جب تین سو ننانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- چوکیدار اس سے موم بتی لے کر جلانے کو چلا۔ اتنے میں چور نے دکان کھول کر دوسری موم بیت جلا لی جو اس کے پاس تھی۔ چوکیدار لوٹ کر آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ دکان میں بیٹھا ہے اور حساب کا بہی کھاتہ اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ اسے دیکھتا جاتا اور انگلیوں پر کچھ گنتا جاتا ہے۔ اس حالت میں صبح تک رہا اور پھر چوکیدار سے کہا کہ ایک اونٹ والے کو مع اس کے اونٹ کے لئے آ تا کہ وہ میرا سامان لے چلے۔ چوکیدار ایک اونٹ اور اونٹ والے کو لے آیا۔ چور نے اسے چار گٹھے کپڑوں کے نکال کر دیئے اور اونٹ والے نے انہیں اونٹ پر لاد لیا۔ پھر اس نے دکان بند کر کے چوکیدار کو دو درہم دیئے اور اونٹ والے کے پیچھے روانہ ہو گیا۔ چوکیدار اسی خیال میں رہا کہ وہ دکان کا مالک ہے۔ جب صبح ہوئی اور دن نکلا تو دکان والا آیا اور چوکیدار اسے ان دو درہموں کی وجہ سے دعائیں دینے لگا۔ دکان والے کی سمجھ میں اس کی باتیں نہ آئیں۔ اسی حیرت میں اس نے دکان کھولی تو دیکھا کہ ایک موم بتی پگھلی پڑی ہے اور بہی کھاتے تتر بتر ہیں۔ اس نے دکان کا جائزہ لیا تو کپڑوں کے چار گٹھے غائب۔ چوکیدار سے اس کا سبب پوچھنے لگا۔ اس نے رات کا ماجرا اور جو بات چیت اونٹ والے سے ہوئی تھی' کہہ دی۔ دکاندار نے کہا اس اونٹ والے کو بلا لا جو صبح کے وقت کپڑے لاد کر لے گیا ہے۔ چوکیدار جا کر اسے لے آیا۔ دکان دار نے پوچھا کہ صبح کے وقت کپڑے تو کہاں لے گیا تھا؟ اس نے کہا کہ فلاں گھاٹ پر فلاں شخص کی کشتی میں۔ دکان دار بولا کہ چل میرے ساتھ اس جگہ۔ اونٹ والا اس کے ساتھ چل دیا اور پہنچ کر کہا کہ یہ ہے وہ کشتی اور یہ کشتی بان۔ اس نے کشتی بان سے پوچھا کہ تو تاجر اور کپڑوں کو لے کر کہاں گیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ فلاں جگہ۔ اس نے کہا کہ

میرے ساتھ وہاں چل اور بتا۔ اونٹ والا اسے لے کر ایک جگہ گیا جو دریا کے کنارے سے بہت دور تھی اور اسے وہ سرائے دکھائی جہاں اس نے کپڑے کے گٹھے اتارے تھے اور تاجر کی کوٹھری دکھائی۔ دکاندار نے آگے بڑھ کر کوٹھڑی کھولی۔ دیکھا کہ چاروں گٹھے ویسے کے ویسے موجود ہیں۔ ابھی تک کھولے بھی نہیں گئے اس نے انہیں اٹھا کر اونٹ والے کے حوالے کیا۔ چور نے اپنے پہننے کو کپڑے بھی انہی گٹھوں پر رکھ دیئے تھے۔ کپڑوں کے مالک نے وہ بھی اٹھا کر اونٹ والے کو دے دیئے۔ اونٹ والے نے ان سب کو اونٹ پر لاد لیا۔ اس کے بعد مالک کوٹھڑی بند کر کے اونٹ والے کے ساتھ روانہ ہوا۔ راستے میں چور نے اسے دیکھا اور اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ اس نے کپڑوں کو کشتی پر لادا۔ اب چور نے کہا کہ اے میرے بھائی' میں تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ تجھے اپنے کپڑے مل گئے اور ان میں سے کچھ بھی ضائع نہیں ہوا تھا لہٰذا میرے پہننے کے کپڑے مجھے دے۔ اس پر تاجر ہنس پڑا۔ اور اس نے چور کے کپڑے واپس کر دیئے اس سے بالکل مزاحمت نہ کی اور دونوں اپنی اپنی راہ چلتے ہوئے۔

- ہارون الرشید' مسرور اور ابن القاربی کی کہانی

ایک رات امیر المومنین ہارون الرشید کا دل بہت گھبرایا۔ اس نے اپنے وزیر جعفر بن یحییٰ البرمکی سے کہا' آج رات میں سخت پریشان ہوں میرا جی گھبرا رہا ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کیا جائے اس کا خادم مسرور جو سامنے کھڑا تھا' ہنس پڑا۔ خلیفہ نے کہا کہ تو کس بات پر ہنسا ہے؟ ہنسنے کی وجہ میری تحقیر ہے یا تیرا جنون؟ اس نے جواب دیا خدا کی قسم' اے امیر المومنین نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ویں رات

جب چار سو ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مسرور نے کہا کہ اے امیر المومنین' خدا کی قسم نہیں۔ سید المرسلین کی تجھ سے جو قرابت ہے اس کی قسم کہ میں جان بوجھ کر نہیں ہنسا بلکہ کل جب میں محل سے نکل کر ٹہلتا ٹہلتا دجلے کے کنارے پر پہنچا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہاں لوگ جمع ہیں۔ میں وہاں ٹھہر گیا دیکھا کہ ایک شخص لوگوں کو ہنسا رہا ہے جس کا نام ابن القاربی ہے۔ اس وقت اس کی باتیں مجھے یاد آنے لگیں اور میں مجبوراً ہنس پڑا۔ اے امیر المومنین میں اس کی تجھ سے معافی مانگتا ہوں۔ خلیفہ نے کہا' اسے فوراً میرے پاس بلا لا۔ مسرور گیا' ابن القاربی کے پاس پہنچ کر کہنے لگا کہ امیر المومنین نے تجھے بلایا ہے۔ وہ بولا خلیفہ کا حکم سر آنکھوں پر' مسرور نے کہا مگر اس شرط پر کہ جب تو اس کے پاس پہنچے اور وہ تجھے انعام دے تو چوتھائی تیرا اور باقی میرا۔ ابن القاربی نے کہا یوں نہیں بلکہ آدھا تیرا اور آدھا میرا۔ مسرور نے کہا نہیں۔ ابن القاربی بولا اچھا ایک تہائی میرا اور دو تہائی تیرا۔ بہت شش و پنج کے بعد مسرور نے اسے مان لیا۔

اب ابن القاربی امیر المومنین کے پاس گیا اور خلافت کی شان کے مطابق سلام کر کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ امیر المومنین نے کہا کہ اگر تو مجھے نہ ہنسا سکا تو میں اس تھیلے سے تین بار تجھے ماروں گا۔ ابن القاربی نے اپنے دل میں کہا کہ نہ معلوم اس تھیلے کی ضربیں کیسی ہوں گی! کوڑے کی مار کا تو مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ تھیلا خالی ہے۔ اب اس نے ایسی باتیں کرنی شروع کیں جن پر ناراض سے ناراض شخص بھی ہنس پڑے اور بڑا مسخرہ پن کیا لیکن ہنسنا تو درکنار امیر المومنین مسکرایا تک نہیں۔ ابن القاربی کو بڑا تعجب ہوا اور وہ نا امید ہو کر ڈرنے لگا۔ امیر المومنین

نے کہا کہ اب تو سزا کا مستحق ہے اور تھیلا لے کر ایک بار اسے مارا۔ اس تھیلے کے اندر چار پتھر دو دو رطل وزن کے تھے۔ چونکہ مار اس کی گردن پر پڑی اس لئے وہ وہ چیخیں مارنے لگا اور اسے وہ شرط یاد آ گئی جو اس نے مسرور سے کی تھی کہنے لگا اے امیر المومنین' ذرا رک جا پہلے میری دو باتیں سن لے۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ بھی کہہ ڈال۔ اس نے کہا مسرور نے میرے ساتھ ایک شرط کی ہے اور وہ یہ ہے کہ جو کچھ انعام مجھے امیر المومنین سے ملے اس میں سے ایک حصہ میرا اور دو اس اس کے' اور یہ بھی بہت شش و پنج کے بعد اس نے منظور کیا ہے۔ اب تیرا انعام یہی مار ہے اس لئے یہ ایک ضرب میرا حصہ ہے اور باقی دو اس کا۔ میں تو اپنا حصہ لے چکا اب اس کا باقی ہے۔ وہ اسے دے دے۔ یہ سن کر امیر المومنین ہنستے ہنستے لوٹ گیا اور مسرور کو بلا کر اس پر تھیلا مارا۔ اس نے چیخ مار کر کہا اے امیر المومنین' میرے لئے ایک تہائی کافی ہے' دو تہائی اسی کو دے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پہلی رات

چار سو پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- مسرور نے کہا اے امیر المومنین میرے لئے ایک تہائی کافی ہے' دو تہای اسی کو دے۔ خلیفہ دونوں کی باتوں پر ہنسنے لگا اور دونوں کو ایک ایک ہزار دینار دینے کا حکم دیا اور دونوں خلیفہ کا انعام لے کر خوش خوش چل دیئے۔

○ ہارون الرشید اور اس کے عبادت گزار بیٹے کی کہانی

ہارون الرسشید کا ایک بیٹا تھا جس کی عمر تو سولہ سال تھی لیکن وہ دنیا سے کنارہ کش ہو چکا تھا اور زاہدوں اور عابدوں کے رویے پر چلتا تھا۔ وہ مقبروں میں جاتا اور کہتا کہ تم دنیا کے مالک تھے مگر کیا اس سے تمہاری نجات ہو سکتی ہے! اب تم قبروں میں ہو' کاش مجھے معلوم ہوتا کہ تم نے کیا کیا اور تم سے کیا کہا گیا۔ یہ کہہ کر وہ ڈرتا اور روتا۔

ایک روز ایسا اتفاق ہوا کہ خلیفہ ہارون الرشید اپنے جلوس کے ساتھ نکلا۔ وزرا' امرا اور حکام اس کے ارد گرد تھے۔ یہ جلوس ان مقبروں کے پاس سے گزرا جہاں خلیفہ کا لڑکا جا کر بیٹھتا تھا۔ لوگوں نے امیر المومنین کے بیٹے کو جو اس حالت میں دیکھا کہ وہ ایک ادنیٰ سی عبا پہنے اور سر پر اونی چادر ڈالے ہوئے ہے تو وہ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ امیر المومنین کے اس بیٹے نے اسے بادشاہوں میں بدنام کر رکھا ہے اگر خلیفہ اسے ڈانٹے ڈپٹے تو یہ ضرور اس حالت کو چھوڑ دے۔ امیر المومنین نے بھی انہیں یہ کہتے سنا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا بیٹا' تو نے اپنی اس حالت کی وجہ سے مجھے بدنام کر دیا ہے۔ اس کا بیٹا اس کی طرف دیکھنے لگا اور کچھ جواب نہ دیا۔ نظر اٹھا کر ایک

چڑیا کی طرف دیکھا جو محل کے کنگرے پر بیٹھی ہوئی تھی اور اس چڑیا سے کہنے لگا اے چڑیا' میں تجھے اس خدا کی قسم دیتا ہوں جس نے تجھے پیدا کیا ہے کہ آ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جا۔ یہ سن کر چڑیا اتری اور آ کر اس لڑکے کے ہاتھ پر بیٹھ گئی۔ پھر اس نے کہا کہ واپس چلی جا اور وہ اڑ کر اپنی جگہ چلی گئی۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ اتر کر امیر المومنین کے ہاتھ پر بیٹھ لیکن وہ نہ اتری۔ لڑکے نے اپنے باپ سے کہا کہ تو نے دنیا کی وجہ سے مجھے اولیا اللہ میں بدنام کر رکھا ہے۔ اب میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ تجھے چھوڑ کر چل دوں اور آخرت سے پہلے تجھ سے نہ ملوں۔ یہ کہہ کر وہ بصرے چلا گیا اور معماروں کے ساتھ کام کرنے لگا۔ کسی دن ایک درہم اور ایک دانق سے زیادہ نہ کماتا۔ دانق میں اپنا گزارا کرتا اور درہم خیرات کر دیتا۔

ابو عامری بصری کا بیان ہے کہ میرے گھر کی ایک دیوار گر پڑی تھی۔ اس لئے میں اس جگہ گیا جہاں مزدوروں کا اڈہ تھا تا کہ کسی کو لا کر اپنی دیوار مرمت کراؤں۔ میری نظر ایک جوان پر پڑی جو بہت حسین اور خوبرو تھا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا اور کہا کہ اے میرے عزیز' کیا تو مزدوری کرنا چاہتا ہے؟ اس نے کہا' ہاں۔ میں نے کہا چل کر میری دیوار بنا دے اس نے کہا کہ چند شرطوں کے ساتھ جو میں پہلے طے کر لینا چاہتا ہوں۔ میں نے کہا عزیز' وہ کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ مزدوری ایک درہم اور ایک دانق لوں گا اور جب موذن اذان دے تو مجھے جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کو جانے دیجیو۔ میں نے کہا منظور۔ اب میں اسے لے کر گھر گیا اور اس نے اتنا اچھا کام کیا کہ اور کسی کو میں نے اتنا اچھا کام کرتے نہ دیکھا تھا۔

جب میں نے کہا کہ چاشت کھا لے تو اس نے انکار کر دیا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ روزے سے ہے۔ جب اس نے اذان سنی تو مجھ سے کہنے لگا کہ تجھے شرط معلوم ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اب اس نے اپنی پٹی کھول دی' وضو کیا اور اس خوبی سے کیا کہ میں نے اس سے بہتر وضو کرتے کسی کو نہیں دیکھا۔ پھر جا کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی اور اپنے کام پر لوٹ آیا۔ میں نے کہا کہ عزیز' مزدوری کا وقت ختم ہو

گیا کیونکہ مزدوروں کا کام عصر تک ہوتا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ سبحان اللہ میں تو شام تک مزدوری کرتا ہوں اور وہ برابر شام تک کام کرتا رہا۔ میں نے اسے دو درہم دیئے۔ انہیں دیکھ کر اس نے کہا کہ یہ کیا؟ میں نے کہا کہ یہ تیری اجرت کا ایک حصہ ہے کیونکہ تو نے میری خدمت بڑی کوشش اور جان فشانی سے کی ہے۔ اس نے دونوں درہم میری طرف پھینک دیئے اور کہا کہ جو کچھ میرے اور تیرے درمیان طے ہو گیا ہے اس سے زیادہ میں نہیں لینا چاہتا۔ میں نے بہت کوشش کی لیکن ناکام رہا اور مجبور ہو کر اسے ایک درہم اور ایک دانق دیا اور وہ لے کر چل دیا۔

جب دوسرا دن ہوا تو میں صبح کے وقت پھر اسی اڈے پر گیا لیکن اسے نہ پایا۔ لوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ ہفتے کے سوا اور کسی دن نہیں آتا۔ لہٰذا دوسرے ہفتے کو میں وہاں پہنچا اور اسے دیکھ کر میں نے کہا کہ بسم اللہ مزدوری کے لئے چل۔ اس نے کہا، انہی شرطوں کے ساتھ جو تجھے معلوم ہیں۔ میں نے کہا ہاں اور اسے لے کر اپنے گھر گیا۔ میں اس کی نظر سے پوشیدہ اسے دیکھ رہا تھا کہ اس نے ایک مٹھی مٹی لی اور اسے دیوار میں لگا کر اینٹیں ایک دوسرے سے جوڑ دیں۔ میں نے کہا اولیاء اسی طرح کیا کرتے ہیں۔ اس نے دن بھر کام کیا اور پہلے دن سے زیادہ کیا۔ شام ہوئی تو میں نے اس کی مزدوری اسے دے دی اور وہ اسے لے کر چلا گیا۔ تیسرا سینچر آیا تو میں پھر اسی اڈے پر گیا۔ لیکن اسے نہ پایا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ بیمار ہے اور فلاں عورت کی جھونپڑی میں پڑا ہوا ہے۔ وہ عورت بڑھیا تھی اور پارسائی میں مشہور۔ اس کی جھونپڑی سرکنڈوں کی اور جنگل میں تھی۔ میں اس جھونپڑی پر پہنچا اور اندر جا کر دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ اس کے نیچے کوئی چیز نہیں اور تکیے کی جگہ ایک اینٹ ہے۔ اس کے چہرے پر نور چمک رہا ہے۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔

میں اس کے سرہانے بیٹھ گیا اور اس کی کم سنی، غربت اور خدا پرستی پر رونے لگا۔ اس سے پوچھا کہ تجھے کوئی ضرورت ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ میں نے کہا وہ کیا؟ وہ بولا

کل چاشت کے وقت میرے پاس آئیو۔ میں مر چکا ہوں گا' غسل دیجیو اور میری قبر کھودیو مگر کسی کو خبر نہ کیجیو اور اسی لباس میں جو میں پہنے ہوئے ہوں' مجھے دفن کیجیو۔ میرے کپڑے پھاڑیو اور جیب کی تلاشی لیجیو او جو کچھ اس میں سے نکلے اسے اپنے پاس حفاظت سے رکھیو۔ جب میرے جنازے کی نماز پڑھ چکے اور مجھے دفن کر دے تو بغداد جا کر انتظار کیجیو کہ خلیفہ ہارون الرشید باہر نکلے۔ پھر اسے وہ چیز دے دیجیو جو تو نے میری جیب سے نکالی ہو اس سے میرا سلام کہیو یہ کہہ کر اس نے شہادت کا کلمہ پڑھا اور عمدہ لفظوں میں اپنے پروردگار کی ثناء کی اور استغفار میں مشغول ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- چار سو دوسری رات

جب چار سو دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ اس کے بعد جوان استغفار میں مشغول ہو گیا اور سید الابرار پر درود و سلام بھیجنے لگا۔ ابو عامر بصری کا بیان ہے کہ جب جوان وصیت کر چکا تو میں وہاں سے روانہ ہو کر گھر چلا گیا۔ دوسرے دن چاشت کے وقت میں وہاں گیا تو میں نے دیکھا کہ وہ مر چکا ہے' خدا اس پر رحمت کرے! میں نے اسے غسل دیا اور جب اس کی جیب کے ٹانکے توڑے تو اس میں مجھے ایک یاقوت ملا جس کی قیمت کئی ہزار دینار تھی۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ اس جوان نے دنیا سے انتہائی درجے کی کناری کشی اختیار کی تھی۔ میں اسے دفن کر چکا تو بغداد روانہ ہو گیا اور خلیفہ کے محل کے پاس پہنچ کر رشید کے باہر نکلنے کا انتظار کرنے لگا۔ جب وہ باہر نکلا تو میں ایک گلی میں اس کے سامنے گیا اور وہ یاقوت اسے دے دیا۔ اسے دیکھتے ہی وہ غش کھا کر گر پڑا۔ اس کے نوکروں چاکروں نے مجھے پکڑ لیا۔ اسے ہوش آیا تو اس نے اپنے نوکروں سے کہا کہ اسے چھوڑ کر نہایت مہربانی سے محل میں پہنچا دو۔ انہوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ وہ محل میں داخل ہوا تو اس نے مجھے بلایا اور محل سرا میں لے جا کر مجھ سے پوچھا کہ اس یاقوت کے مالک کا کیا حال ہے؟ میں نے جواب دیا کہ وہ مر گیا۔ پھر میں نے اس کا قصہ بیان کیا تو وہ رو رو کر کہنے لگا' بیٹا فائدے میں رہا اور باپ ٹوٹے میں۔ بعد ازاں اس نے پکار کر کہا کہ فلاں عورت! ------- ایک عورت باہر آئی مگر مجھے دیکھ کر پھر اندر جانے لگی۔ خلیفہ نے کہا آ اور اس شخص سے پردہ نہ کر۔ اس نے آ کر سلام کیا۔ خلیفہ نے وہ یاقوت اس کی طرف پھینک دیا۔ عورت کی نظر یاقوت پر پڑی تو وہ چیخیں مار مار کر رونے لگی اور غش کھا کر گر پڑی۔ حالت سنبھلی تو اس نے کہا اے امیر المومنین' خدا نے میرے بیٹے کا کیا حشر کیا؟ رشید نے مجھ سے کہا کہ لڑکے کا ماجرا

اس سے بیان کر۔ اس لئے کہ خود خلیفہ کو اس سے بڑی عبرت حاصل ہوئی تھی۔ میں نے ماں سے اس کا ماجرا بیان کیا اور وہ رو کر کمزور آواز سے کہنے لگی اے میری آنکھ کی ٹھنڈک' میں تیرے دیدار کو کتنی تڑپ رہی ہوں! کاش جب کوئی تجھے پانی دینے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پانی دیتی اور جب کوئی تجھے پیار کرنے والا نہ ہوتا تو میں تجھے پیار کرتی! یہ کہہ کر وہ زار زار رونے لگی۔

میں نے کہا اے امیر المومنین' کیا وہ تیرا بیٹا تھا؟ اس نے کہا ہاں اور وہ میرے خلیفہ ہونے سے پہلے پیدا ہوا تھا۔ عہ علماء سے ملتا اور پارساؤں کی صحبت میں بیٹھتا تھا۔ جب میں خلیفہ ہوا تو وہ مجھ سے نفرت کرنے لگا اور مجھے چھوڑ کر چلا گیا۔ جانے سے پہلے میں نے اس کی ماں سے کہا کہ اس لڑکے نے خدا سے لو لگا لی ہے۔ ممکن ہے کہ اس پر سختیاں پڑیں اور اسے تکلیفوں کا سامنا ہو' لہٰذا اسے یہ یاقوت دے دے تا کہ ضرورت کے وقت وہ اس سے فائدہ اٹھا سکے۔ ماں نے وہ یاقوت اسے دیا اور قسم دی کہ وہ اسے لے لے۔ اس نے ماں کے حکم کی تعمیل کی اور اسے لے لیا۔ اس کے بعد وہ ہماری دنیا داری کی چیزوں کو چھوڑ کر ہمارے پاس سے چل دیا۔ اور ہم سے غائب رہا یہاں تک کہ نہایت پاکی کی حالت میں وہ خدا سے جا ملا۔ اب خلیفہ نے مجھ سے کہا کہ چل کر مجھے اس کی قبر دکھا۔ میں اسے لے کر لڑکے کی قبر پر گیا اور وہاں اتنا رویا پیٹا کہ غش کھا کر گر پڑا۔ جب ہوش آیا تو اس نے خدا سے مغفرت کی دعا کی اور کہنے لگا کہ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ اور اس کی بھلائی کی دعا مانگی۔ پھر اس نے مجھے اپنے ساتھ رہنے کے لئے کہا۔ میں نے جواب دیا' اے امیر المومنین میں نے تیرے بیٹے سے بہت بڑا سبق حاصل کیا ہے۔

○ مکتب کے ملا اور اس کی نادیدہ محبوبہ کی کہانی

ایک عالم فاضل کا بیان ہے کہ ایک بار میں ایک مکتب کے پاس سے گزرا۔ دیکھا کہ

وہاں ایک ملا بچوں کو پڑھا رہا ہے۔ اس کا حلیہ نہایت پاکیزہ اور کپڑے نہایت نفیس تھے۔ میں اس کے پاس گیا تو وہ کھڑا ہو گیا اور مجھے اپنے برابر بٹھایا۔ میں نے اس کا امتحان قرات' نحو' شعر اور لغت میں لیا اور اسے سب میں کامل پایا۔ میں نے کہا خدا تیرے ارادے کو مستحکم رکھے! تو ہر چیز کی تعلیم میں ماہر ہے۔ میں مدت تک اس کے پاس آتا جاتا رہا اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئی خوبی اس میں پاتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ عجیب و غریب بات ہے کہ بچوں کا ملا اور یہ خوبیاں! تمام عقل مند لوگ اس بات پر متفق ہیں کہ بچوں کا ملا کم عقل ہوتا ہے اب میں اس سے رخصت ہوا مگر اکثر اس کی ملاقات کو آتا۔

ایک دن جب میں اس سے ملنے آیا تو دیکھا کہ مکتب بند ہے۔ پڑوسیوں سے پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس کے ہاں کسی کا انتقال ہو گیا ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ مجھے بھی اس کی تعزیت کے لئے جانا چاہیے۔ اس کے دروازے پر جا کر میں نے دستک دی۔ ایک لونڈی نے نکل کر کہا کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا تیرے آقا سے ملنا چاہتا ہوں۔ وہ بولی میرا آقا اکیلا بیٹھا سوگ کر رہا ہے۔ میں نے کہا جا اس سے جا کر کہہ کہ تیرا فلاں دوست تعزیت کرنا چاہتا ہے۔ لونڈی نے جا کر خبر کی تو اس نے کہا کہ جا اور اسے بلا لا۔

اس نے آ کر کہا کہ اندر چل۔ میں نے جا کر دیکھا تو وہ سر باندھے تنہا بیٹھا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا تجھے بڑا اجر دے! ہر ایک کو اسی راستے پر چلنا ہے لہٰذا صبر سے کام لے۔ اس نے بعد میں نے پوچھا کہ تیرا کون فوت ہو گیا ہے؟ اس نے کہا کہ وہ شخص جو مجھے سب سے زیادہ عزیز اور پیارا تھا۔ میں نے کہا تیرا باپ؟ اس نے کہا نہیں۔ میں نے پوچھا تیری ماں؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آخر مرنے والے سے تیرا کیا تعلق تھا؟ اس نے کہا کہ وہ میری محبوبہ تھی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ اس کی کم عقلی کا پہلا ثبوت ہے۔ اب میں نے کہا کہ تجھے اس سے زیادہ حسین اور مل سکتا ہے۔ اس نے جواب دیا میں نے اسے کبھی دیکھا ہی نہیں

جو یہ کہہ سکوں کہ کوئی دوسرا اس سے زیادہ حسین ہے۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ دوسری حماقت ہے۔ پھر میں نے پوچھا کہ بے دیکھے تو اس پر کس طرح عاشق ہوا؟ اس نے کہا سن میں ایک دن کھڑکی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک راہ گیر یہ شعر گاتا ہوا وہاں سے گزرا۔ "اے ام عمرو' میرا دل جہاں کہیں بھی تو نے لے جا کر چھپایا ہو' مجھے واپس دے دے خدا تجھے اس کا اجر دے گا۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو تیسری رات

چار سو تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ملا نے کہا کہ جب میں نے ایک راہ گیر کو یہ شعر گاتے سنا تو اپنے دل میں کہنے لگا کہ ام عمرو کا جواب دنیا میں ہوتا تو تمام شاعر اس کی تعریف نہ کرتے اور میں اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا۔ دو دن کے بعد وہ شخص یہ شعر گاتا ہوا گزرا۔ "گدھا ام عمرو کو سوار کر کے چلتا ہوا اور نہ وہ لوٹی اور نہ گدھا۔" مجھے یقین ہو گیا کہ وہ مر گئی اور تین دن سے میں اس کا سوگ کر رہا ہوں۔ اب تو اس کی کم عقلی کا مجھے پورا پورا ثبوت مل گیا' میں اٹھ کر وہاں سے چل دیا۔

مکتب کے ملا کی حماقت کی کہانی

یہ کہانی بھی مکتب کے ایک ملا کی کم عقلی کا قصہ ہے۔ کہتے ہیں کسی مکتب کا ایک ملا تھا۔ ایک روز اس کے پاس ایک سمجھ دار آدمی آیا اور قریب بیٹھ کر اس کا امتحان لینے لگا۔ دیکھا کہ وہ بڑا فقیہ' نحوی' لغوی' شاعر' ادیب' عقل مند اور فہمیدہ ہے۔ وہ متعجب ہو کر اپنے دل میں کہنے لگا کہ جو لوگ بچوں کو مکتب میں پڑھاتے ہیں ان کی تو عقل ٹھکانے نہیں ہوتی۔ جب وہ شخص ملا کے پاس سے اٹھ کر جانے لگا' تو ملا نے کہا آج رات تو میرا مہمان ہے۔ اس شخص نے ملا کی دعوت قبول کر لی اور اس کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ ملا نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کھانا پیش کیا۔ کھا پی کر وہ دونوں بیٹھے اور تہائی رات تک باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد اس نے مہمان کے لئے بچھونا بچھوایا اور خود اندر چلا گیا۔ مہمان لیٹ کر سونے ہی والا تھا کہ اندر سے چیخوں کی آوازیں آنے لگیں۔ مہمان نے اس کی وجہ پوچھی تو لوگوں نے

کہا کہ شیخ پر بڑا سخت حادثہ گزرا ہے اور وہ جاں کنی کی حالت میں ہے۔ مہمان نے کہا مجھے اندر لے چلو۔ لوگ اسے اندر لے گئے تو اس نے دیکھا کہ شیخ بے ہوش پڑا ہے اور خون بہہ رہا ہے۔ اس نے شیخ کے منہ پر پانی چھڑکا۔ جب اسے ہوش آیا تو مہمان نے پوچھا' تجھے کیا ہو گیا؟ اس نے جواب دیا' اے میرے بھائی! جب میں تیرے پاس سے گیا تو بیٹھ کر خدا کی صنعتوں پر غور کرنے لگا اور اپنے دل میں کہا کہ جو چیزیں خدا نے آدمی کے لئے پیدا کی ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور ہے مثلاً خدا نے ہاتھ پکڑنے کے لئے بنائے ہیں' پاؤں چلنے کے لئے' آنکھیں دیکھنے کے لئے' کان سننے کے لئے اور اسی طرح سے اور بھی' مگر خصیوں میں کوئی فائدہ نہیں' اس لئے میں نے ایک استرا لے کر انہیں کاٹ ڈالا۔ بس اسی سے میری یہ حالت ہو گئی ہے۔ یہ سن کر مہمان اس کے پاس سے چلا گیا اور کہنے لگا کہ یہ کسی نے سچ کہا ہے کہ جو ملا بچوں کو پڑھاتا ہے اس کی عقل ناقص ہوتی ہے خواہ وہ تمام علوم میں کیسا ہی کامل کیوں نہ ہو۔

- ان پڑھ ملا کی کہانی

ایک پردیسی نہ لکھنا جانتا تھا نہ پڑھنا محض دھوکا دے کر لوگوں کی روٹیاں کھاتا' ایک بار اسے یہ خیال آیا کہ ایک مکتب کھول کر لڑکوں کو پڑھانا چاہیے۔ چنانچہ اس نے تختیاں اور لکھے ہوئے کاغذ لا کر ایک گھر میں لٹکائے اور ایک بڑی سی پگڑی باندھ کر مکتب کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ لوگ اس کے پاس سے گزرتے اس کی پگڑی' تختیاں اور کاغذ دیکھ کر خیال کرتے کہ یہ بڑا عالم ہو گا۔ وہ اپنے لڑکوں کو اس کے پاس لاتے۔ یہ ایک سے کہتا' پڑھا اور دوسرے سے کہتا' پڑھ۔ اس طرح لڑکے ایک دوسرے کو لکھاتے پڑھاتے۔ ایک دن یہ اپنی عادت کے موافق مکتب کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا' دور سے دیکھا کہ ایک عورت ہاتھ میں خط لئے چلی آ رہی ہے۔ اپنے دل میں کہنے

لگا عورت ضرور میرے پاس خط پڑھوانے آ رہی ہے اور مجھے پڑھنا تو آتا نہیں' اب کیا کروں؟ اتر کر بھاگنے کا ارادہ کیا عورت نے اسے آ پکڑا اور کہنے لگی کہاں جاتا ہے؟

اس نے کہا ابھی ظہر کی نماز پڑھ کر آتا ہوں۔ عورت بولی ظہر کی نماز میں تو ابھی دیر ہے' پہلے میرا یہ خط پڑھ دے۔ مجبوراً اس نے خط لے لیا اور اسے الٹا پکڑ کر دیکھنے لگا۔ کبھی پگڑی ہلاتا کبھی بھویں مٹکاتا اور ناراضگی کا اظہار کرتا۔

عورت کا شوہر سفر پر تھا' اس نے بیوی کو یہ خط لکھا تھا۔ جب اس نے ملا کی یہ حالت دیکھی تو اپنے دل میں کہنے لگی ہو نہ ہو میرا شوہر مر گیا ہے اور ملا ایسی بری خبر کہتے ہچکچا رہا ہے۔ عورت نے کہا اے میرے آقا اگر وہ مر گیا ہے تو مجھ سے صاف صاف کہہ دے۔ ملا سر ہلا کر چپ ہو گیا۔ عورت نے پوچھا کیا میں اپنے کپڑے پھاڑ ڈالوں؟ اس نے جواب دیا کہ پھاڑ ڈال۔ عورت نے کہا' کیا میں اپنا منہ پیٹوں؟ اس نے کہا کہ پیٹ۔ اب وہ اس کے ہاتھ سے خط لے کر گھر گئی اور سارا گھر رونے پیٹنے لگا۔ ایک پڑوسی نے رونا پیٹنا سنا تو پوچھا کہ اس عورت کا کیا حال ہے؟ لوگوں نے کہا خط آیا ہے کہ اس کا شوہر مر گیا۔ اس شخص نے کہا یہ جھوٹی بات ہے کیونکہ اس کے شوہر نے میرے پاس کل ایک خط بھیجا ہے کہ میں خیر و عافیت سے ہوں اور دس دن کے بعد اپنی بیوی کے پاس جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ شخص فوراً اس عورت کے پاس گیا اور پوچھا کہ تیرے پاس جو خط آیا ہے کہاں ہے؟ عورت وہ خط لے آئی۔ اس شخص نے اسے لے کر پڑھا۔ دیکھا اس میں لکھا ہوا تھا:

"حمد ثنا کے بعد معلوم ہو کہ میں تندرست اور بخیر و عافیت ہوں۔ دس دن کے بعد تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا اور تمہارے لئے ایک چادر ایک پنکا بھیجتا ہوں۔"

عورت یہ خط لے کر دوبارہ ملا کے پاس گئی اور کہنے لگی تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ میرا پڑوسی تو کہتا ہے کہ میرا شوہر صحیح و سلامت ہے اور اس نے میرے لئے چادر اور پنکا بھیجا ہے۔ ملا بولا تو سچ کہتی ہے مگر میں اس وقت غصے میں تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چوتھی رات

جب چار سو چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے ملا سے کہا تو نے میرے ساتھ یہ کیا حرکت کی؟ وہ بولا میں اس وقت غصے میں تھا اور پریشانی کی حالت میں' میں نے دیکھا کہ پٹکا چادر میں لپٹا ہوا ہے اس لئے میں نے خیال کیا کہ وہ مر گیا ہے اور اسے کفن پہنایا گیا ہے۔ عورت دانت پیستی اور یہ کہتی کہ تو معذور ہے' خط لے کر چلی آئی۔

○ بادشاہ اور پارسا عورت کی کہانی

ایک بادشاہ بھیس بدل کر اپنی رعایا کا حال دریافت کرنے نکلا اور ایک بڑے گاؤں کے پاس پہنچ کر تنہا اس میں داخل ہوا۔ اسے پیاس لگ آئی تھی۔ وہ گاؤں کے ایک دروازے پر جا کر ٹھہر گیا اور پانی مانگا۔ مکان میں سے ایک خوبصورت عورت پانی کا کوزہ لے کر نکلی اور بادشاہ کو دیا۔ بادشاہ نے پانی پیا اور عورت کو دیکھ کر لٹو ہو گیا۔ اسے پھسلانے لگا۔ عورت بڑی پارسا تھی' وہ بادشاہ کو لے کر مکان کے اندر گئی' بٹھایا اور ایک کتاب دے کر کہا جب تک میں بن سنور کر تیرے پاس آؤں تو اسے پڑھ۔ بادشاہ بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرنے لگا۔ دیکھا کہ اس میں زنا کی سخت ممانعت اور زانی کے لئے اس سخت عذاب کا ذکر ہے جو خدا نے اس کے لئے رکھا ہے۔ پڑھ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ اس نے خدا کے آگے توبہ کی اور عورت کو بلا کر کتاب اس کے حوالے کی اور چلتا ہوا۔ عورت کا شوہر اس وقت باہر گیا ہوا تھا۔ جب وہ لوٹا تو بیوی نے اس سے سارا ماجرا بیان کیا۔ اسے بڑا تعجب ہوا اور اپنے دل میں کہا کہ ہو نہ ہو بادشاہ کی غرض اس سے وابستہ ہے' وہ اس کے بعد بیوی سے ہم بستر نہ ہوا۔

بہت دن ہو گئے تو عورت نے اپنے رشتے داروں سے اپنے شوہر کی بے اعتنائی بیان کی۔ وہ اسے لے کر بادشاہ کے پاس گئے اور اس سے کہا خدا بادشاہ کی عزت قائم رکھے! اس شخص نے ہم سے کھیتی کرنے کی خاطر ایک کھیت لگان پر لیا تھا' مدت تک اس میں کھیتی کی لیکن اب کھیتی کرنا چھوڑ دیا' نہ تو خود کھیتی کرتا ہے نہ چھوڑتا ہے کہ ہم اسے کسی دوسرے کو لگان پر دے دیں۔ کھیت کو نقصان پہنچ رہا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ بے کار رہنے سے کہیں کھیت میں خرابی نہ پیدا ہو جائے کیونکہ اگر کھیتی بند کر دی جائے تو کھیت خراب ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے اس شخص سے پوچھا کونسی چیز تجھے اپنا کھیت جوتنے بونے سے روکتی ہے؟ اس نے جواب دیا خدا بادشاہ کی عزت قائم رکھے! مجھے خبر ملی ہے کہ کھیت میں ایک شیر آیا ہوا ہے' مجھے اس سے ڈر لگتا ہے اور اس کے پاس جانے کی ہمت نہیں پڑتی۔ میں جانتا ہوں کہ میں اس کا کچھ نہیں کر سکتا اور وہ چاہے تو میری مٹی خراب کر دے۔ بادشاہ سارا قصہ سمجھ گیا اور اس سے کہنے لگا' اے شخص' تیرے کھیت میں کوئی شیر نہیں آیا ہے اور اس میں اچھی پیداوار ہو سکتی ہے۔ جا اس میں کھیتی کر' خدا تجھے برکت دے! شیر اس پر ہرگز حملہ نہ کرے گا۔ اس کے بعد بادشاہ نے انہیں انعام دینے کا حکم دیا اور رخصت کیا۔

○ رخ کے بچے کی کہانی

ایک مغربی نے بہت سے ملکوں کا سفر کیا تھا اور بے شمار جنگل اور سمندر طے کئے تھے۔ قسمت سے وہ ایک بار کسی ایسے جزیرے میں پہنچا جہاں رخ کا جوڑا رہتا تھا اور وہاں بہت دن تک ٹھہر کر اپنے وطن کو لوٹا تو اپنے ساتھ رخ کے اس بچے کے پر کی کلی لایا جو ابھی انڈے سے بھی باہر نہیں نکلا تھا۔ اس کلی کے اندر ایک مشک پانی سما سکتا تھا کیونکہ کہتے ہیں کہ جب رخ کا بچہ انڈے میں سے نکلتا ہے تو اس کے بازو کی

لمبائی ایک ہزار ہاتھ ہوتی ہے۔ لوگ اس کلی کو دیکھ کر اچنبھا کرتے تھے۔ اس شخص کا نام عبدالرحمٰن مغربی تھا لیکن چینی کے نام سے اس کی شہرت تھی کیونکہ وہ چین میں مدت تک رہا تھا۔ اسے عجیب و غریب قصے یاد تھے۔ منجملہ بہت سی کہانیوں کے ایک یہ ہے کہ اس نے ایک بار بحر چین کا سفر کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## چار سو پانچویں رات

جب چار سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عبد الرحمٰن مغربی چینی عجیب و غریب قصے بیان کرتا۔ منجملہ ان کے ایک یہ تھا کہ اس نے ایک بار لوگوں کے ساتھ بحر چین کا سفر کیا۔ انہیں دور سے ایک جزیرہ نظر آیا۔ وہاں پہنچ کر کشتی نے لنگر ڈالا۔ انہوں نے دیکھا کہ وہ جزیرہ بہت بڑا اور وسیع ہے۔ کشتی والے پانی اور لکڑیاں لینے کی غرض سے اس جزیرے میں اتر گئے کلہاڑیاں ' رسیاں اور مشکیں اپنے ساتھ لے لیں۔ یہ شخص بھی ان کے ہمراہ تھا۔ جزیرے میں انہیں ایک سفید چمکتا ہوا گنبد دکھائی دیا جس کی بلندی سو ہاتھ ہو گی۔ اسے دیکھ کر وہ ادھر روانہ ہوئے۔ جب قریب پہنچے تو معلوم ہوا وہ رخ کا انڈا ہے۔ اس کے اندر رخ کا بچہ ہے جو مثل ایک مضبوط پہاڑ کے تھا۔ انہوں نے چاہا کہ اس کے بازو سے ایک پر توڑ لیں لیکن انہیں اس وقت تک کامیابی نہ ہوئی جب تک کہ سب نے مل کر زور نہ لگایا حالانکہ ابھی تک بچے کے پر پورے نہ نکلے تھے۔ پھر بچے کا گوست جتنا لے جا سکتے تھے لے گئے اور ایک بالوں کو تیز ہڈی سے کاٹ کر کشتی کے لنگر اٹھا دیئے۔ رات بھر چلتے رہے۔ ہوا موافق تھی اور کشتی چلی جا رہی تھی۔ صبح ہونے لگی تو بادل کی طرح رخ آ پہنچا۔ اس کے دونوں پنجوں میں پہاڑ کے برابر دو پتھر تھے' کشتی سے کہیں بڑے بڑے۔ جب رخ ہوا میں ٹھیک کشتی کے اوپر پہنچا تو اس نے پتھر کو کشتی اور کشتی والوں پر چھوڑ دیا۔ چونکہ کشتی تیزی کے ساتھ چلی جاتی تھی پتھر اس کے پیچھے سمندر میں گرا اور اس زور سے گرا کہ لوگ ڈر گئے ان کی قسمت میں سلامتی لکھی تھی' خدا نے انہیں ہلاکت سے بچا لیا۔ اب انہوں نے وہ گوشت پکا کر کھایا۔ ان میں بعض سفید داڑھی والے بھی تھے' جب دن اچھی طرح نکل آیا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کی داڑھیاں

کالی ہو گئی ہیں۔ اور باقی لوگوں میں سے جن جن نے وہ گوشت کھایا تھا کبھی بوڑھے نہ ہوئے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ بوڑھوں کے جوان ہونے اور جوانوں کے بوڑھے نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس ڈوئی سے دیگچی چلائی گئی تھی وہ نشاب کے درخت کی تھی۔ بعضوں کا قول یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ رخ کے بچے کا گوشت تھا۔ یہ عجیب و غریب بات ہے۔

- عدی بن زید اور نعمان بن منذر کی بیٹی کے عشق کی کہانی

عرب کے بادشاہ نعمان بن منذر کی ایک بیٹی تھی جس کا نام ہند تھا۔ عیدالضحیٰ کے دن جو عیسائیوں کا تہوار ہے وہ بیضا نامی دیر میں چڑھاوا چڑھانے گئی۔ اس وقت اس کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ اس کا حسن اپنے زمانے کی تمام عورتوں سے زیادہ تھا۔ اسی روز عدی بن زیدی بھی کسریٰ کے پاس سے ہدیہ لے کر نعمان بن منذر کے پاس حیرہ آیا تھا۔ وہ بھی چڑھاوا لے کر بیضا کے دیر میں پہنچا۔ اس کے قبیلے کے بہت سے لوگ اس کے ساتھ تھے۔ عدی کا قد چھریرا' عادتیں دل کش' آنکھیں خوب صورت تھیں اور چہرہ چکنا چپڑا۔ ہند بنت نعمان کے ہمراہ ایک لڑکی تھی جس کا نام ماریہ تھا۔ ماریہ کو عدی سے محبت تھی لیکن اس کی رسائی اس تک نہ ہوتی۔ لڑکی نے عدی کو دیر میں دیکھا تو وہ ہند سے کہنے لگی اس جوان کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ' تو نے اس سے زیادہ خوب صورت نہ دیکھا ہو گا۔ ہند نے پوچھا وہ کون ہے؟ لڑکی نے جواب دیا عدی بن زید۔ ہند بنت نعمان نے کہا میں اسے قریب سے جا کر دیکھوں تو ڈر ہے کہیں وہ مجھے پہچان نہ لے۔ ماریہ بولی وہ پہچان کیسے لے گا' اس نے کبھی تجھے دیکھا تو ہے نہیں۔

اب وہ اس کے پاس گئی' دیکھا کہ وہ اپنے ساتھ والے جوانوں سے مذاق کر رہا ہے۔ حسن' شیریں کلامی' فصاحت اور لباس کی خوبی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہے۔ اسے

دیکھتے ہی وہ لٹو ہو گئی' حواس جاتے رہے' رنگ فق ہو گیا۔ ماریہ نے دیکھا کہ ہند کا میلان عدی کی طرف ہے تو اس سے کہا عدی سے بات چیت کر۔ اس نے اس سے گفتگو کی اور چل دی۔ جب عدی نے اسے دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو وہ بھی اس پر فریفتہ ہو گیا۔ اس کے بھی ہوش گم ہو گئے' دل دھڑکنے لگا' منہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں یہاں تک کہ اس کے ساتھی اسے پہچان نہ سکے۔ آخر اس نے ایک ساتھی سے اپنے دل کی بات کہہ دی کہ وہ اس کے پیچھے جانا چاہتا ہے اور ہند کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ واپس آ کر اپنے ساتھی سے کہا کہ وہ نعمان کی بیٹی ہند ہے۔ دیر سے نکلا تو عشق نے اس کی عقل کھو دی تھی۔ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کدھر جائے۔ گھر پہنچ کر اس نے بڑے رنج و غم میں رات گزاری۔ لحہ بھر کو آنکھ نہ جھپکی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو کے بعد چھٹی رات

جب چار سو کے بعد چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عدی رات بھر جاگتا رہا صبح ہوئی تو ماریہ اس کے پاس آئی۔ عدی نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ اس سے پہلے وہ اس کی طرف بالکل توجہ نہ کرتا تھا۔ اس نے ماریہ سے پوچھا کہ تیرا آنا کس طرح ہوا؟ ماریہ نے جواب دیا مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ عدی بولا بیان کر' خدا کی قسم جو کچھ تو مجھ سے مانگے گی میں دوں گا۔ ماریہ نے کہا مجھے تجھ سے عشق ہے اور میں تیرے ساتھ تنہائی چاہتی ہوں۔ عدی نے منظور کر لیا اور اس شرط پر کہ وہ کسی تدبیر سے ہند کو اس سے ملا دے۔ پھر ماریہ کو حیرے کی ایک گلی کے اندر ایک شراب خانے میں لے گیا اور اس سے ملاقات کی۔ ماریہ وہاں سے نکل کر ہند کے پاس گئی اور کہا تو عدی کو دیکھنا چاہتی ہے؟ ہند نے کہا میں تو کل سے اس کے لئے بے قرار ہوں۔ کسی کروٹ مجھے چین نہیں آتا' مگر میں اسے کیونکر دیکھ سکتی ہوں' ماریہ نے کہا میں اسے فلاں جگہ لے آؤں گی تو محل پر سے اسے دیکھ لیجیو۔ ہند نے کہا جیسی تیری مرضی اور دونوں نے اس جگہ کا فیصلہ کر لیا۔ جب عدی وہاں آیا تو ہند نے اسے اوپر سے دیکھا' بے تاب ہو گئی۔ قریب تھا کہ نیچے گر پڑے۔ اس نے ماریہ سے کہا اگر تو اسے آج رات میرے پاس نہ لائی تو میں مر جاؤں گی۔ یہ کہتے کہتے اسے غش آ گیا۔ لونڈیاں باندیاں اسے اٹھا کر محل میں لے گئیں۔ ماریہ نے نعمان کے کے پاس جا کر سارا ماجرا بے کم و کاست بیان کر دیا اور کہا تیری بیٹی عدی کی محبت میں گرفتار ہے' اگر تو نے اس کی شادی عدی سے نہ کی تو بدنامی کا ڈر ہے۔ وہ اس کی محبت میں جان دے دے گی اور عربوں میں تیری ناک کٹ جائے گی۔ اس رسوائی کا علاج یہی ہے کہ دونوں کی شادی ہو جائے۔ نعمان اپنا سر جھکا کر بیٹھ

کے بارے میں سوچنے لگا۔ بڑی دیر کے بعد کہنے لگا تو ہی بتا کہ دونوں کی شادی کی کیا تدبیر ہو سکتی ہے؟ میں تو ابتدا کرنا نہیں چاہتا۔ ماریہ بولی عدی کا عشق اس سے بھی بڑھ کر ہے' وہ اسے بے حد چاہتا ہے۔ دیکھ میں کوئی تدبیر ایسی نکالتی ہوں جس سے وہ یہ نہ سمجھے کہ تو اس کے حال سے آگاہ ہے اور اے بادشاہ تیری بدنامی بھی نہ ہو۔ یہ کہہ کر وہ عدی کے پاس گئی' اس سے سارا ماجرا بیان کیا اور کہا کہ بادشاہ کی دعوت کر جب وہ شراب پی کر مست ہو جائے تو اس کے آگے شادی کی تجویز پیش کر' اس وقت وہ تیری تجویز رد نہ کرے گا۔ عدی نے کہا مجھے ڈر ہے کہ وہ ناراض نہ ہو جائے اور ہمارے درمیان دشمنی پڑ جائے۔ ماریہ بولی میں اس سے ساری باتیں طے کرنے کے بعد تیرے پاس آئی ہوں۔ پھر اس نے نعمان کے پاس جا کر کہا تو عدی سے کہہ کہ وہ اپنے مکان پر تیری دعوت کرے۔ نعمان رضا مند ہو گیا اور تیسرے دن اس نے عدی سے کہا میں اور میرے مصاحب تیرے ہاں ناشتہ کرنا چاہتے ہیں۔ عدی نے منظور کر لیا اور نعمان دعوت کھانے گیا۔ ناشتے کے بعد شراب کا دور چلا۔ شراب اپنا کام کر چکی تو عدی نے اٹھ کر شادی کی تجویز پیش کی۔ نعمان نے انکار نہ کیا اور اپنی بیٹی کی شادی اس کے ساتھ کر دی اور تین دن کے بعد رخصتی ہو گئی۔ تین سال تک دونوں نے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو ساتویں رات

چار سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عدی اور ہند بنت نعمان نے تین برس تک نہایت عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اس کے بعد نعمان کسی بات پر عدی سے ناراض ہوا اور اسے قتل کر دیا۔ ہند بہت غم زدہ رہنے لگی۔ نعمان نے حیرہ کے باہر اس کے لئے ایک دیر بنوایا وہاں بیٹھ کر اس نے دنیا سے کنارہ کشی اختیار کر لی اور مرتے دم تک عدی کی یاد کرتی اور روتی پیٹتی رہی۔ اس کا دیر جو حیرے کے باہر ہے اب تک مشہور ہے۔

- دعبل خزاعی اور لڑکی کی کہانی

دعبل خزاعی کا بیان ہے میں کرخ کے دروازے پر بیٹھا ہوا تھا کہ ایک لڑکی وہاں سے گزری۔ ایسی حسین اور موزوں قد و قامت والی کبھی میری نظر سے نہ گزری تھی۔ وہ ایسی مٹک مٹک کر چلتی کہ لوگ اس کی چال دیکھ کر فریفتہ ہو جاتے تھے۔ جوں ہی میری نظر اس پر پڑی' میں عاشق ہو گیا۔ میرے سینے کے اندر ہلچل مچ گئی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے۔ میں اس کے پاس گیا یہ شعر پڑھا: "میری آنکھوں کے آنسو جاری ہیں اور پلکوں کی نیند بند ہو گئی ہے۔" اس نے منہ پھیر کر میری طرف دیکھا اور فوراً اس شعر سے جواب دیا: "جسے بیمار آنکھیں بلائیں اس کے لئے تو یہ کچھ بھی نہیں۔" اس کی حاضر جوابی اور شیریں بیانی پر میں دنگ رہ گیا اور ایک دوسرا شعر پڑھا کہ: "کیا میری آقا دل سے میری طرف متوجہ ہو گی کیونکہ میرے آنسو بند نہیں ہوتے؟" وہ کب بند ہونے والی تھی' بے تکلف جواب میں یہ شعر پڑھنے لگی: "اگر تو میری محبت کا خواہش مند ہے تو محبت تو دونوں طرف سے ہونا چاہیے۔"

مجھ کو آج تک نہ ایسی میٹھی میٹھی باتیں سننے کا اتفاق ہوا تھا نہ ایسی پیاری صورت دیکھی تھی۔ میں نے امتحاناً قافیہ بدل کر یہ شعر پڑھا: دیکھ زمانہ ہمیں وصال سے خوش کرنے والا ہے اور عاشق و معشوق کو ملانے والا ہے۔" یہ سن کر وہ اس انداز سے مسکرائی کہ میں نے اس جیسا خوب صورت منہ کبھی دیکھا نہ تھا اس جیسے پیارے دانت۔ پھر اس نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا: "زمانے اور اس کے فیصلے کی کیا حقیقت' میرے لئے تو ہی زمانہ ہے لہٰذا مجھے اپنے وصال سے دل شاد کر۔"

میں فوراً اس کے ہاتھ چومنے لگا اور کہا مجھے یقین نہیں آتا ہے کہ زمانے نے مجھے ایسا اچھا موقع دیا۔ چل میرے پیچھے پیچھے آ مگر اسے حکم یا زبردستی نہ سمجھ بلکہ میرے اوپر اپنی عنایت خیال کر۔ یہ کہہ کر میں چل کھڑا ہوا اور وہ میرے پیچھے پیچھے ہو لی۔ اس وقت میرے پاس کوئی ایسی جگہ نہ تھی جو ایسی محبوبہ کے لائق ہوتی اس لئے میں اپنے دوست مسلم بن الولید کے پاس پہنچا۔ اس کا مکان نہایت خوب صورت تھا۔ میں نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ وہ نکلا' میں نے سلام کیا اور کہا ایسے ہی وقت دوست کام آتے ہیں۔ وہ بولا اندر آؤ۔ جب ہم اندر گئے تو میں نے دیکھا اس کے ہاں کھانے پینے کو کچھ نہیں۔ اس نے مجھے ایک رومال دیا اور کہا کہ بازار جا کر اسے بیچ ڈال اور کھانے وغیرہ جس چیز کی ضرورت ہو خرید لا۔ میں دوڑتا ہوا بازار گیا' رومال کو بیچ کر کھانے پینے کی وہ چیزیں خریدیں جن کی مجھے ضرورت تھی اور واپس پھرا۔ آ کر کیا دیکھتا ہوں کہ مسلم اس لڑکی کے ساتھ تہہ خانے میں اکیلا بیٹھا ہے۔ اس نے میری آہٹ سنی تو جھٹ میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا اے ابو علی' جو بھلائی تو نے میرے ساتھ کی ہے خدا تجھے اس کی جزا دے' ثواب عطا کرے اور قیامت کے دن تیری نیکیوں میں ایک نیکی اور بڑھائے! یہ کہہ کر اس نے مجھ سے کھانے پینے کی چیزیں لے لیں اور میری ناک کے سامنے دروازہ بند کر لیا۔ اس کی ان باتوں پر مجھے بہت غصہ آیا۔ میری سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کروں اور وہ دروازے کے پیچھے کھڑا مارے خوشی کے وجد کر رہا تھا۔ میں اس کی بد سلوکی اور بے مروتی پر برا بھلا کہنے اور گالیاں دینے لگا۔ پہلے

تو وہ چپ سنتا رہا کچھ نہ بولا۔ جب میں برا بھلا کہہ چکا تو مسکرایا اور کہنے لگا اے پاگل' تو میرے گھر آیا' میرا رومال بیچا اور میرے دام خرچ کئے' پھر اے کٹنے تو کس بات پر ناراض ہے؟ یہ کہتا ہوا وہ پھر میرے پاس سے لڑکی کے پاس چلا گیا۔ میں نے اس سے کہا تیرا کہنا سچ ہے' واقعی میں پاگل ہوں اور کٹنا بھی۔ اس کے بعد غم زدہ ہو کر چلا ایا جس کا اثر آج تک میرے دل پر ہے۔ اس دن سے نہ وہ ملی اور نہ کہیں اس کا پتہ چلا۔

○ اسحٰق موصلی اور مغنیہ کنیز کی کہانی

اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ ایک بار خلیفہ کے محل میں رہتے رہتے اور خدمت کرتے کرتے میں اتنا تھک گیا کہ دوسرے روز صبح ہی وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور ارادہ کر لیا کہ آج شہر میں جا کر کر سیر کروں گا اور اپنے غلاموں سے کہتا گیا کہ اگر خلیفہ کا پیادہ یا کوئی اور شخص آئے تو کہہ دینا کہ وہ صبح کسی ضروری کام کے لئے گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ کہاں گیا ہے۔ میں بازاروں' گلیوں میں سیر کرنے اور پھرنے لگا۔ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو میں ایک سڑک پر ٹھہر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو آٹھویں رات

چار سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ اسحٰق بن ابراہیم موصلی کا بیان ہے کہ جب گرمی زیادہ پڑنے لگی تو میں ایک سڑک پر ٹھہر گیا جو حرم کے نام سے مشہور ہے تا کہ دھوپ سے پناہ ملے۔ جس مکان کے پاس میں ٹھہرا تھا اس کا سائبان وسیع تھا اور سڑک کی طرف نکلا ہوا۔ تھوڑی ہی دیر ٹھہرا ہوں گا کہ ایک حبشی غلام ایک گدھا ہانکتا ہوا آیا جس پر ایک لڑکی سوار تھی۔ گدھے کی پیٹھ پر اس کے نیچے ایک ہیرے ٹکا ہوا رومال پڑا تھا۔ اس کی پوشاک ایسی تھی کہ اس سے بہتر ممکن نہیں۔ اس کے قد و قامت میں عجیب دل کشی تھی' آنکھیں بڑی بڑی اور اور انداز ایسا نرالا کہ آدمی دیکھا کرے۔ میں نے ایک راہ چلنے والے سے پوچھا یہ کون ہے؟ اس نے جواب دیا ایک گانے والی ہے۔ اسے دیکھتے ہی میرا دل اس کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور مجھ پر ایسی بد حواسی چھائی کہ میں اپنی سواری پر سے گرتے گرتے بچا۔ آتے آتے وہ اسی مکان میں داخل ہوئی جس کے دروازے پر میں کھڑا تھا۔ اب میں اس سوچ میں پڑ گیا کہ کس تدبیر سے اس تک رسائی ہو۔ کھڑا سوچ ہی رہا تھا کہ دو خوب صورت جوان آئے اور انہوں نے اندر جانے کی اجازت مانگی۔ مکان والے نے ان کو اجازت دی اور وہ سواریوں سے اترے تو میں بھی اتر پڑا اور ان کے ساتھ ساتھ اندر چلا گیا۔ ان دونوں کا خیال ہوا کہ میں بھی مکان والے کا بلایا ہوا ہوں۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد کھانا ایا اور ہم سب نے کھایا۔ پھر اس مکان والے نے شراب لا کر ہمارے آگے رکھ دی۔ اتنے میں وہی لڑکی عود لئے ہوئے نکلی' وہ گاتی جاتی تھی اور ہم شراب پیتے جاتے تھے۔ اتفاق سے مجھے استنجے کی ضرورت ہوئی" میں اٹھ کر باہر گیا تو مکان کے مالک نے دونوں شخصوں سے میرے متعلق دریافت کیا۔ انہوں نے جواب دیا ہم اسے نہیں پہچانتے ہیں۔ اس نے کہا خیر طفیلی ہو گا لیکن آدمی خوب معلوم

ہوتا ہے اس لئے اس کی آؤ بھگت کرنی چاہیے۔ تھوڑی دیر بعد میں آ کر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ لڑکی نہایت خوش الحانی سے گانے لگی اور گانے کا پورا حق ادا کیا۔ لوگوں نے بہت پسند کیا اور شراب کا دور چلنے لگا۔ پھر اس نے نئے نئے انداز سے مختلف راگ گائے۔ ان راگوں میں ایک میرا بنا ہوا راگ بھی تھا اور وہ اس نے سب راگوں سے بہتر گایا۔ اس کے بعد اور بہت سے نئے پرانے راگ گائے اور ان میں بھی ایک میرا راگ تھا لیکن اس کے گانے میں کچھ غلطیاں تھیں۔اس راگ کو دوبارہ گانے کے لئے میں نے کہا۔ غرض یہ تھی کہ اس کی اصلاح کر دوں کہ ان دونوں شخصوں میں سے ایک میرے سر ہو گیا اور کہنے لگا تجھ سے زیادہ بے شرم طفیلی ہماری نظر سے نہیں گزرا۔ کیا تیرے لیے طفیلی ہونا کافی نہ تھا کہ تو نے بے حیائی پر بھی کمر باندھ لی۔ یہ مثل تیرے اوپر پوری اترتی ہے کہ طفیلی اور بے حیا! میں نے مارے شرم کے اپنا سر نیچا کر لیا اور کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے دوست نے بہت چاہا کہ اس سے میرا پیچھا چھڑائے لیکن وہ باز نہ ایا۔ خدا خدا کر کے نماز کا وقت ہو گیا اور لوگ نماز پڑھنے اٹھے۔ میں اور ذرا دیر تک بیٹھا رہا اور عود لے کر اس کے تار خوب اچھی طرح ملائے۔ ساز کو درست کر چکا تو جا کر ان کے ساتھ نماز پڑھی۔ جب ہم نماز پڑھ چکے تو وہ شخص پھر مجھے برا بھلا کہنے لگا۔ خوب ڈانٹا ڈپٹا' میں نے سانس تک نہ لیا۔ اتنے میں لڑکی نے عود اٹھا کر جو اس کے تاروں پر ہاتھ پھیرا تو دنگ ہو گئی اور کہنے لگی کہ میرے ساز کو کس نے ہاتھ لگایا ہے؟ وہ بولے ہم میں سے تو کسی نے چھوا نہیں۔ اس نے کہا واللہ کسی ایسے شخص نے ہاتھ لگایا ہے جو اس فن کا ماہر اور استاد ہے۔ تار اس طرح ملائے ہیں جیسے کہ کوئی بڑا استاد ہے۔ میں نے کہا میں نے ملائے ہیں۔ وہ بولی خدا کی قسم تو ہی اسے لے کر بجا۔ میں نے ایک ایسا عجیب و غریب مشکل راگ بجایا جس سے زندہ مردے اور مردے زندہ ہو جائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• چار سو نویں رات

چار سو نویں ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب اسحٰق بن ابراہیم موصلی اپنا راگ ختم کر چکا تو سب کے سب اپنی اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے سامنے آ

بیٹھے اور کہنے لگے اے ہمارے آقا' خدا کے لئے ہمیں ایک راگ اور سنا۔ میں نے دوسرا راگ بجایا ان پر ایک قسم کی کیفیت طاری ہو گئی۔ کبھی کھڑے ہوتے اور کبھی زمین پر گر پڑتے۔ راگ تمام ہوا تو عود رکھ کر میں خاموش ہو گیا۔ انہوں نے کہا خدا کے لئے ہمارے اوپر یہ ظلم نہ ڈھا اور ایک راگ اور سنا دے۔ خدا تجھے اس سے زیادہ نعمتیں عطا کرے! میں بولا اے لوگو' میں تمہیں ایک راگ نہیں دو تین چار جتنے کہو گے سنا دوں گا لیکن پہلے میں تمہیں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں کون ہوں۔ میں اسحٰق بن ابراہیم موصلی ہوں۔ واللہ یہ راگ میں خلیفہ کو سناتا ہوں جب وہ مجھے طلب کرتا ہے اور تم نے مجھے آج گندی سے گندی باتیں سنائی ہیں۔ خدا کی قسم جب تک اس بد زبان کو یہاں سے نکال نہ دو گے نہ میں یہاں بیٹھوں گا اور نہ کوئی بات کروں گا۔ یہ سن کر ان دونوں شخصوں میں سے جو معقول تھا دوسرے سے کہنے لگا اسی بات سے تو میں تجھے ڈراتا تھا اور تیرے متعلق ڈرتا تھا۔ پھر اس نے اس کا ہاتھ پکڑ کر باہر نکال دیا۔ اب میں نے عود لے کر وہ راگ گائے جو کنیز نے گائے تھے اور جو میرے بنائے ہوئے تھے۔ اس کے بعد میں نے مکان کے مالک سے چپکے سے کہا کہ کنیز نے میرے دل پر قبضہ کر لیا اور میں اس کے لئے بے چین ہوں۔

اس نے جواب دیا وہ تیری ہے مگر ایک شرط کے ساتھ۔ میں نے پوچھا وہ کیا شرط ہے؟ اس نے کہا اگر تو ایک مہینے میرے ہاں ٹھہر جائے' تو کنیز اس کے لباس اور زیور سب تیرے ہیں۔ میں نے کہا میں اس کے لئے تیار ہوں۔ قصہ مختصر ایک مہینے تک میں اس کے ہاں ٹھہرا اور کسی کو کانوں کان بھی خبر نہ ہوئی کہ میں کہاں ہوں۔

خلیفہ جا بجا مجھے تلاش کراتا اور میرا پتہ نہ چلتا۔ جب مہینہ پورا ہو گیا تو اس نے کنیز اور اس کی تمام قیمتی چیزیں میرے حوالے کر دیں۔ اس کے علاوہ ایک اور لونڈی مجھے عطا کی۔ میں ان سب کو لے کر اپنے گھر پہنچا اور کنیز کے ملنے کی مجھے اتنی خوشی ہوئی گویا ساری دنیا مل گئی۔ اب میں فوراً سوار ہو کر مامون کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سامنے پہنچا تو اس نے کہا کم بخت اسحٰق تو کہاں تھا؟ میں نے اسے ساری داستان سنائی تو وہ بولا اس شخص کو ابھی میرے پاس لا۔ میں نے اس کے گھر کا پتہ بتایا۔ خلیفہ نے اسے طلب کیا۔ جب وہ حاضر ہوا تو خلیفہ نے اس سے سارا قصہ پوچھا۔ اس نے بیان کیا۔ خلیفہ نے کہا تو با مروت شخص ہے' مناسب ہے کہ تیری اس خوبی کی وجہ سے تیری مدد کی جائے۔ یہ کہہ کر اس نے حکم دیا کہ اسے ایک لاکھ درہم دیئے جائیں اور مجھ سے کہا اے اسحٰق کنیز کو حاضر کر۔ میں نے حاضر کیا اور اس نے گا کر خلیفہ کو بہت خوش کیا۔ مجھے بھی بہت مسرت ہوئی۔ خلیفہ نے کہا کہ وہ ہر جمعرات کو یہاں آ کر پردے کے پیچھے سے گایا کرے اور اسے پچاس ہزار درہم عطا کئے۔ کنیز نے بھی فائدہ اٹھایا اور میں بھی مزے میں رہا۔

○ تین جنازوں کی کہانی

عتی کا بیان ہے کہ ایک روز میں پڑھے لکھے آدمیوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر کے قصے ہو رہے تھے کہ یک بیک عاشقوں کی کہانیاں ہونے لگیں اور ہر ایک نے کوئی نہ کوئی افسانہ سنایا یہاں تک کہ جتنی باتیں یاد تھیں ختم ہو گئیں۔ اس مجمعے میں ایک بڈھا بھی تھا' جب سب لوگ اپنی اپنی داستانیں سنا چکے تو وہ بولا میں بھی تمہیں ایک قصہ سناتا ہوں' ایسا تم نے کبھی نہ سنا ہو گا۔ ہم نے کہا سنا' اس نے کہا سنو میری ایک بیٹی تھی۔ وہ ایک جوان کی محبت میں مبتلا ہو گئی۔ جوان ایک مغنیہ کنیز پر

عاشق تھا اور کنیز میری بیٹی کو بہت چاہتی تھی لیکن ان باتوں کے ہمیں کچھ پتے نہ تھے۔
ایک دن میرا جانا ایک مجلس میں ہوا جہاں وہ جوان بھی تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

- چار سو دسویں رات

چار سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ بوڑھے نے کہا ایک دن میں ایک مجلس میں گیا جہاں وہ جوان اور مغنیہ دونوں موجود تھے۔ جب کنیز نے گانا سنایا تو جوان نے کہا واللہ اے میری آقا' کیا خوب! تیری اجازت ہے کہ میں جان دے دوں؟ کنیز بولی ہاں پردے کے پیچھے بشرطیکہ تو عاشق ہے۔ جوان نے ایک تکئے پر سر رکھ کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔ اتنے میں شراب کا دور اس تک پہنچا تو ہم نے اسے ہلایا مگر وہ مر چکا تھا۔ اب ہم سب اس کے آس پاس جمع ہو گئے اور ہمارا مزہ کرکرا ہو گیا۔ ہم بہت غمگین ہوئے اور فوراً مجلس برخاست کر دی۔ میں گھر پہنچا تو لوگوں کو تعجب ہوا کیونکہ میں وقت سے پہلے آ گیا تھا۔ میں نے ان سے جوان کا قصہ بیان کیا تا کہ انہیں تعجب ہو۔ میری بیٹی نے مجھے یہ کہتے سنا تو وہ میرے پاس سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد میں بھی اس کمرے میں گیا' دیکھا کہ وہ بھی اسی طرح تکیے پر سر رکھے پڑی ہے جیسا کہ جوان کے متعلق بیان کیا جا چکا ہے۔ میں نے اسے جنبش دی تو وہ بھی مردہ تھی ہم اس کی تجہیز و تکفین میں مشغول ہوئے اور دوسری صبح کو اس کا جنازہ نکلا اسی وقت جوان کا بھی جنازہ نکلا۔ ہم قبرستان کی طرف جا ہی رہے تھے کہ ہمیں ایک تیسرا جنازہ ملا۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ وہ اس کنیز کا جنازہ ہے۔ اسے میری بیٹی کے مرنے کی خبر ملی تو اس نے بھی وہی کیا جو میری بیٹی نے کیا تھا اور مر گئی۔ ہم نے تینوں کو ایک ساتھ دفن کیا۔ اس سے زیادہ عجیب و غریب قصہ عاشقوں کا سننے میں نہیں آیا۔

- عاشق معشوق کے ایک ساتھ جان دے دینے کی کہانی

قاسم بن عدی سے بنو تمیم کے ایک شخص نے روایت کی کہ میں اپنی ایک گمشدہ اونٹنی کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے بنو طے کے ایک تالاب پر پہنچا۔ دیکھا کہ دو فریق پاس کھڑے ہیں۔ دونوں کی زبان ایک سی ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوا کہ ایک فریق کے ساتھ ایک جوان ہے جو بیماری سے کمزور ہو کر سوکھی کھال کی طرح ہو گیا ہے اور عشقیہ اشعار پڑھ رہا ہے۔ جب دوسرے فریق کی ایک لڑکی نے اس کے اشعار سنے تو وہ نکل کر اس کی طرف چلی۔ اس کے ساتھیوں نے پیچھے دوڑ کر روکنا چاہا اور وہ ان سے لڑنے جھگڑنے لگی۔ جوان نے جو یہ دیکھا تو وہ بھی اس کی طرف دوڑا مگر اس کے گروہ والوں نے لپک کر اسے پکڑ لیا۔ ادھر وہ جوان اپنے آپ کو ان سے چھڑانے لگا ادھر وہ لڑکی یہاں تک کہ دونوں اپنے آپ کو چھڑا کر ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ دونوں فریقوں کے سامنے گلے لپٹ گئے اور مر کر گر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو گیارھویں رات

چار سو گیارھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکا اور لڑکی دونوں مر کر گر گئے۔ اب خیموں میں سے ایک بوڑھا نکلا اور ان دونوں کے پاس کھڑے ہو کر اس نے اناللہ و انا الیہ راجعون۔ پڑھا' زور زور سے رونے لگا اور بولا خدا تم دونوں پر رحم کرے! خدا کی قسم تم زندگی میں ایک ساتھ نہ ہو سکے تو مرنے کے بعد تم دونوں کو ملا دوں گا۔ پھر اس نے کہا کہ ان دونوں کی تجہیز و تکفین کی جائے۔ دونوں کو غسل دے کر ایک کفن میں لپیٹا۔ ان کے لئے ایک ہی قبر کھودی گئی اور لوگوں نے دونوں جنازوں کی ایک ساتھ نماز پڑھ کر انہیں ایک ہی قبر میں دفن کیا۔ دونوں فریقوں میں کوئی مرد عورت ایسا نہ تھا جو ان پر روتا اور منہ نہ پیٹتا ہو۔ میں نے دونوں کے متعلق بوڑھے سے پوچھا تو اس نے کہا کہ یہ میری بیٹی ہے اور وہ میرا بھتیجا ہے۔ ان کی محبت اس درجہ بڑھی ہوئی تھی کہ تو نے خود دیکھ لیا۔ میں نے کہا خدا تجھے نیکی دے! تو نے ان کی شادی آپس میں کیوں نہ کر دی؟ وہ بولا کہ مجھے بدنامی اور فضیحت کا ڈر تھا لیکن وہی ہو کر رہا۔ یہ بھی عاشقوں کی عجیب و غریب کہانی ہے۔

- مجنون عاشق کی کہانی

ابو العباس مبرو بیان کرتا ہے کہ ایک بار میں چند ہمراہیوں کو لے کر ڈاک کے ساتھ کسی کام کے لئے جا رہا تھا۔ ہمارا گزر دیر ہر قل کی طرف سے ہوا اور ہم اس کے سائے میں ستانے کے لئے ٹھہر گئے۔ ایک شخص نے ہمارے پاس آ کر کہا کہ دیر میں چند مجنون ہیں' ان میں سے ایک شخص بڑی حکمت کی باتیں کرتا ہے۔ اگر تم اسے دیکھو تو اس کی باتوں پر تمہیں بڑا تعجب ہو گا۔ ہم سب اٹھ کر دیر میں گئے' دیکھا کہ

ایک شخص سر کھولے ایک کمرے میں بوریئے پر بیٹھا ہوا ہے اور دیوار کی طرف اس کی نظر ہے۔ ہم نے اسے سلام کیا' اس نے بغیر ہماری طرف دیکھے سلام کا جواب دیا۔ ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ کوئی شعر پڑھ۔ جب وہ شعر سنتا ہے تو باتیں کرتا ہے۔ میں نے شعر پڑھے تو اس نے بھی اشعار سے جواب دیا اور پوچھنے لگا کہ میں نے اچھے شعر پڑھے ہیں یا برے؟ ہم نے کہا تو نے برے شعر نہیں پڑھے ہیں بلکہ اچھے اور عمدہ۔ پھر اس نے اپنا ہاتھ ایک پتھر کی طرف بڑھایا جو اس کے قریب پڑا ہوا تھا اسے اٹھا لیا۔ یہ خیال کر کے وہ پتھر ہماری طرف مارے گا ہم اس کے پاس سے بھاگے لیکن وہ اس پتھر کو اپنے سینے پر زور زور سے مارنے لگا اور کہا ڈرو نہیں' میرے پاس آؤ۔ جب ہم اس کے پاس گئے تو اس نے مجھ سے کہا تجھے احباب کا حال معلوم ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں' وہ فوت ہو چکے ہیں' خدا ان پر رحم کرے! یہ سن کر اس کا رنگ فق ہو گیا اور وہ جھٹ اٹھ کھڑا ہو اور کہنے لگا تجھے ان کی موت کا علم کیونکر ہوا؟ میں نے کہا اگر وہ زندہ ہوتے تو تجھے اس طرح نہ چھوڑتے۔ وہ بولا واللہ تو سچ کہتا ہے' ان کے بعد اب میں بھی زندہ رہنا نہیں چاہتا۔ یہ کہہ کر وہ کانپنے لگا اور منہ کے بل گر پڑا۔ ہم نے آگے بڑھ کر اسے ہلایا تو وہ مر چکا تھا' خدا اس پر رحم کرے! ہمیں بڑی حیرت ہوئی اور ہم نے بڑا افسوس کیا اور اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو بارہویں رات

چار سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- مبرو کا بیان ہے کہ وہ شخص مر کر گر گیا تو ہمیں بڑا افسوس ہوا اور ہم نے اس کی تجہیز و تکفین کر کے اسے دفن کیا۔ جب میں بغداد واپس آیا اور متوکل کے پاس گیا تو اس نے دیکھا میرے چہرے پر آنسوؤں کے آثار ہیں۔ پوچھا یہ کیا ہے؟ میں نے قصہ سنایا تو اسے بھی بہت افسوس ہوا اور وہ کہنے لگا کہ واللہ اگر مجھے معلوم ہوتا کہ تجھے اس پر افسوس نہیں ہوا تو میں تجھے سزا دیتا' اور وہ دن بھر غمگین رہا۔

- ### چالیس راہبوں کے مسلمان ہونے کی کہانی

ابو بکر بن محمد انباری کا بیان ہے کہ ایک بار میں انبار سے سفر کر کے عموریہ چلا جو روم کے ملک میں ہے۔ چلتے چلتے ہم دیرالا نوار میں اترے جو عموریہ کے قریب ایک قصبہ ہے۔ دیر کے راہبوں کا رئیس اور اس کا مالک جس کا نام عبد المسیح تھا' آ کر ہمیں دیر کے اندر لے گیا۔ وہاں چالیس راہب تھے' انہوں نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور اس رات نہایت عمدہ کھانا کھلایا۔ ان جیسی ریاضت اور عبادت کرتے میں نے کسی اور کو نہیں دیکھا۔ صبح ہوتے میں وہاں سے آگے روانہ ہوا اور عموریہ میں اپنی ضروریات سے فارغ ہو کر انبار واپس آیا۔ دوسرے سال جب میں حج کرنے مکے گیا' طواف کر رہا تھا کہ میری نظر عبد المسیح راہب پر پڑی۔ دیکھا وہ اپنے پانچ راہبوں کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔ اچھی طرح پہچان گیا تو میں نے اس کے پاس جا کر پوچھا کیا تو عبد المسیح راہب ہے؟ اس نے جواب دیا نہیں' اب میں عبد اللہ راغب ہوں۔ یہ سن کر میں اس کے سفید بال چومنے اور رونے لگا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حرم کے ایک

طرف لے گیا اور کہا اپنے اسلام لانے کا سبب بتا۔ وہ بولا یہ بھی عجیب و غریب واقعہ ہے۔ سن، ایک بار مسلمانوں زاہدوں کی ایک جماعت اس قصبے کی طرف سے گزری جہاں ہمارا دیر تھا۔ انہوں نے ایک جوان کو کھانا خریدنے کے لئے بھیجا۔ بازار میں اس کی نظر ایک عیسائی عورت پڑی جو روٹیاں بیچتی تھی اور جس کا ناک نقشہ نہایت خوب صورت تھا۔ اسے دیکھتے ہی وہ جوان غش کھا کر منہ کے بل گر پڑا۔ ہوش آیا تو اس نے اپنے ساتھیوں کے پاس جا کر سارا ماجرا بیان کیا اور کہا تمہارا جہاں جی چاہے جاؤ، میں تمہارے ساتھ نہیں جا سکتا۔ انہوں نے اسے لعنت ملامت کی اور بہت سمجھایا بجھایا لیکن اس نے ایک نہ مانی۔ لاچار قافلہ آگے بڑھ گیا اور جوان قصبے میں اس عورت کی دکان کے دروازے پر جا کر بیٹھ گیا۔ عورت نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا میں تجھ پر عاشق ہوں۔ عورت یہ سنتی ہوئی منہ پھیر کر چل دی، جوان وہیں بیٹھا رہا۔ وہ نہ کھانا کھاتا نہ پانی پیتا بلکہ اس کے منہ کو تکتا رہتا۔ جب تین دن گزر گئے اور جوان اس کے پاس سے نہ ٹلا تو اس نے جا کر اپنے گھر والوں کو خبر دی۔ انہوں نے لڑکوں کو اس کے پیچھے لگا دیا اور لڑکوں نے اسے اتنے پتھر مارے کہ اس کی ہڈیاں پسلیاں ٹوٹ گئیں۔ سر زخمی ہو گیا مگر وہ پھر بھی نہ ہٹا۔ اب قصبے والوں نے اس کے قتل کی ٹھان لی۔ ان میں سے ایک شخص نے مجھے آ کر خبر دی۔ میں اس کے پاس گیا، دیکھا کہ وہ زمین پر پڑا ہوا ہے۔ میں نے اس کے چہرے سے خون پونچھا اور دیر میں لے جا کر اس کی دوا دارو کی۔ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو دیر سے نکلا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیرہویں رات

چار سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ راہب عبداللہ نے کہا کہ چودہ دن کے بعد وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوا تو دیر سے نکل کر لڑکی کی

دکان کے دروازے پر جا بیٹھا اور اسے دیکھنے لگا۔ لڑکی کی نظر اس پر پڑی تو وہ اس کے پاس آ کر کہنے لگی خدا کی قسم مجھے تجھ پر رحم آتا ہے' اگر تو میرا دین قبول کر لے تو میں تجھ سے نکاح کر لوں گی۔ اس نے جواب دیا خدا نہ کرے کہ میں توحید کے دین کو چھوڑ کر شرک کے دین میں داخل ہوں! لڑکی نے کہا اچھا میرے گھر چل اور اپنی مراد پوری کر کے چلتا بن۔ جوان نے کہا یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ایک لمحے کی شہوت کے لئے بارہ برس کی عبادت کو ضائع کروں۔ لڑکی بولی تو پھر دور ہو۔ جوان نے جواب دیا میرا دل نہیں مانتا۔ وہ منہ پھیر کر چلتی ہوئی۔ لڑکے سمجھ گئے اور اسے پتھر مارنے شروع کر دیئے۔ جوان منہ کے بل گر پڑا اور کہنے لگا میرا سرپرست اللہ ہے جس نے قرآن نازل کیا اور جو تمام نیک بندوں کا سر پرست ہے۔

میں نے دیر سے نکل کر لڑکوں کو بھگایا' اس کا سر زمین سے اٹھایا اور اسے یہ کہتے سنا خدا وندا' مجھے اس سے جنت میں ملا میں اسے اٹھا کر دیر کو روانہ ہوا لیکن وہاں پہنچتے پہنچتے اس کا دم نکل گیا۔ اب میں اسے گاؤں کے باہر لے گیا اور قبر کھود کر دفن کیا۔ آدھی رات ہوئی تو وہ عورت اپنے بچھونے میں لیٹے لیٹے چیخیں مارنے لگی۔ سارے گاؤں والے جمع ہو گئے۔ سبب پوچھا۔ اس نے کہا سوتے سوتے میں نے خواب میں دیکھا کہ وہی مسلمان میرے پاس آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر جنت کی طرف لے چلا۔ میں اس کے ساتھ جنت کے دروازے پر پہنچی تو دربان نے مجھے اندر جانے سے روکا اور کہا جنت کافروں پر حرام ہے۔ یہ سن کر میں اس کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئی۔ اس کے ساتھ اندر گئی اور اس میں ایسے ایسے محل اور درخت دیکھے جن کی تعریف میں تمہارے آگے

نہیں کر سکتی۔ وہ مجھے ایک ہیرے کے محل میں لے گیا اور کہا یہ محل میرے اور تیرے لئے ہے۔ میں اس کے اندر تیرے بغیر نہیں جاؤں گا۔ پانچ دن کے بعد تو انشاء اللہ میرے ساتھ محل میں ہو گی۔ یہ کہہ کر اس نے ایک درخت کی طرف ہاتھ بڑھایا جو اس محل کے دروازے پر تھا اور اس میں سے دو سیب توڑ کر مجھے دیئے اور کہنے لگا ایک کو تو خود کھالے اور دوسرے کو رکھ لے جب تو اس راہب کو دیکھیو تو اسے دے دیجیو۔ چنانچہ ایک سیب میں نے کھا لیا' اس سے بہتر میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہو گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چودھویں رات

چار سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے کہا کہ اس سے اچھا میری نظر سے کبھی نہ گزرا ہو گا۔ اس کے بعد وہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے باہر لایا اور میرے گھر تک پہنچا گیا۔ میں جاگی تو سیب کا مزہ میرے منہ میں باقی تھا اور دوسرا میرے پاس۔ میں نے وہ سیب نکالا تو اندھیری رات میں وہ ایسا چمکتا تھا جیسے روشن تارا۔ جب وہ سیب کو لے کر لوگوں کے ساتھ میرے پاس آئی تو اس نے سارا ماجرا بیان کیا اور سیب مجھے دے دیا۔ میں نے دنیا کے پھلوں میں اس جیسا کبھی نہ دیکھا تھا۔ میں نے چھری لے کر اس کے اتنے ٹکڑے کئے جتنے کہ میرے ساتھ تھے۔ اس کا ذائقہ اور خوشبو اللہ اکبر! لوگ آپس میں کہنے لگے ہو نہ ہو شیطان اس ذریعے سے عورت کو بہکانا چاہتا ہے۔ اور اس کے گھر والے اسے لے کر چل دیئے مگر اس نے نہ کھانا کھایا نہ پانی پیا۔ پانچویں دن بچھونے سے اٹھی' گھر سے نکل کر اس مسلمان کی قبر پر پہنچی اور اس پر گر پڑی۔ اس کی روح پرواز کر گئی کسی کو خبر نہ ہوئی۔ سویرا ہوا تو دو مسلمان بوڑھے اونی کپڑے پہنے گاؤں میں آئے۔ ان کے ساتھ اسی ہیئت کی دو عورتیں تھیں۔ انہوں نے کہا اے گاؤں والو! تمہارے ہاں خدا کے برگزیدہ لوگوں میں سے ایک عورت ہے اور بجائے تمہارے ہم اس کے متولی ہیں۔ گاؤں والوں نے اسے ڈھونڈا تو وہ قبر پر مردہ ملی۔ لوگوں نے کہا یہ ہماری ہے' ہمارے دین پر مری ہے اور ہم اس کے والی وارث ہیں۔ بوڑھوں نے کہا نہیں بلکہ وہ مسلمان مری ہے اور ہم اس کے والی ہیں۔ اب فریقین میں سخت جھگڑا ہونے لگا۔

فساد بڑھ چلا تو ایک بوڑھے نے کہا اس کے مسلمان ہونے کی یہ دلیل ہے کہ چالیس راہب مل کر اسے قبر پر سے اٹھائیں' اگر انہوں نے اٹھا لیا تو وہ عیسائی ہے اور اگر نہ اٹھا سکے تو ہم میں سے ایک شخص آگے بڑھ کر اسے کھینچے گا' اگر وہ اس کے ساتھ

آ گئی تو مسلمان ہے۔ اس بات کو گاؤں والوں نے مان لیا اور چالیس راہب مل کر اس کے پاس آئے کہ اسے اٹھا لے جائیں لیکن نہ لے جا سکے۔ اس کے بعد ہم نے لڑکی کی کمر میں رسی باندھ کر کھینچا' رسی ٹوٹ گئی اور اسے جنبش تک نہ ہوئی' پھر تمام گاؤں والوں نے مل کر یہی کیا' وہ اپنی جگہ سے ہلی تک نہیں۔ جب ہم ساری ترکیبیں کر کے تھک گئے تو ہم نے ایک بوڑھے سے کہا اب تو آگے بڑھ کر اسے اٹھا۔ بوڑھا آگے بڑھا اور اسے اپنی چادر میں لپیٹ کر کہا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وعلی ملتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسے اپنی گود میں اٹھا لیا۔ وہ دونوں اسے لے کر ایک غار میں گئے جو پاس ہی تھا' وہاں اتارا۔ دونوں عورتوں نے آ کر اسے غسل دیا' کفن پہنایا' پھر دونوں بوڑھوں نے اس کے جنازے کی نماز پڑھی اور مسلمان کی قبر کے پہلو میں دفن کر کے چلے گئے۔ یہ تمام باتیں ہماری آنکھوں کے سامنے ہوئیں۔ اس کے بعد جب ہم تنہا ہوئے تو آپس میں کہنے لگے سچائی ہی اس قابل ہے کہ اس کی پیروی کی جائے' سچائی کا اب ہم نے آنکھ سے مشاہدہ کر لیا ہے اور اسلام کی سچائی کی دلیل اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو ہماری آنکھوں کے سامنے سے گزری ہے۔ چنانچہ میں اور سارے دیر کے راہب مسلمان ہو گئے اور علی ہذا القیاس تمام گاؤں والے۔ پھر ہم نے عراق سے ایک فقیہہ بلوایا تا کہ وہ ہمیں اسلام کے ارکان اور دین کے احکام سکھائے۔ وہاں سے ایک پارسا فقیہہ آیا اور اس نے ہمیں نماز اور اسلام کے احکام سکھائے۔ اب ہم پر خدا کی بڑی مہربانی ہے ہم اس کی تعریف کرتے اور اس کے شکر گزار ہیں۔

○ ابو عیسیٰ بن الرشید کے عشق اور علی بن ہشام کی دریا دلی کی کہانی

عمرو بن مسعدہ روایت کرتا ہے کہ ابو عیسیٰ جسے ہارون الرشید کا بیٹا اور مامون کا بھائی کہتے ہیں' علی بن ہشام کی کنیزہ قرہ العین پر عاشق تھا اور وہ بھی اس سے محبت کرتی تھی۔ ابو عیسیٰ اپنی محبت پوشیدہ رکھتا' کسی کے آگے اپنا درد بیان نہ کرتا اس لئے کسی

کو اس کا بھید معلوم نہ تھا۔ یہ وجہ تھی کہ اس کے غرور اور انانیت کی۔ اس نے طرح طرح کی تدبیریں کیں کہ کنیز کو اس کے مالک سے خرید لے لیکن ناکام رہا۔ جب وہ بالکل مایوس ہو گیا' محبت زور پکڑتی چلی گئی اور کوئی تدبیر بن نہ آئی تو وہ حج کے دن مامون کے پاس پہنچا۔ سب لوگ اٹھ گئے تو اس نے کہا اے امیر المومنین' کاش تو آج اپنا دل بہلائے اور لوگوں کے پاس ان کی بے خبری میں پہنچ جائے کہ تجھے معلوم ہو کہ ان میں سے کوئی سخی ہے اور کس درجے اور ہمت کا آدمی ہے۔ ان باتوں سے ابو عیسیٰ کا محض یہ مقصد تھا کہ وہ قرۃ العین کے ساتھ اس کے مالک کے مکان میں ہم صحبت ہو۔ مامون نے جواب دیا تیرا کہنا ٹھیک ہے اور حکم دیا کہ اس کی طیار نامی کشتی تیار کی جائے۔ کشتی تیار کر کے لائی گئی اور وہ اپنے مصاحبوں کو لے کر سوار ہو گیا۔ پہلا محل جو سامنے آیا حمید الطویل طوسی کا تھا وہ سب بغیر خبر کئے اس کے محل میں داخل ہو گئے۔ دیکھا کہ وہ بیٹھا ہوا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پندرہویں رات

جب چار سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مامون اور اس کے مصاحبوں نے دیکھا کہ حمید طوسی بوریے پر بیٹھا ہوا ہے' گویے عود اور نفریاں لئے اس کے سامنے گا بجا رہے ہیں۔ تھوڑی دیر کے بعد مامون کے آگے کھانا پیش کیا گیا جس میں چوپاؤں کا گوشت تھا مگر پرندوں کا بالکل نہ تھا۔ اس لئے مامون نے اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ ابو عیسیٰ نے کہا اے امیر المومنین' ہم اس جگہ بے خبر کئے آ گئے ہیں اور مکان والے کو تیرے آنے کا بالکل علم نہ تھا لہٰذا ایسی جگہ چل جہاں تیری شان کے لائق مجلس تیار کی گئی ہو۔

خلیفہ اپنے مصاحبوں اور اپنے بھائی ابو عیسیٰ کو لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور سب کے سب علی بن ہشام کے گھر پہنچے۔ جب اسے ان کے آنے کی خبر ملی تو اس نے بہت عمدہ طریقے سے ان کا خیر مقدم کیا۔ خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا اور ان کو لئے ہوئے محل کے اندر گیا۔ ایک کمرہ کھولا جس سے زیادہ خوب صورت کسی کی نظر سے نہ گزرا ہو گا۔ اس کی زمین' ستون اور دیواریں طرح طرح کے مرمر کی تھیں۔ ان پر رومی مینا کاری تھی اور سندھی قالینیں بچھی ہوئی جن پر بصری فرش تھا۔ فرش کی لمبائی چوڑائی کمرے کے برابر تھی۔ مامون بیٹھ کر تھوڑی دیر تک کمرے اور چھت اور دیواروں کو غور سے دیکھتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا ہمارے لئے کھانا لا۔ میزبان نے فوراً تقریباً سو قسم کے پرندوں کا گوشت پیش کیا' علاوہ بریں دوسرے گوشت' ثرید' قورمے اور ٹھنڈائیاں۔ کھانے سے فارغ ہو کر مامون نے کہا اے علی' اب کچھ پلا' اس نے سونے چاندی اور بلور کے برتنوں میں سہ آتشہ نبیذ پیش کی جس میں پھل اور خوشبو دار جڑی بوٹیاں پڑی ہوئی تھیں اور جس کے ساقی چاند سے خوب صورت لڑکے تھے۔ ان کا لباس اسکندری تھا جس پر سونے کا کام تھا۔ ان کے سینوں پر بلور کی صراحیاں تھیں

جن میں مشک آمیز گلاب کا عرق۔
یہ تمام چیزیں دیکھ کر مامون دنگ رہ گیا اور آواز دی اے ابو الحسن! وہ دوڑ کر فرش کے پاس پہنچا اور اسے بوسے دے کر خلیفہ کے آگے کھڑا ہو گیا۔ عرض کیا امیر المومنین' میں حاضر ہوں۔ خلیفہ نے کہا کہ سرور لانے والے گیت سنوا۔ اس نے اپنے ایک ملازم کو حکم دیا کہ گانے والی کنیزوں کو حاضر کر۔ ملازم بسر و چشم کہہ کر چل دیا اور تھوڑی دیر کے بعد دس خادموں کو لے کر لوٹا جن کے ہاتھوں میں دس سونے کی کرسیاں تھیں۔ کرسیاں بچھا دی گئیں۔ پھر دس کنیزیں آئیں جو چاند کی طرح خوب صورت اور باغوں کی طرح شگفتہ تھیں۔ ان کی پوشاکیں سیاہ اطلس کی اور ان کے سروں پر سونے کے تاج تھے۔ وہ آ کر کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ایک کنیز کی طرف دیکھا جو اسے بہت پیاری معلوم ہوئی اور اس سے پوچھا اے کنیز' تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اے امیر المومنین' سجاح۔ خلیفہ نے کہا اے سجاح' کچھ سنا۔ اس نے کئی راگ گا کر سنائے۔ مامون نے کہا اے کنیز' کیا خوب گایا! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا عمرو بن معدیکرب کے اور موسیقی معبد کی۔ اس کے بعد مامون اور ابو عیسیٰ اور علی بن ہشام پھر پینے لگے۔ وہ کنیزیں رخصت ہو گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں۔ ان کے لباس یمنی تھے جو سونے کے کلابتون سے بنے ہوئے تھے۔ وہ بھی کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ اب مامون کی نظر ایک کنیز پر پڑی جو ریگستانی نیل گائے کی طرح تھی۔ اس سے نام پوچھا اس نے کہا اے امیر المومنین' میرا نام ظبیہ ہے۔ خلیفہ نے کہا اے ظبیہ' اب تو کچھ گا کر ہمیں سنا۔ اس نے گا کر سنایا۔ وہ گا چکی تو مامون نے کہا ماشاء اللہ تو نے کیا خوب گایا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سولھویں رات

جب چار سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ مامون کہنے لگا ماشاء اللہ تو نے کیا خوب گایا! یہ شعر کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا جریر کے اور موسیقی اب سریج کی۔ پھر مامون اور اس کے ساتھی پینے میں مشغول ہو گئے اور کنیزیں رخصت ہو گئیں اور ان کے بعد دس اور کنیزیں آئیں جو یاقوت کی طرح تھیں۔ ان کا لباس سرخ اطلس کا تھا۔ سنہری کام سے مزین' موتی اور جواہرت ٹنکے ہوئے اور ان کے سر کھلے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ کر طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون نے ان میں سے ایک کنیز کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا جو سورج کی طرح خوب صورت تھی۔ اس سے کہا اے کنیز' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ فاتن' اے امیر المومنین۔ خلیفہ نے کہا اے فاتن' تو کچھ گا کر ہمیں سنا اور اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا سبحان اللہ' اے فاتن! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ عدی بن زید کے اور انداز پرانا ہے۔ اب پھر مامون اور ابو عیسیٰ اور علی بن ہشام شراب نوشی کرنے لگے۔ کنیزیں چلی گئیں اور دوسری دس کنیزیں آئیں جو موتیوں کی طرح پیاری تھیں۔ ان کے لباس پر سرخ سونے کے بیل بوٹے تھے اور کمروں سے پٹیاں بندھی ہوئی تھیں جن میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ وہ کرسیوں پر بیٹھ گئیں اور طرح طرح کے راگ گانے لگیں۔ مامون کی نظر ان میں بھی ایک کنیز پر پڑی جو بید کی چھڑی کی طرح تھی۔ اس سے پوچھا اے کنیز تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا: اے امیر المومنین' میرا نام رشا ہے۔ خلیفہ نے کہا: اے رشا! ہمیں کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ مامون نے کہا: اے کنیز! کیا خوب! اور سنا۔ کنیز نے اٹھ کر اس کے سامنے زمین کو بوسہ دیا اور پھر گانے لگی۔ اس پر مامون کو وجد آ گیا۔ جب کنیز نے اسے وجد میں دیکھا تو وہ اسی راگ کو بار بار گانے لگی۔ اس

کے بعد مامون نے کہا:طیار لاؤ' اس کا ارادہ تھا کہ سوار ہو کر رخصت ہو جائے لیکن علی بن ہشام نے اٹھ کر کہا: اے امیر المومنین! میرے پاس اور ایک کنیز ہے جو میں نے دس ہزار دینار کو مول لی ہے۔ وہ میرے دل پر بالکل حاوی ہے' میں چاہتا ہوں کہ اسے امیر المومنین کے سامنے پیش کروں اور اگر تجھے پسند آئے اور تو اسے منظور کرے تو تیری نذر ہے ورنہ اس کا گانا ہی سن لے۔ خلیفہ نے کہا: اچھا اسے بلا۔ چنانچہ ایک کنیز نکلی جو بید کی چھڑ کی طرح تھی۔ اس کی آنکھیں فتنہ تھیں اور بھویں کمان۔ اس کے کے نیچے ایک فیتے پر یہ شعر لکھا ہوا تھا: "یا تو وہ خود پری ہے یا اس کے قبضے میں کوئی جن ہے جس نے ایسی کمان سے لوگوں کے دلوں پر تیر چلانا سکھایا ہے جس کا چلہ نہیں۔" یہ کنیز غزال کی طرح اٹھلاتی ہوئی آئی جس سے عبادت گزاروں کی توبہ ٹوٹ جائے اور آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سترہویں رات

جب چار سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہادبادشاہ! کنیز آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔ مامون نے اسے دیکھا تو حیرت میں آ گیا اور ابو عیسیٰ کے دل میں ایک تیر سا لگا۔ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اس کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ مامون نے کہا اے ابو عیسیٰ تیرا کیا حال ہوا؟ اس نے کہا اے امیر المومنین' مجھے کبھی کبھی دورہ پڑ جاتا ہے۔ خلیفہ نے پوچھا کیا تو اس لڑکی کو پہلے سے جانتا ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' ہاں۔ چاند کہیں چھپ سکتا ہے۔ مامون نے کنیز سے پوچھا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا کہ اے امیر المومنین' میرا نام قرۃ العین ہے۔ خلیفہ بولا اے قرۃ العین کچھ گا کر سنا۔ اس نے گانا شروع کیا۔ خلیفہ نے کہا شاباش! یہ اشعار کس کے ہیں؟ اس نے جواب دیا کہ دعبل خزاعی کے اور راگ چھوٹے زر زور کا ہے۔ ابو عیسیٰ نے اس کی طرف دیکھا اور آنسوؤں سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔ یہاں تک کہ تمام مجلس والے حیران ہو گئے۔ کنیز نے مامون کی طرف مخاطب ہو کر عرض کیا کہ اے امیر المومنین' اگر اجازت ہو تو کچھ اور سناؤں۔ مامون نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے گا۔ جب وہ گا چکی تو ابو عیسیٰ نے کہا کہ اے امیر المومنین -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھارہویں رات

جب چار سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب قرہ العین گا چکی تو ابن عیسیٰ نے کہا کہ اے امیر الومینین اوکھلی میں دیا سر تو موسلوں

کا کیا ڈر۔ اگر اجازت ہو تو میں بھی کچھ سناؤں۔ خلیفہ نے کہا ہاں جو تیرا جی چاہے سنا۔ ابو عیسیٰ نے آنسو ضبط کر کے گانا شروع کیا۔ اس کے بعد قرہ العین نے عود لے کر ایسے راگ بجائے کہ لوگوں کو وجد آ گیا۔ قرہ العین بجا چکی تو ابو عیسیٰ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ علی بن ہشام کو سارا ماجرا معلوم ہو گیا تو اس نے اٹھ کر ابو عیسیٰ کے قدم چومے اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' خدا نے تیری دعا قبول کر لی۔ تیری مناجات سن لی اور تجھے اجازت دے دی کہ تو اسے مع اس کی تمام قیمتی چیزوں کے' لے جائے بشرطیکہ امیر المومنین اسے لینا نہ چاہتا ہو۔ مامون نے کہا کہ اگر مجھے اس کی خواہش بھی ہوتی تو میں اپنی ذات پر ابو عیسیٰ کو ترجیح دیتا اور مقصد بر آری میں اس کی مدد کرتا۔ یہ کہہ کر مامون اٹھ کھڑا ہوا۔ طیار میں سوار ہو گیا اور ابو عیسیٰ کو پیچھے چھوڑ دیا تا کہ وہ قرہ العین کو لے کر آئے' چنانچہ ابو عیسیٰ کنیز کو لے کر خوش خوش اپنے گھر سدھارا۔ یہ تھی دریا دلی علی بن ہشام کی۔

○ امین اور اس کے چچا ابراہیم کی کہانی

ایک روز مامون کا بھائی امین اپنے چچا ابراہیم بن مہدی کے گھر گیا۔ دیکھا کہ ایک نہایت حسین کنیز عود بجا رہی ہے۔ امین کا دل اس پر آ گیا۔ ابراہیم کو اس بات کا علم ہوا تو اس نے کنیز کو مع اس کے نفیس پوشاکوں اور قیمتی جواہرات کے امین کے ہاں بھیج دیا۔ امین کو یہ گمان ہوا کہ اس کا چچا ابراہیم کنیز کے ساتھ ہم بستر ہو چکا ہے اور

اسے اپنے تصرف میں لانا پسند نہ کیا۔ وہ ہدیئے تو قبول کر لئے جو اس کے ساتھ آئے اور کنیز کو واپس کر دیا۔

ابراہیم کو بعض خادموں سے اس بات کا پتہ چل گیا۔ اس نے ایک کار چوبی قمیص پر یہ دو شعر لکھے: "خدا کی قسم! مجھے اس کے دامن کے نیچے بالکل خبر نہیں اور سوا بات چیت اور دیکھنے کے' میں نے اس کے ساتھ کوئی دست درازی نہیں کی۔" قمیص کنیز کو پہنائی اور اس کے ہاتھ میں عود دے کر دوبارہ امین کے پاس بھیجا۔ جب وہ اس کے سامنے حاضر ہوئی تو زمین کو بوسہ دیا اور عود کے تار ملا کر گانے بجانے لگی۔ بجا چکی تو امین کی نظر اس کی قمیص پر پڑی اس پر جو لکھا تھا پڑھا اور وہ اپنے آپ کو ضبط نہ کر سکا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو انیسویں رات

چار سو انیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب امین نے کنیز کی قمیص کے دامن پر وہ شعر لکھے ہوئے دیکھے تو اس سے ضبط نہ ہو سکا۔ اس نے قریب جا کر اس کے بوسے لئے۔ ایک محل سرا اس کے لئے مخصوص کر دی۔ اپنے چچا ابراہیم کا بہت شکر گزار ہوا اور رے کی ولایت اسے عطا کر دی۔

- متوکل علی اللہ اور فتح بن خاقان کی کہانی

ایک بار متوکل بیماری کی حالت میں دوا کا استعمال کر رہا تھا۔ لوگ اس کے پاس طرح طرح کے تحفے اور ہدیئے بھیجتے تھے۔ اسی سلسلے میں فتح بن خاقان نے اس کے لئے ایک باکرہ کنیز بھیجی جس کا سینہ ابھرا ہوا جو بے حد حسین تھی۔ اس کے ہمراہ کچھ بلور کے کوزے بھی بھیجے جن میں سرخ شراب تھی ار ایک سرخ جام جس پر سیاہی سے لکھا ہوا تھا: جب امام صحیح و سالم ہو جائے تو اس کے سوا اور کوئی علاج نہیں کہ اس جام سے شراب پیئے۔ اور اس مہر کو توڑے جو اسے نذر کی جاتی ہے کیونکہ دوا کے بعد اس سے بہتر اور کوئی چیز نہیں۔ جس وقت کنیز مع ان تمام چیزوں کے خلیفہ کے پاس پہنچی تو یوحنا طبیب اس کے پاس موجود تھا۔ جام پر لکھے ہوئے اشعار پڑھ کر ہنسنے لگا اور بولا اے امیر المومنین' خدا کی قسم طب کے فن میں فتح مجھ سے زیادہ ماہر ہے۔ خلیفہ کو اس نسخے سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ خلیفہ نے طبیب کی رائے مان کر اس دوا کا ویسا ہی استعمال کیا جیسا کے اشعار میں بیان کیا گیا تھا اور خدا نے اسے کامل شفا دی۔

- ایک واعظہ عورت کی کہانی

ایک فاضل کا بیان ہے کہ میں نے ایک بغدادی واعظہ عورت سیدہ المشائخ نامی سے زیادہ ذہین' حاضر جواب' عالم' طباع اور خلیق نہیں دیکھا وہ ۵۶۱ھ میں حماہ آئی ہوئی تھی۔ کرسی پر بیٹھ کر لوگوں میں نہایت عمدہ وعظ کہتی۔ بہت سے فقیہ' عالم اور ادیب اس کے گھر جا کر فقہی مسائل پر بحث مباحثہ کرتے۔ ایک بار میں اور میرا ایک دوست اس کے ہاں گئے۔ ہم وہاں جا کر بیٹھے تو اس نے ایک سینی پھلوں کی ہمارے سامنے رکھی اور خود جا کر پردے کے پیچھے بیٹھ گئی۔ کھا چکے تو فقہی مسئلوں پر بحث چھڑ گئی اور میں اس سے ایک مسئلے پر الجھ گیا جس میں آئمہ کے درمیان اختلاف تھا۔ اس نے جواب دینا شروع کیا اور میں کان لگا کر سننے لگا۔ اس کا بھائی جس کے حسن کی تعریف نہیں ہو سکتی ہماری خدمت کے لئے کھڑا تھا۔ میرے دوست کی توجہ بحث و مباحثے سے ہٹ کر اس لڑکے کی طرف لگ گئی۔ وہ ٹکٹکی باندھے ہوئے بغور اسے دیکھ رہا تھا۔ عورت نے بھی پردے کے پیچھے سے یہ سارا ماجرا دیکھ لیا۔ جب وہ اپنی بحث ختم کر چکی تو اس کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگی۔ میرے خیال میں تو مردوں کو عورتوں پر ترجیح دیتا ہے۔ اس نے کہا' ہاں۔ عورت نے پوچھا کیوں؟ اس نے جواب دیا اس لئے کہ خدا نے مرد کو عورت پر ترجیح دی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو بیسویں رات

جب چار سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شیخ نے کہا اس لئے کہ خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے۔ میں فاضل سے محبت کرتا ہوں نہ کہ مفضول سے۔ عورت بولی کیا تو مجھ سے اس مسئلے پر مباحثہ کرنا چاہتا ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ عورت نے پوچھا تیرے پاس اس کی کیا دلیل ہے کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے؟ اس نے جواب دیا دو طرح کی دلیلیں۔ منقول اور معقول۔ منقول قرآن اور سنت کی بنا پر۔ خدا فرماتا ہے کہ "الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضھم علی بعض....." اس کے علاوہ خدا کا ارشاد کہ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں سہی۔ میراث کے بارے میں حکم ہے کہ اگر بھائی اور بہنیں ہوں تو ایک بھائی کا حصہ دو بہنوں کے برابر۔ ان تمام موقعوں پر خدا نے مرد کو عورت پر فضیلت دی ہے اور کہا کہ عورت مرد سے آدھی ہے لہذا مرد عورت سے افضل ہے۔ اب سنت کو لیجئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کی دیت مرد سے آدھی قرار دی ہے اور معقول دلیل یہ ہے کہ مرد فاعل ہے اور عورت مفعول۔ عورت نے کہا اے میرے آقا خوب کہا! لیکن تو نے اپنی زبان سے اپنے خلاف ثبوت پیش کر دیا اور ایسے دلائل دیئے جو تیرے موافق نہیں بلکہ مخالف ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ خدا نے مرد کو محض مرد ہونے کی وجہ سے عورت پر فضیلت دی۔ اس میں میرے اور تیرے درمیان کوئی اختلاف نہیں مگر مرد ہونے میں بچہ' لڑکا' جوان' ادھیڑ اور بوڑھا سب برابر شامل ہیں اور اس لحاظ سے ان میں کوئی فرق نہیں۔ اب چونکہ فضیلت محض مرد ہونے کی وجہ سے ہے اس لئے تیری طبیعت بوڑھے کی طرف بھی ویسی ہی مائل ہونی چاہیے۔ جیسی کہ لڑکے کی طرف کیونکہ مرد ہونے کے لحاظ سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ جو اختلاف میرے اور

تیرے درمیان ہے وہ معاشرت اور مزہ اٹھانے کے لحاظ سے ہے اور اس بارے میں تو نے کوئی دلیل پیش نہ کی۔ جس سے لڑکے کی فضیلت عورت پر ثابت ہو۔ اس نے جواب دیا اے میری آقا' کیا تجھے معلوم نہیں کہ قد و قامت کا اعتدال' رخساروں کا گلابی ہونا' مسکراہٹ کی ملاحت اور شیریں کلامی لڑکے کے ساتھ مخصوص ہیں۔ اس لئے لڑکے اس اعتبار سے عورتوں سے بہتر ہیں۔ اس کا ثبوت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ لڑکوں کو دیر تک نہ دیکھا کرو کیونکہ ان کی نظر میں حوروں کی سی بات پائی جاتی ہے۔ علاوہ بریں لڑکے کی فضیلت لڑکی پر سب لوگ جانتے ہیں۔ شعرا نے اس کا ذکر اپنے کلام میں کیا ہے اور جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہے تو اسے لڑکے سے مشابہت دیتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- چار سو اکیس ویں رات

چار سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شیخ نے کہا جب کوئی لڑکی کی تعریف بیان کرتا ہے تو اسے لڑکے سے تشبیہ دیتا ہے لہٰذا اگر لڑکا افضل نہ ہوتا تو لڑکی کی تشبیہ اس سے نہ دی جاتی اور سن' خدا تیرا بھلا کرے! لڑکا آسانی سے قابو میں آ جاتا ہے اور اس سے جلد مطلب برآری ہوتی ہے' اس کی صحبت اور ناز و انداز بھلے معلوم ہوتے ہیں۔ وہ زیادہ انکار نہیں کرتا بالخصوص جبکہ اس کے رخساروں پر خط آنے لگتا ہے' مونچھوں کا سبزہ آغاز ہوتا ہے' جوانی کی سرخی اس کے گالوں پر پھرنے لگتی ہے اور وہ چودھویں رات کے چاند کی طرح ہو جاتا ہے۔

یہ ہیں خوبیاں لڑکوں کی جو عورتوں کو نہیں دی گئی ہیں اور یہ اس برتری کا کافی ثبوت ہیں جو لڑکوں کو لڑکیوں پر حاصل ہے۔ واعظ نے کہا کہ خدا تجھے معاف کرے! تو مباحثہ کرنے پر تلا ہوا ہے' تو نے بہت سی باتیں بیان کی ہیں اور اپنے دعوے کی دلیلیں بھی پیش کی ہیں لیکن سچائی ظاہر ہونے سے نہیں رہتی۔ اب تو اس سے نہ بھاگیو۔ اگر دلیلوں کو اجمال سے بیان کرنے پر تو قناعت نہ کرے گا تو میں تفصیل کے ساتھ بیان کروں گی۔ خدا کے لئے تو ہی بتا کہ لڑکے کا لڑکی سے کیا مقابلہ' کہاں کوڑا کرکٹ اور کہاں سورج! لڑکی شیریں کلام اور خوبصورت' قد و قامت والی' وہ گویا ریحان کی شاخ ہے' اس کے دانت بابونے کی طرح ہیں' بال باگ کی مانند' رخسار شقائق النعمان جیسے اور چہرہ سیب کی مثل' ہونٹ شراب کا جام' سینہ انار اور شانے شاخوں کی طرح' اس کا قد سڈول ہے جسم بٹا ہوا اور تیزی تلوار جیسی' ماتھا کشادہ' بھوئیں ملی ہوئیں اور آنکھیں کالی کالی' اگر وہ بات کرتی ہے تو اس کے منہ سے پھول جھڑتے ہیں' دل اس کی طرف کھنچ جاتے ہیں اور اگر وہ مسکراتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس کے

ہونٹوں کے بیچ میں سے چاند چمک رہا ہے' وہ گھورتی ہے تو اس کی آنکھوں سے تلواریں کھنچنے لگتی ہیں۔ اس پر خوبیوں کا خاتمہ ہے۔ مسافر اور مقیم سب اس پر مرتے ہیں۔

اس کے سرخ ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بائیس ویں رات

جب چار سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- واعظہ نے کہا کہ اس کے لال لال ہونٹ مکھن سے زیادہ نرم ہیں اور خالص شہد سے زیادہ میٹھے۔ پھر وہ کہنے لگی اس کا سینہ شاہراہ کی طرح ہے اور اس پر دونوں پستان جیسے ہاتھی دانت کی ڈبیا۔ پیٹ تازے پھولوں کی طرح چکنا چپڑا' اس کی شکنیں ایک دوسرے پر پڑی ہوئیں' ملی ہوئی رانیں جیسے موتی کے دو ستون! کولہے بلور کے سمندر یا نور کے پہاڑوں کی طرح مٹکتے ہوئے' دو ہلکے ہلکے پاؤں اور سونے کی ڈھلی ہوئی ڈلیوں جیسی ہتھلیاں۔ دیکھ اے مسکین' انسان اور جنات میں کتنا تفاوت ہے! تجھے معلوم نہیں کہ بڑے بڑے بادشاہ اور شرفا اور عورتوں کی خوشامد کرتے اور ان کا لطف اٹھاتے ہیں۔ عورتوں کا مقولہ ہے کہ مردوں کی گردنوں کی مالک ہم ہیں اور ہم عقل سلب کر لیتی ہیں۔ عورتوں ہی نے سینکڑوں امیروں کو غریب بنا دیا اور شریفوں کو رذیل کر دیا اور آقاؤں کو نوکر بنا دیا ہے۔ پڑھے لکھوں کو انہوں نے اپنے پھندے میں پھانس لیا' پارساؤں کو رسوا کر دیا' امیروں کو در در بھیک منگوائی اور سعید کو شقی کر دکھایا۔ باوجود ان تمام باتوں کے کوئی عقل مند نہیں جو ان سے روز بروز محبت نہ کرتا ہو' ان کا سکہ نہ مانتا ہو' ان کے آگے سر نہ جھکاتا ہو۔ کتنے بندے ایسے ہوں گے جنھوں نے عورتوں کے لئے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور ماں باپ سے منہ موڑ لیا۔ کیا وجہ؟ ان کی محبت جو دلوں پر چھا جاتی ہے۔ اے مسکین' تجھے معلوم نہیں کہ ان کے لئے محل بنائے جاتے ہیں اور ان کے آگے پردہ گرایا جاتا ہے۔ ان کے لئے کنیزیں مول لی جاتی ہیں اور انہی کے لئے آنسو بہائے جاتے ہیں۔ انہی کے لئے خالص مشک اور زیور اور عنبر خرید کیا جاتا ہے۔ انہی کے لئے فوجیں جمع کی جاتی ہیں۔ جس شخص نے یہ کہا ہے کہ دنیا سے مراد عورتیں ہیں سچ کہا ہے۔

اب رہیں وہ حدیثیں جو تو نے بیان کی ہیں وہ تیرے خلاف ثبوت دیتی ہیں نہ کہ تیرے موافق۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول میں کہ لڑکوں کی طرف دیر تک نہ دیکھو الخ۔ لڑکوں کو حوروں سے تشبیہہ دی گئی ہے اور ظاہر ہے کہ جس چیز سے کسی کی تشبیہہ دی جائے' وہ چیزیں اس سے بہتر ہوتی ہے۔ اگر عورتیں' افضل اور بہتر نہ ہوتیں تو ان کے ساتھ دوسروں کو تشبیہہ نہ دی جاتی۔ تیرا یہ کہنا کہ لڑکی کی تشبیہہ لڑکے سے دی جاتی ہے' درست نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ لڑکے کی تشبیہہ لڑکی سے دی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فلاں لڑکا ایسا ہے جیسے لڑکی' کمین' فاسق و فاجر جن کی خدا نے مذمت کی ہے لڑکی کو لڑکے سے تشبیہ دیتے ہیں۔ ایسیے لعینوں' گنہگاروں' نفس اور شیطان کی پیروی کرنے والوں کا کیا اعتبار' وہ حق سے دور جا پڑے ہیں اور جو تو نے رخسار کے خط کی خوبی اور مونچھوں کا سبزہ آغاز ہونا بیان کیا ہے کہ اس سے لڑکا زیادہ حسین و جمیل ہو جاتا ہے' غلط ہے اور سچائی سے دور۔ اس سے تو خوبصورتی بد صورتی میں بدل جاتی ہے۔ بعد ازاں واعظہ نے اس شخص سے کہا کہ سبحان اللہ العظیم.....

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تیئیس ویں رات

جب چار سو تیئیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- واعظہ نے اس شخص سے کہا سبحان اللہ العظیم.... یہ تجھے معلوم نہیں کہ انتہائی درجے کی لذت عورت میں ہے اور بغیر ان کے دیر پا لطف کسی اور چیز میں نہیں آتا۔ اسی وجہ سے خدا نے انبیاء اور اولیا کے لئے جنت میں حوروں کا وعدہ کیا ہے اور نیک کاموں کے بدلے انہیں دیا ہے۔ اگر خدا جانتا کہ ان کے علاوہ اور کسی میں لطف اٹھایا جا سکتا ہے تو وہ ان کے لئے اس کا وعدہ کرتا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت مجھے دی گئی۔ عورتوں کی' خوشبو کی اور نماز کی جو میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے۔ لڑکوں کے سپرد تو جنت میں نبیوں اور ولیوں کی خدمت ہے کیونکہ وہ نعمتوں اور مزوں کا گھر ہے جو بغیر لڑکوں کی خدمت کے پوری نہیں ہو سکتیں۔ لیکن خدمت کے علاوہ ان سے کوئی کام لینا زہر ہے اور وبال۔

پھر وہ کہنے لگی اے لوگو' تم نے مجھے حیا اور شرافت کے دائرے سے نکال کر ایسی لغو اور فحش باتوں میں پھنسا دیا جو علما کی شان سے گری ہوئی ہیں لیکن مثل ہے کہ شریفوں کے سینے رازوں کی قبریں ہوتی ہیں اول تو مجلس کی باتیں بطور امانت کے سمجھنی چاہئیں' دوسرے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔ میں خدا سے اپنے اور تمہارے باقی تمام مسلمانوں کے لئے مغفرت کی دعا کرتی ہوں' وہ بڑا غفور اور رحیم ہے۔ یہ کہہ کر وہ چپ ہو گئی۔ اس کے بعد ہماری کسی بات کا جواب نہیں دیا اور ہم وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اس کے مناظرے سے جو ہمیں فائدہ پہنچا اس سے ہم خوش تھے اور اس کی جدائی پر ہمیں افسوس ہوا۔

○ ابو سوید اور بڑھیا کی کہانی

ابو سوید کا بیان ہے کہ ایک دن میں اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کچھ پھل خریدنے ایک باغ میں گیا۔ دیکھا کہ باغ کے اندر ایک بڑھیا بیٹھی ہوئی ہے جس کا چہرہ نہایت خوبصورت ہے مگر بال سفید ہیں اور وہ ہاتھی دانت کی کنگھی سے کنگھی کر رہی ہے۔ ہم جا کر اس کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اس نے خیال بھی نہ کیا کہ کون آیا نہ اپنا سر ڈھانکا۔ میں نے کہا کہ اے بڑھیا' اگر تو اپنے بال کالے رنگ لیتی تو نوجوان لڑکی سے زیاہ خوبصورت ہوتی۔ ایسا تو کیوں نہیں کرتی؟ اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چوبیسویں رات

جب چار سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابو سوید کہتا ہے جب میں نے بڑھیا سے یہ کہا تو اس نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور آنکھیں پھاڑ کر یہ اشعار پڑھے: "جب تک زمانہ رنگ لگاتا رہا میں بھی رنگ لگاتی رہی لیکن زمانے کا رنگ برقرار رہا اور میرا رنگ اتر گیا۔" میں نے کہا کہ اے بڑھیا' کیا خوب کہا!

○ علی بن محمد کے کنیز خریدنے کی کہانی

علی بن محمد بن عبد اللہ بن طاہر نے ایک کنیز خریدنے کے لئے بلوائی۔ یہ کنیز فاضلہ' ادیبہ اور شاعرہ تھی۔ علی نے پوچھا کہ تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا' خدا امیر کو عزت بخشے! میرا نام مونس ہے۔ علی کو اس کا نام پہلے سے معلوم تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے علی نے سر جھکا لیا اور پھر سر اٹھا کر یہ شعر پڑھا "اس شخص کے بارے میں تیری کیا رائے ہے جو تیری محبت کی بیماری میں اس قدر گرفتار ہے کہ ششدر ہو گیا ہے؟" کنیز نے کہا خدا امیر کی عزت قائم رکھے! اور یہ شعر پڑھا "جب ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی عاشق عشق کے مرض میں مبتلا ہے تو ہم اس کی دل دہی کرتے ہیں۔" یہ سن کر وہ خوش ہو گیا' اسے ستر ہزار درہم میں خرید لیا اور اس سے عبید اللہ بن محمد پیدا ہوا جس کے بڑے کارنامے ہیں۔

○ علی مصری اور بغداد کے سلطان کی کہانی

قاہرہ میں ایک تاجر رہتا تھا۔ اس کے پاس بے شمار مال و دولت' نقدی' جواہرات' معدنیات اور املاک تھیں۔ اس کا نام حسن جوہری بغدادی تھا۔ خدا نے اسے ایک بیٹا دیا تھا جس کا چہرہ خوبصورت' قد سڈول' رخسار گلابی تھے اور نہایت حسین و جمیل تھا۔ اس نے اس کا نام علی مصری رکھا تھا' اسے قرآن' علوم' فصاحت اور ادب کی اتنی تعلیم دی تھی

کہ وہ ان میں ماہر ہو گیا تھا اور باپ کی نگرانی میں تجارت کرتا تھا۔ جب باپ بیمار پڑا' اس کا حال خراب ہونے لگا اور اسے موت کا یقین آ گیا تو اس نے بیٹے کو بلایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھبیسویں رات

چار سو چھبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب بغدادی جوہری تاجر بیمار پڑا اور اسے موت کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنے بیٹے علی مصری کو بلوایا اور اس سے کہنے لگا' بیٹا دنیا فانی ہے اور آخرت باقی' سب کو ایک نہ ایک روز مرنا ہے۔ بیٹا اب میری موت قریب ہے' میں چاہتا ہوں کہ تجھے وصیت کروں۔ اگر تو نے اس پر عمل کیا تو خدا سے ملنے تک تو نیک بخت اور امن و امان سے رہے گا' اگر تو نے اس پر عمل نہ کیا تو تجھے بڑی مشکلوں کا سامنا ہو گا اور تو میری نصیحت نہ ماننے پر پشیمان ہو گا۔ بیٹے نے کہا' ابا جان یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ میں تیری نصیحت نہ سنوں اور نہ مانوں کیونکہ تیری فرمانبرداری میرے اوپر فرض ہے اور تیری نصیحت پر عمل کرنا واجب۔

باپ نے کہا کہ بیٹا' میں نے تیرے لئے اتنی املاک' محل اور مال و دولت مہیا کی ہے جس کا حد و حساب نہیں حتیٰ کہ اگر تو ہر روز پانچ سو دینار بھی خرچ کرے تو کچھ کمی نہ ہو گی لیکن بیٹا' خدا سے ڈرتا رہیو اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کو نہ چھوڑیو' ان کے اوامر اور نواہی پر عمل درآمد کیجیو' ہمیشہ نیکی کیجیو اور لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک رکھیو' نیکوں' پارساؤں اور عالموں کے ساتھ اٹھنا بیٹھا رکھیو' فقیروں اور مسکینوں کی خبر گیری کیجیو' بخل اور کنجوسی سے بچیو' شریر اور مشکوک لوگوں کے پاس نہ پھٹکیوں' نوکروں چاکروں اور اہل و عیال کے ساتھ نرمی سے پیش آئیو اور ایسا ہی سلوک اپنی بیوی سے رکھیو کیونکہ وہ بڑے خاندان کی لڑکی ہے اور تجھ سے حاملہ ہے یقین ہے کہ خدا تجھے اس سے نیک اولاد دے گا۔

وہ اسی قسم کی وصیت کرتا' روتا جاتا اور کہتا تھا کہ بیٹا' میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ وہ تجھے ہر تکلیف سے بچائے اور آرام سے رکھے۔ یہ سن کر بیٹا زار زار رونے لگا

اور کہا، ابا جان، مجھے ان باتوں سے سخت تکلیف ہوتی ہے تو تو مرنے والے کی سی باتیں کرتا ہے۔ اس نے کہا بیٹا درست ہے، میں اپنے حال سے بخوبی واقف ہوں اس لئے میری وصیت کو نہ بھولیو۔ یہ کہہ کر وہ شہادت کا کلمہ اور قرآن کی آیتیں پڑھنے لگا اور جب مرنے کا وقت آ پہنچا تو اس نے اپنے بیٹے سے کہا، بیٹا قریب آ۔ جب وہ قریب آیا تو باپ نے اسے بوسے دیئے اس کے آنسو جاری ہو گئے اور روح بدن سے پرواز کر گئی، خدا اس پر رحم کرے! بیٹا نہایت غمزدہ ہوا، گھر مں رونا پیٹنا مچ گیا اور باپ کے دوست آ پہنچے۔ اب اس نے باپ کی تجہیز و تکفین شروع کی، بہت مال لٹایا اور نماز پڑھے کے لئے جنازہ باہر لے گئے۔ نماز پڑھ کر جنازے کو قبرستان لے گئے اور اسے دفن کر کے قبر پر قرآن خوانی کی اور گھر لوٹ آئے۔ بیٹے سے تعزیت کرنے کے بعد لوگوں نے اپنی اپنی راہ لی۔

بیٹے نے فاتحہ اور ختم کی رسم ادا کی۔ یہ رسمیں چالیس دن تک ہوتی رہیں۔ اس اثناء میں وہ مسجد میں جانے اور ہر جمعہ کو باپ کی قبر کی زیارت کرنے کے سوا گھر سے باہر نہ نکلتا۔ اس کے بعد ایک زمانے تک نماز اور قرآن خوانی اور عبادت میں لگا رہا یہاں تک کہ ایک روز اس کے تاجر دوست آ پہنچے اور اسے سلام کر کے کہنے لگے کہ اس سوگ میں تو کب تک پڑا رہے گا اور اپنا کاروبار، تجارت اور دوستوں سے ملنا جلنا کہاں تک بند رکھے گا۔ ایسا کرنے سے تجھے بہت تکلیف پہنچے گی اور تیری تندرستی بہت خراب ہو جائے گی۔ جب یہ سوداگر زادے اس کے پاس آئے تو معلون ابلیس ان سے کانا پھوسی کرتا جاتا کہ وہ اسے بازار جانے کی ترغیب دیں اور دنیا کا سبز باغ دکھائیں۔ دوسری طرف وہی ابلیس اس سے بھی کہتا تھا کہ ان کا کہنا مان لے اور گھر سے نکل کر ان کے ساتھ جا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھبیس ویں رات

چار سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب تاجر زادے حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آئے تو انھوں نے اسے بازار جانے کا شوق دلایا۔ وہ خدا کے ارادے کے مطابق تیار ہو گیا اور ان کے ساتھ گھر سے نکلا۔ انھوں نے کہا کہ اپنے خچر پر سوار ہو کر ہمارے ساتھ فلاں باغ میں چل تا کہ ہم سب مل کر وہاں سیر کریں اور تیرا غم غلط ہو۔ وہ خچر پر سوار ہو کر اور ایک غلام کو ساتھ لے کر یاروں کے جھمگٹ میں اس باغ کی طرف روانہ ہو گیا جہاں وہ جانا چاہتے تھے۔ باغ میں پہنچا تو ان میں سے ایک ناشتہ تیار کر کے باغ میں لے آیا۔ سب نے مل کر کھایااور ہنسی مذاق ہونے لگا' شام تک بیٹھے باتیں چیتیں کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ سب سوار ہو کر وہاں سے پلٹے اور اپنے گھر جا کر سو رہے۔

دوسری صبح ہوئی تو وہ پھر اس کے پاس جا پہنچے اور کہنے لگے کہ چل۔ اس نے کہا کہاں؟ انھوں نے جواب دیا کہ فلاں باغ میں۔ وہ کل والے باغ سے بھی زیادہ خوبصورت اور صاف ستھرا ہے۔ علی مصری سوار ہو کر ان کے ساتھ اس باغ میں پہنچ گیا۔ باغ میں پہنچ کر ان میں سے ایک ناشتہ لایا۔ اب کے ناشتے کے ساتھ شراب بھی تھی۔ کھانے سے فارغ ہوئے تو انھوں نے شراب پیش کر کے کہا کہ اس سے غم غلط ہوتا ہے' خوشی حاصل ہوتی ہے اور اس کی اتنی تعریف کی کہ علی مصری کو ماننا پڑا اور ان کے ساتھ شراب پینے لگا اور شام تک پینے پلانے کا شغل رہا۔

اس کے بعد اور سب تو اپنے اپنے گھر چلتے بنے مگر علی مصری سے نہ اٹھا گیا۔ اس کو اتنے چکر آ رہے تھے کہ بہ مشکل وہ اپنے خچر پر سوار ہو سکا۔ لشم پشم گھر پہنچا تو بیوی نے اس حالت میں دیکھ کر پوچھا کہ آج تیرا رنگ بدلا ہوا کیوں ہے؟ اس نے

جواب دیا کہ ہم سب تفریح کر رہے تھے کہ ایک دوست شراب لے آیا۔ سب کے ساتھ میں نے بھی پی' اسی سے مجھے یہ چکر آ رہے ہیں۔ اس کی بیوی نے کہا کہ اے میرے آقا' کیا تو اپنے باپ کی وصیت کو بھول گیا اور انھی مشکوک لوگوں کی صحبت اختیار کر لی جن سے اس نے منع کیا تھا؟ علی مصری کہنے لگا کہ وہ سوداگر زادے ہیں۔ ایسے ویسے مشکوک آدمی نہیں' نہایت شریف بڑے خوش مزاج۔

الغرض وہ اسی طرح ہر روز ان کے ساتھ جاتا۔ آج کہیں تو کل کہیں اور سب مل کر خوب کھاتے پیتے یہاں تک کہ ایک روز انھوں نے اس سے کہا' اب ہماری باریاں ختم ہو گئیں اور تیری باری ہے۔ علی مصری بولا سر آنکھوں پر اگلے دن اس نے ان سے کئی گنا کھانے پینے کا سامان مہیا کیا اور باورچیوں' فراشوں اور قہوہ بنانے والوں کو ساتھ لے کر وہاں گیا جہاں باغ اور میدان تھے اور پورے ایک مہینے تک کھانے پینے' گانا سننے اور مزے اڑانے میں مشغول رہا۔ جب مہینہ ختم ہوا تو اس نے دیکھا کہ جو کچھ وہ لایا تھا' سب ختم ہو چکا۔

ملعون شیطان نے اس کے کان میں کہا کہ جتنا تو خرچ کر چکا ہے اگر اتنا ہر روز بھی خرچ کرے تو بھی تیری دولت کم نہیں ہو گی اس نے بے دھڑک خرچ کرنا شروع کر دیا۔ تین سال تک برابر خرچ کرتا رہا۔ اس کی بیوی نصیحت کرتی اور باپ کی وصیت یاد دلاتی لیکن وہ اس کی بات نہ سنتا' حتیٰ کہ جس قدر نقد تھا سب خرچ ہو گیا اور اب وہ جواہرات بیچ بیچ کر صرف کرنے لگا۔ آخر جواہرات بھی ختم ہو گئے۔ اس کے بعد مکانات اور جاگیروں کا نمبر آیا' ان کا بھی خاتمہ ہو گیا' پھر باغات اور زمینیں بیچ ڈالیں۔ رفتہ رفتہ جب کل املاک بک گئیں' اس کے مکان کے سوا کچھ باقی نہ رہا جس میں وہ رہتا تھا تو وہ اس کا مرمر اور اینٹیں نکال نکال کر بیچنے لگا۔ گھر کو کھنڈر کرنے کے بعد پھر خرچ کی ضرورت ہوئی تو اس کھنڈر کے بھی کوڑے کر ڈالے۔

چند روز نہ گزرے تھے کہ وہ شخص آیا جس نے اس کا گھر خریدا تھا اور کہنے لگا کہ

اب تو کہیں اور جا کر رہ' مجھے اپنے گھر کی ضرورت ہے۔ علی مصری کے ہاں اسی اثنا میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی دو بچے پیدا ہو چکے تھے لیکن بیوی اور ان بچوں کے سوا اس کے پاس اور کیا تھا جس کے لئے محل یا کسی بڑی حویلی کی ضروت ہوتی۔ نہ لونڈیاں نہ باندیاں تھیں نہ مال و اسباب۔ اس لئے اس نے ایک حاطے میں ایک کوٹھڑی کرائے پر لے لی۔ عیش عشرت کی زندگی گزارنے اور نوکروں چاکروں اور مال و دولت کی افراط کے بعد اس کوٹھڑی میں اٹھ آیا۔ اس دن اس کی حالت یہ تھی کہ ایک وقت کا کھانا پینا بھی اس کے پاس نہ تھا۔ بیوی نے کہا میں تجھے اس دن سے ڈراتی اور تجھے باپ کی وصیت یاد دلاتی تھی لیکن تو نے ذرا نہ سنا۔ "لا حول ولا قوہ الا باللہ العلی العظیم۔" اب چھوٹے چھوٹے بچے کہاں سے کھائیں گے؟ اٹھ اپنے دوستوں کے پاس جا جو سوداگر زادے ہیں' ممکن ہے کہ وہ تجھے کچھ دیں جس سے آج کا کھانا پینا چلے۔ وہ اٹھا اور ایک ایک دوست کے پاس گیا جس کے پاس پہنچتا' وہی چھپ جاتا' جو ملتا بھی تو کھری کھری سناتا اور کچھ نہ دیتا۔ آخر دھکے کھا کر الٹا آ گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ انھوں نے مجھے کچھ نہیں دیا۔ بیوی پڑوسیوں کے پاس گئی کہ ان سے کچھ مانگے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو ستائیس ویں رات

چار سو ستائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب علی مصری کی بیوی پڑوس میں گئی کہ ان سے اس روز کے کھانے کے لئے کچھ مانگ کر لائے تو وہ ایک عورت کے پاس پہنچی جسے وہ پہلے سے جانتی تھی۔ اس عورت نے اس کی یہ حالت دیکھی تو اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور روتے ہوئے پوچھا تم لوگوں پر کیا مصیبت گزری؟ علی کی بیوی نے اسے اپنے شوہر کا سارا قصہ سنایا تو وہ کہنے لگی۔ مرحبا اہلاً و سہلاً جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے بلا معاوضے کے لے۔ اس نے کہا خدا تجھے نیک بدلہ دے! عورت نے اسے اتنا سامان دیا جو دونوں میاں بیوی اور ان کے بچوں کو پورے ایک مہینے کے لئے کافی تھا اور وہ اسے لے کر گھر آئی۔ اس کے شوہر نے یہ سامان دیکھا تو وہ رونے لگا اور کہا کہ یہ چیزیں تجھے کہاں سے ملیں؟ بیوی بولی کہ فلاں عورت نے دی ہیں۔ میں نے اس سے اپنی حالت بیان کی تو اس نے ہر طرح سے میری خدمت کی اور کہا کہ جس چیز کی تجھے ضرورت ہو مجھ سے مانگ لیا کر۔ اس کے شوہر نے کہا کہ اب چونکہ تیرے پاس یہ تمام چیزیں آ گئی ہیں' مجھے اجازت دے کہ کسی اور جگہ چلا جاؤں۔ ممکن ہے کہ خدا ہماری روزی کھول دے۔ اس کے بعد اس نے بچوں کو بوسہ دیا اور چل کھڑا ہوا۔ کوئی منزل مقصود سامنے نہ تھی۔ مگر چلا جاتا تھا چلتے چلتے بولاق پہنچ گیا۔ دیکھا کہ ایک جہاز دمیاط جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ اتنے میں اس پر ایک شخص کی نظر پڑی جو اس کے باپ کا دوست تھا' اس نے سلام علیک کر کے پوچھا کہ کہاں جاتا ہے؟ علی نے جواب دیا دمیاط جانے کا قصد ہے' وہاں اپنے دوستوں سے مل کر ان کی خیریت دریافت کروں گا اور لوٹ آؤں گا۔ وہ شخص اسے اپنے گھر لے گیا' خاطر تواضع کی۔ اس کے لئے راہ کا کھانا پینا تیار کیا اور چند دینار

دے کر اسے اس جہاز میں بٹھا دیا جو دمیاط جا رہا تھا۔

جہاز دمیاط پہنچا تو لوگ اترنے لگے۔ علی بھی جہاز سے اترا مگر اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ دو قدم چلتا اور ٹھٹک جاتا۔ ایک سوداگر نے اس کی بد حالی تاڑ لی اور ترس کھا کر اسے اپنے ساتھ لے گیا۔ علی ایک مدت تک وہاں رہنے کے بعد کہنے لگا آخر کب تک میں گھر میں بیٹھا رہوں گا اور سوداگر کے گھر سے چلنے کی ٹھان لی۔ معلوم ہوا کہ ایک جہاز دمشق جا رہا ہے' اس میں سفر کا ارادہ کیا' میزبان نے اس کے لئے توشہ تیار کرایا اور جہاز میں سوار کر دیا۔ چلتے چلتے دمشق جا پہنچا۔ وہاں وہ گلی کوچوں میں پھر ہی رہا تھا کہ ایک بھلے مانس سے مڈ بھیڑ ہو گئی۔ وہ اسے اپنے گھر لے گیا۔ وہاں کچھ دن بسر کرنے کے بعد ایک روز اس نے دیکھا کہ ایک قافلہ بغداد جا رہا ہے اور اس نے ان کے ساتھ بغداد جانے کا قصد کیا۔ اپنے میزبان سوداگر کے پاس آیا اور اس سے مشورہ کر کے قافلے کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ خدا نے ایک شخص کے دل میں اس کی طرف سے رحم ڈال دیا اور اس نے اسے اپنے ساتھ لے کر اسے کھانے پینے کو دیا یہاں تک کہ بغداد تک ایک دن کی مسافت رہ گئی۔ اب ان پر ڈاکوؤں کی ایک جماعت نے چھاپہ مارا اور سارا مال لوٹ لیا۔ قافلے والے بہت تھوڑے زندہ بچے۔ وہ بھی اپنی اپنی جانیں لے کر بھاگے اور چھپ گئے۔ علی مصری سیدھا بغداد کی طرف روانہ ہوا اور سورج غروب ہوتے ہی وہاں پہنچا۔ دیکھا کہ دربان دروازے بند کر رہے ہیں۔ ان سے کہنے لگا کہ مجھے اندر آ جانے دو۔ انہوں نے اسے اندر لے لیا اور پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جائے گا؟ اس نے جواب دیا میں قاہرہ سے آ رہا ہوں۔ میرے ساتھ سوداگری کا مال' خچر' غلام اور نوکر چاکر تھے' میں ان سے پہلے روانہ ہو گیا تھا تا کہ اپنا مال اتارنے کے لئے جگہ ڈھونڈو۔ میں اپنے خچر پر سوار ہو کر آگے بڑھا ہی تھا کہ ڈاکوؤں نے مجھے آ کر گھیرا' میرا خچر اور تمام سامان لوٹ لیا۔ خود میں مرتے مرتے بچا۔ یہ سن کر لوگوں نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ خوش آمدی! آج ہمارے پاس ٹھہر جا۔ صبح کے وقت ہم تیرے لئے کوئی

مناسب جگہ تلاش کر دیں گے۔ علی نے اپنی جیب ٹٹولی تو اسے ایک دینار ملا جو ان دیناروں میں سے بچ رہا تھا جو اسے بولاق والے سوداگر نے دیئے تھے۔ یہ دینار اس نے ایک دربان کو دے کر کہا کہ اسے تڑا کر کھانا لے آ۔ دربان اس دینار کو لے کر بازار گیا اور اسے تڑا کر روٹی اور سالن لایا۔ سب نے کھایا اور وہ سو گیا۔

صبح ہوئی تو ایک دربان اسے لے کر بغداد کے ایک تاجر کے پاس گیا اور اس کا ماجرا بیان کیا۔ تاجر سچ سمجھا اور اسے یقین آ گیا کہ وہ تاجر ہو گا اور سوداگری کا مال لے کر آیا ہو گا۔ اس لئے وہ اسے اپنی دکان میں لے گیا اور بڑی خاطر مدارت سے پیش آیا۔ آدمی کو گھر بھیج کر اس کے لئے اپنے کپڑوں میں سے ایک عمدہ پوشاک منگوائی اور اسے حمام میں لے گیا۔

تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کا بیان ہے میں اس کے ساتھ حمام گیا' وہاں سے نکلا تو وہ مجھے اپنے گھر لے گیا۔ ناشتہ پیش کیا۔ ہم نے کھایا اور خوب لطف اٹھایا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک غلام سے کہا اے مسعود' اپنے آقا کو لے جا کر وہ دونوں گھر دکھا جو فلاں جگہ ہیں۔ ان میں سے اسے جو پسند ہو اس کی کنجی اسے دے کر واپس آ جا۔ غلام مجھے لے کر ایک گلی میں پہنچا جہاں تین نئے مکان برابر برابر تھے' تینوں میں قفل پڑے ہوئے۔ اس نے پہلا مکان کھولا۔ میں نے اسے اندر سے دیکھا۔ وہاں سے نکل کر دوسرے مکان کی طرف چلے۔ اسے بھی اس نے کھولا اور میں نے اسے بھی اندر سے دیکھا۔ غلام نے پوچھا دونوں میں سے کس مکان کی کنجی میں تجھے دوں؟ میں نے کہا یہ بڑا مکان کس کا ہے؟ اس نے کہا کہ یہ بھی ہمارا ہی ہے۔ میں نے کہا کہ اسے بھی کھول' میں اسے بھی دیکھنا چاہتا ہوں۔ غلام بولا۔ اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں۔ میں نے کہا کیوں؟ اس نے جواب دیا کہ اس میں بھوت رہتے ہیں اور کوئی اس میں جا کر رہتا ہے' صبح کو مردہ پایا جاتا ہے اور ہم لاش دروازے سے نہیں نکالتے بلکہ دونوں مکانوں میں سے ایک کی چھت پر چڑھ کر ادھر سے لے جاتے ہیں۔ اسی لئے میرے آقا نے اسے چھوڑ رکھا ہے اور کسی کو رہنے کے لئے نہیں

دیتا۔ میں نے کہا کھول تو سہی' میں بھی اسے دیکھو اور اپنے دل میں سوچا کہ یہی تو میرا مقصد ہے کہ آج رات بھر میں اس میں رہوں' صبح کو مرا ہوا پایا جاؤں اور سارے جھنجھٹ سے چھٹکارا ملے۔ بالاخر اس نے وہ مکان کھولا میں نے اندر جا کر دیکھا کہ وہ بڑا بے نظیر مکان ہے۔ غلام سے کہا کہ میں اسی مکان کو لینا چاہتا ہوں' اس کی چابی مجھے دے دے۔ غلام بولا جب تک میں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھ چابی نہیں دے سکتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھائیس ویں رات

جب چار سو اٹھائیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- غلام بولا جب تک میں اپنے آقا سے پوچھ نہ لوں تجھے چابی نہیں دے سکتا۔ غلام نے اپنا آقا کے پاس جا کر کہا کہ مصری تاجر اس بڑے مکان کے سوا اور کسی میں نہیں رہنا چاہتا۔ یہ سن کر تاجر خود علی مصری کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اے میرے آقا' تو اس گھر میں رہنے کی جرات نہ کر۔ علی مصری نے جواب دیا' اگر میں رہوں گا تو اسی مکان میں' میں ایسی وہمی باتوں کی پرواہ نہیں کرتا۔ اس نے کہا اچھا تو مجھے لکھ کر دے کہ اگر تجھے کوئی نقصان پہنچے تو میں ذمہ دار نہیں۔ علی نے کہا یہ مانا۔ اب اس نے قاضی کے محکمے سے ایک گواہ بلوایا۔ تحریر لکھوا کر اپنے پاس رکھ لی اور اسے کنجی دے دی۔ علی مصری کنجی لے کر مکان میں داخل ہو گیا۔ تاجر نے ایک غلام کے ہاتھ فرش بھجوایا اور غلام اسے دروازے کے پیچھے چوکی پر بچھا کر لوٹ آیا۔ اس کے بعد علی مصری نے اندر جا کر دیکھا کہ مکان کے صحن میں ایک کنواں ہے اور اس پر ڈول رکھا ہوا ہے۔ اس نے ڈول کنوئیں کے اندر ڈالا' پانی بھر کر وضو کیا' نماز پڑھی اور بیٹھ گیا۔ اتنے میں وہی غلام آقا کے گھر سے شام کا کھانا لے کر آیا' ایک موم بتی' شمع دان' تشت' لوٹا اور صراحی لایا اور سب چیزوں کو رکھ کر فوراً چل دیا۔

علی نے فوراً موم بتی جلائی' شام کا کھانا کھایا' خوش ہوا' عشا کی نماز پڑھی اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ بچھونا لے کر اوپر چلیں اور وہیں سوئیں' یہاں نیچے سونے سے تو اوپر سونا بہتر ہو گا چنانچہ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ بچھونا اٹھا کر اوپر پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں ایک بڑا کمرہ ہے جس کی چھت پر سنہرا کام ہے۔ فرش اور دیواریں رنگ برنگ کے مرمر کی ہیں۔اس نے وہاں بستر بچھا دیا اور بیٹھ کر قرآن پاک پڑھنے لگا۔

بیٹھا ہی تھا کہ کسی شخص نے آواز دی' اے علی' اے ابن حسن' کیا میں سونا برساؤں؟

علی نے جواب دیا کہ سونا ہے کہاں کہ تو برسائے گا؟ ابھی وہ یہ فقرہ ختم کرنے بھی نہ پایا تھا کہ مینہ کی طرح سونا برسنے لگا اور اتنا سونا برسا کہ کمرہ بھر گیا۔ جب سونا برس چکا تو اس آواز دینے والے نے کہا۔ اب مجھے آزاد کر دے تا کہ میں اپنی راہ لوں کیونکہ میں اپنی خدمت ادا کر چکا اور تیری امانت تجھے پہنچا دی۔

علی مصری نے کہا کہ میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اس سونے کی وجہ بتا۔ اس نے کہا کہ یہ سونا مدت سے تیرے لئے جمع کیا تھا اور جو کوئی اس مکان میں آتا۔ ہم اس سے کہتے اے علی' اے ابن حسن' کیا ہم سونا برسائیں؟ وہ ہماری باتیں سن کر چیخیں مارتا۔ ہم اتر کر اس کی گردن مروڑ دیتے اور چلے جاتے۔ آج جبکہ تو آیا اور ہم نے تیرا اور تیرے باپ کا نام لے کر پکارا اور کہا کہ کیا ہم سونا برسائیں؟ اور تو نے جواب دیا سونا کہاں ہے؟ تو ہم سمجھ گئے کہ تو اس کا مالک ہے۔ ہم نے سونا برسا دیا۔ اس کے علاوہ یمن کے ملک میں ایک خزانہ تیرے لئے اور باقی ہے۔ بہتر ہے کہ میں جا کر اسے بھی تیرے پاس یہیں لے آؤں اور پھر تجھ سے درخواست کروں کہ مجھے آزاد کر کے جانے دے۔

علی نے جواب دیا واللہ میں تجھے اس وقت سے پہلے آزاد نہیں کروں گا جب تک تو یمن کا خزانہ نہ لے آئے۔ جن نے کہا جب میں اسے لے آؤں تو کیا تو مجھے اور اس خزانے کے موکل کو آزاد کر دے گا؟ علی بولا ہاں۔ جن نے کہا کہ اچھا قسم کھا اور اس نے قسم کھا لی۔ جن جانے ہی والا تھا کہ علی مصری نے کہا کہ میری تجھ سے ایک اور حاجت ہے۔ اس نے پوچھا وہ کیا؟ علی نے جواب دیا کہ قاہرہ میں فلاں جگہ میرے بیوی بچے ہیں' انہیں جا کر بغیر تکلیف دیئے میرے پاس لے آ۔ جن نے کہا کہ انشاء اللہ میں انہیں اس خزانے کے ساتھ' جو یمن میں ہے' اڑن کھٹولے پر بٹھا کر جلوس اور نوکر چاکروں کے ساتھ لیتا آؤں گا۔ جن نے اسے تین دن کی مہلت دی اور سارا مال و متاع اس کے پاس چھوڑ کر چل دیا۔

جن کے جانے کے بعد علی کمرے میں ایسی جگہ تلاش کرنے لگا جہاں وہ سونے کو چھپا

کر رکھے۔ اسے کمرے کے صدر کی طرف ایک مرمر کی اینٹ دکھائی دی جس میں ایک نلی لگی ہوئی تھی۔ نلی کو کھینچنے سے اینٹ ہٹ گئی اور وہاں ایک دروازہ دکھائی دیا۔ وہ دروازہ کھول کر اندر گیا تو دیکھا کہ وہ بہت بڑا گودام ہے اور اس کے چاروں طرف کپڑے کی تھیلیاں پڑی ہوئی ہیں۔ وہ تھیلیوں کو لے کر ان میں سونا بھرتا اور گودام میں رکھتا جاتا۔ اس طرح سے اس نے سارا سونا لے کر گودام میں رکھ دیا اور قفل لگا کر نلی کو کھینچا۔ اینٹ اپنی جگہ پر آ گئی پھر وہ نیچے اتر کر آیا اور اسی چوکی پر بیٹھ گیا جو دروازے سے لگی ہوئی تھی۔ اتنے میں کسی نے دروازے پر دستک دی۔ اٹھ کر دروازہ کھولا تو دیکھا کہ مکان والے کا غلام تھا۔ اسے دیکھتے ہی غلام تیزی کے ساتھ اپنے آقا کی طرف بھاگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انتیس ویں رات

جب چار سو انتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- غلام نے تیزی کے ساتھ اپنے مالک کے پاس جا کر خوش خبری دی کہ جو تاجر سائے والے گھر میں رہا تھا خیریت سے ہے اور دروازے کے پاس چوکی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کا مالک خوش خوش اٹھا اور ناشتہ لے کر اس کے گھر کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اس نے آ کر علی کو صحیح سالم دیکھا تو اس کے گلے لپٹ گیا۔ اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہنے لگا کہ خدا نے تیرے ساتھ کیا کیا؟ علی نے جواب دیا! اچھا کیا' میں چھت پر اسی کمرے میں سویا تھا جس میں مر مر جڑا ہوا ہے۔

مکان کے مالک نے پوچھا کہ کیا تیرے پاس کوئی آیا تھا تو نے کوئی چیز دیکھی تھی؟ علی نے کہا نہیں' میں نے قرآن پڑھا اور سو گیا۔ جب صبح کو سو کر اٹھا تو وضو کر کے نماز پڑھی اور نیچے آ کر اس چوکی پر بیٹھ گیا۔ تاجر نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ تو صحیح و سلامت رہا اب وہ وہاں سے اٹھ کر اپنے گھر گیا اور علی کے پاس غلام' کنیزیں اور فرش بھیجے۔ انہوں نے مکان میں اوپر سے لے کر نیچے تک جھاڑو دی اور نہایت نفیس فرش بچھایا۔ تین گورے تین کالے غلام اور چار کنیزیں اس کی خدمت کے لئے وہیں رہ گئے۔ باقی اپنے آقا کے پاس چلے گئے۔

دوسرے دن تاجروں کے کان تک یہ قصہ پہنچا تو انہوں نے اس کے پاس طرح طرح کے تحفے بھیجے حتیٰ کے کھانے اور پینے کی چیزیں بھی۔ اسے اپنے ساتھ بازار لے گئے اور پوچھا کہ تیرا مال کب آئے گا؟ اس نے جواب یا کہ تین دن بعد۔ جب تین دن گزر چکے تو اس کے پاس پہلے خزانے کا خادم آیا جس نے سونا برسایا تھا اور کہنے لگا کہ چل کر اس خزانے کو دیکھ لے جو میں تیرے لئے یمن سے لایا ہوں اور اپنے بیوی بچوں سے بھی مل لے۔ ان کے ساتھ سارا خزانہ سوداگری کے سامان کی صورت

میں ہے' خچر' گھوڑے' اونٹ' نوکر اور غلام جتنے تو دیکھے گا' سب جنات میں سے ہیں۔
جس وقت یہ جن خادم قاہرہ گیا تو اس نے دیکھا کہ علی کے بیوی بچے اس اثنا میں بھوکے ننگے ہو گئے ہیں۔ وہ انہیں اڑن کھٹولے پر بٹھا کر قاہرہ سے باہر لایا اور یمن کے خزانے میں سے انہیں عمدہ کپڑے پہنائے۔ غرض کہ جن نے ان تمام چیزوں کے آنے کی خبر علی کو سنائی تو اس نے سوداگروں کے پاس جا کر کہا' آؤ شہر کے باہر چل کر اس قافلے سے ملیں جو ہمارا تجارتی مال لایا ہے اور اپنی بیویوں سے کہو کہ وہ بھی تشریف لا کر میری بیوی سے ملیں۔ وہ تیار ہو گئے اور اپنی اپنی بیویوں کو بلوا کر سب کے سب شہر کے باہر ایک باغ میں جا بیٹھے۔ ابھی وہ باتیں ہی کر رہے تھے کہ جنگل کی طرف سے ایک غبار اٹھا۔
لوگ دیکھنے لگے کہ یہ غبار کیسا ہے۔ غبار ہٹا تو آدمی' ساربان اور فراش نظر آئے۔
لوگ گاتے بجاتے چلے آ رہے تھے۔ قریب پہنچ کر ساربانوں کا سردار تاجر حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے پاس آیا اور اس کا ہاتھ چوم کر کہنے لگا اے میرے آقا' ہم کل ہی پہنچنے والے تھے مگر اس وجہ سے دیر ہو گئی کہ ہمیں ڈاکوؤں کا ڈر تھا۔ ہم وہیں ٹھہر گئے۔ حتیٰ کے خدا نے ہم سے انہیں دور کر دیا۔اس لئے ہمیں چار دن لگ گئے۔ اب تاجر اپنے اپنے خچروں پر سوار ہو کر قافلے کے ساتھ روانہ ہو گئے اور بیویاں علی مصری کے ساتھ اس وقت تک رکی رہیں جب تک کہ ان کا جلوس سوار ہوا' پھر یہ جلوس بھی بڑے جلوس کے ساتھ آ کر مل گیا۔ خچروں پر اتنے صندوق لدے دیکھ کر تاجروں کو تعجب ہوتا تھا اور تاجروں کی بیویاں تاجر علی کی بیوی اور بچوں کے لباس کو دیکھ کر حیران تھیں اور کہتی تھیں کہ ایسا لباس تو نہ بغداد کے سلطان کے پاس ہو گا اور نہ کسی اور بادشاہ' امیر اور تاجر کے پاس۔ لوگ برابر برابر اسی طرح چلتے رہے۔
مرد تاجر علی مصری کے ساتھ اور عورتیں اس کی بیوی کے ساتھ' یہاں تک کہ وہ اس کے گھر پہنچ گئے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

- **چار سو تیسویں رات**

جب چار سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہاں تک کہ وہ گھر پہنچ گئے اور اتر کر خچروں کو مع سامان کے صحن میں لے گئے۔ سامان اتار کر کوٹھڑیوں میں رکھا اور بی بیاں اس کی بیوی کے ساتھ اوپر کے کمرے میں گئیں۔ دیکھا کہ وہ دلہن کی طرح سجا ہوا ہے۔ اس کا فرش نہایت نفیس ہے۔ وہ سب وہاں بیٹھ گئیں اور ظہر تک بیٹھی مزے اڑاتی رہیں۔ اس کے بعد بہتر سے بہتر کھانے اور حلوے ان کے سامنے پیش کئے گئے۔ انہوں نے کھائے اور عمدہ عمدہ شربت پیئے۔ گلاب کے عرق اور عطروں سے معطر ہو کر سب مرد عورت اپنے اپنے گھر رخصت ہوئے۔

گھر پہنچ کر تاجروں نے اپنی حیثیت کے موافق ہدیئے بھیجے اور بی بیوں نے اس کی بیوی کے لئے تحفے تحائف روانہ کئے' اس طرح ان کے پاس اس قدر کنیزیں' کالے اور گورے غلام' غلہ اور لشکر وغیرہ جمع ہو گیا کہ حساب سے باہر تھا۔

لوگوں کے اٹھ جانے کے بعد بغدادی تاجر جو مکان کا مالک تھا' وہیں جما بیٹھا رہا اور علی سے کہا کہ غلاموں اور نوکروں کو حکم دے کہ وہ خچروں اور دوسرے جانوروں کو ایک گھر میں لے جائیں تا کہ وہ وہاں آرام کریں۔ اس نے جواب دیا وہ آج ہی رات فلاں جگہ جانے والے ہیں اور ان سے کہا کہ شہر کے باہر جا کر رات کا انتظار کرو اور روانہ ہو جاؤ۔ انہیں یقین نہ آتا تھا کہ انہیں واقعی اجازت مل گئی ہے اور وہ اس کی مرضی سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر پہنچ کر ہوا میں اڑ گئے اور اپنی جگہ پہنچ گئے۔

تاجر علی اپنے میزبان کے ساتھ بیٹھ کر تہائی رات تک باتیں کرتا رہا' پھر مجلس برخاست ہوئی' میزبان اپنے گھر چلا گیا اور تاجر علی نے اپنی بیوی بچوں کے پاس جا کر انہیں سلام کیا اور پوچھا کہ میرے پیچھے اتنی مدت تک تم پر کیا گزری؟ بیوی نے اپنی فاقہ

کشی' برہنگی اور مصیبت بیان کی جو انہوں نے جھیلی تھی۔ علی نے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ تم سب صحیح و سلامت ہو۔ اچھا یہ بتاؤ کہ تم لوگ آئے کس طرح؟ بیوی نے کہا کہ میرے آقا' کل رات میں بچوں کے ساتھ سو رہی تھی یکا یک کسی نے مجھے اور بچوں کو زمین سے اٹھا لیا اور ہم ہوا میں اڑنے لگے لیکن ہمیں کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ اڑتے اڑتے ہم زمین پر ایک ایسی جگہ اترے جو عربوں کے محلے کی سی تھیں۔ وہاں ہم نے دیکھا کہ خچر لدے ہوئے کھڑے ہیں اور دو بڑے خچروں پر پالکی بندھی ہوئی ہے' اردگرد بہت سے خادم' غلام اور پیادے ہیں۔ میں نے پوچھا کہ تم کون ہو۔ یہ سامان کیسا ہے اور ہم کس جگہ ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم حسن جوہری کے بیٹے علی مصری کے خادم ہیں۔ اس نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ تمہیں لے کر اس کے پاس بغداد پہنچا دیں۔ میں نے کہا کہ یہاں سے بغداد دور ہے یا نزدیک؟ انہوں نے جواب دیا نزدیک ہے اور صرف رات بھر کی راہ ہے۔ یہ کہہ کر اس نے ہمیں پالکی میں بٹھا دیا اور ابھی سویرا نہ ہونے پایا تھا کہ ہم تمہارے پاس پہنچ گئے اور ذرا بھی تکلیف نہ ہوئی۔

اب اس نے پوچھا کہ تم کو یہ پوشاکیں کہاں سے ملیں؟ بیوی نے جواب دیا کہ قافلہ سالار نے ان صندوقوں میں سے ایک صندوق کھولا جو خچروں پر تھے اور پوشاکیں نکال کر ایک مجھے پہنا دی اور ایک ایک بچوں کو۔ پھر اس صندوق میں قفل ڈال کر جس میں سے پوشاکیں نکالی تھیں اس کی کنجی میرے حوالے کر دی اور کہا اسے حفاظت سے رکھیو او اپنے شوہر کو دیجیو۔ دیکھ یہ کنجی میرے پاس ہے۔ یہ کہہ کر اس نے کنجی نکال کر اسے دی۔

علی نے کہا کہ تو اس صندوق کو پہچانتی ہے؟ کہا ہاں' پہچانتی ہوں۔ بیوی کو لے کر کوٹھڑی میں گیا اور صندوق دکھائے۔ بیوی نے ایک صندوق دیکھ کر کہا کہ یہ ہے وہ صندوق جس میں سے پوشاکیں نکالی گئی تھیں۔ علی نے کنجی نکال کر قفل کھولا' دیکھا

کہ اس میں بے شمار پوشاکیں ہیں اور تمام صندوقوں کی کنجیاں بھی۔ کنجیاں نکال کر اس نے ایک صندوق کھولنا شروع کیا۔ یہ دیکھ کر اس کی آنکھیں کھل گئیں کہ ان میں سے ایسے ایسے جواہرات اور قیمتی معدنیات ہیں جن کی نظیر کسی بادشاہ تک کے پاس نہ ہو گی۔ دیکھ بھال کر اس نے انہیں پھر مقفل کر دیا اور کنجیاں اپنے پاس رکھ لیں اور کہا کہ یہ سب خدا کی مہربانی ہے۔ بعد ازاں بیوی کے اوپر کے کمرے میں اس مرمر کی اینٹ کے پاس لے گیا جس میں نلی لگی ہوئی تھی۔ اسے اوپر کی طرف کھینچ کر کوٹھڑی کا دروازہ کھولا اور اندر جا کر بیوی کو وہ سونا دکھایا جو اس نے وہاں رکھا تھا۔

بیوی نے پوچھا یہ سب تیرے پاس کہاں سے آیا؟ اس نے جواب دیا۔ یہ میرے پروردگار کا فضل ہے۔ جب قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہوا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکتیس ویں رات

جب چار سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- علی مصری نے کہا کہ جب میں قاہرہ میں تجھ سے رخصت ہو کر چلا تو چلتے چلتے بولاق پہنچا' دیکھا

ایک جہاز دمیاط جانے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ میں سوار ہو کر دمیاط پہنچا۔ وہاں ایک تاجر سے ملاقات ہوئی جو میرے باپ کو جانتا تھا۔ وہ مجھے اپنے ساتھ لے گیا' میری آؤ بھگت کی اور مجھ سے پوچھا کہ کہاں جا رہا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ میں دمشق جانا چاہتا ہوں کیونکہ وہاں میرے دوست ہیں۔ اس کے بعد اس نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا۔ بیوی ے کہا کہ اے میرے آقا' یہ ساری چیزیں تیرے باپ کی دعا کا ثمر ہیں جو اس نے مرنے سے پہلے کی تھی میں خدا سے دعا مانگتا ہوں کہ اگر وہ تجھے تکلیف میں گرفتار کرے تو جلد اس سے چھٹکارا دے دے۔

شکر ہے خدا کا کہ اس نے تجھے نجات دی اور جو کچھ تیرا مال ضائع ہوا تھا۔ اس سے زیادہ تجھے عطا کیا۔ اے میرے آقا' خدا کے لئے پھر مشکوک لوگوں کی صحبت میں نہ بیٹھیو اور ظاہر اور باطن میں خدا سے ڈرتے رہیو۔ اس طرح وہ دیر تک نصیحت کرتی رہی۔ شوہر نے کہا کہ میں تیری نصیحت مانتا ہوں اور خدا سے التجا کرتا ہوں کہ وہ ہمیں برے ساتھیوں سے دور رکھے اور اپنی فرمانبرداری اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی پیروی کی توفیق دے۔ اس کے بعد وہ اس کی بیوی اور بچے نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

اس نے تاجروں کے بازار میں ایک دکان لی اور وہاں کچھ جواہرات اور قیمتی معدنیات لے کر بیٹھا' اپنے بچوں اور غلاموں کو ساتھ بٹھایا اور بغداد میں سب سے بڑا تاجر ہو گیا۔

جب بغداد کے بادشاہ نے اس کا حال سنا تو اپنا ایک ایلچی بھیج کر اسے بلوایا۔ ایلچی نے اس کے پاس آ کر کہا کہ بادشاہ تجھے بلاتا ہے' وہاں چل۔

اس نے بادشاہ کے لئے ہدیہ تیار کیا۔ سرخ سونے کی چار سینیاں لے کر ان میں ایسے ایسے جواہرات بھرے جن کی نظیر کسی بادشاہ کے پاس نہ ہو گی۔ ان سینیوں کو لے کر بادشاہ کے پاس روانہ ہو گیا۔ جب اس کے سامنے حاضر ہوا تو زمین کو بوسہ دیا اور اسے دعا دی کہ خدا تیری عزت اور نعمتیں قائم رکھے! اور نہایت عمدہ طریقے سے گفتگو کی۔ بادشاہ نے کہا کہ اے تاجر' تو نے ہمارے ملک کو عزت بخشی۔ اس نے کہا جہاں پناہ' غلام تیرے لئے ایک ہدیہ لایا ہے اور امید کرتا ہے کہ تو مہربانی فرما کر اسے قبول کرے گا۔ یہ کہہ کر اس نے چاروں سینیاں پیش کیں۔ بادشاہ نے انہیں کھول کر غور سے دیکھا کہ ان میں ایسے ایسے جواہرات ہیں جو اس کے پاس بھی نہیں اور جن کی قیمت خزانے کے خزانے ہیں پھر کہنے لگا اے تاجر' تیرا ہدیہ قبول ہے اور ان شاء اللہ ہم تجھے اسی طرح کا بدلہ دیں گے۔ تاجر نے بادشاہ کے ہاتھ چومے اور چلا گیا۔

علی رخصت ہوا تو بادشاہ نے امراء کو بلا کر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ بہتیروں نے۔ بادشاہ نے کہا ان میں سے کسی نے ایسا ہدیہ بھیجا ہے؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں' ان میں سے کسی کے پاس بھی اس طرح کی چیزیں نہیں۔ بادشاہ بولا میں نے اپنی بیٹی کی شادی اس تاجر سے کرنے کے بارے میں خدا سے استخارہ کیا ہے' تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ جیسی تیری مرضی۔ اس نے غلاموں کو حکم دیا کہ چاروں سینیوں کو لے کر محل سرا میں جائیں اور خود ملکہ سے مل کر سینیاں اس کے سامنے رکھ دیں۔ ملکہ نے انہیں کھولا' دیکھا کہ ان میں ایسی ایسی چیزیں ہیں جن کی مثل اس کے پاس ایک بھی نہیں۔ وہ کہنے لگی کہ یہ کس بادشاہ کے پاس سے آیا ہے؟ غالباً بادشاہوں میں سے کسی نے بھیجا ہے جو ہماری بیٹی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ اس نے جواب دیا نہیں بلکہ ایک مصری تاجر نے جو ہمارے شہر میں آیا ہے۔ جب میں نے اس کے متعلق سنا تو میں نے آدمی بھیج کر اسے بلوایا تا کہ میں اس سے مل کر دریافت کروں کہ اس کے پاس ایسے

بھی ہیرے جواہرات ہیں جو میں اپنی بیٹی کے جہیز کے لئے خرید سکوں۔ وہ حکم بجا لایا اور ہمارے لئے یہ چار سیناں لایا اور ہدیئے کے طور پر پیش کیا۔

میں نے دیکھا کہ وہ بڑا خوش رو جوان ہے' شاندار' عقل مند حسین' ممکن ہے کہ وہ بادشاہوں کی اولاد میں سے ہو۔ اس کی صورت سیرت مجھے بہت پسند آئی۔ اس نے میرے دل میں اپنی جگہ کر لی اور میں چاہتا ہوں کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔

اس کے لائے ہوئے ہدیئے میں نے امرا کو دکھا کر پوچھا کہ کتنے بادشاہوں نے میری بیٹی کا پیغام بھیجا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بہتیروں نے۔ میں نے پوچھا کہ ان میں سے کسی نے ایسی چیزیں میرے لئے بھیجی ہیں؟ سب نے یک زبان ہو کر کہا نہیں جہاں پناہ' ایسی چیزیں ان کے پاس کہاں! میں نے کہا کہ میں نے خدا سے استخارہ کیا ہے کہ اپنی بیٹی کی شادی اس سے کر دوں۔ تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا کہ جو تیری مرضی۔ اب تیری کیا رائے ہے؟

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بتیس ویں رات

جب چار سو بتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بغداد کے بادشاہ نے ملکہ سے پوچھا کہ تیری کیا رائے ہے؟ اس نے جواب دیا جہاں پناہ' پہلا حکم خدا کا اور دوسرا تیرا۔ اللہ کو جو منظور ہے' وہی ہو گا۔ بادشاہ نے کہا انشاء اللہ میں اپنی بیٹی کی شادی اس کے سوا اور کسی سے نہیں کروں گا۔ رات گزر چکی تھی اور صبح ہوئی تو بادشاہ نے اپنے دربار میں جا کر علی مصری اور بغداد کے کل تاجروں کو بلایا۔ سب حاضر ہو گئے تو اس نے ان سے کہا بیٹھو' وہ بیٹھ چکے تو بادشاہ نے حکم دیا کہ سرکاری قاضی کو بلایا جائے۔ قاضی حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا کہ میری بیٹی کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے ساتھ مرتب کر۔

علی مصری نے کہا کہ اے میرے مولیٰ سلطان معاف کر' یہ ٹھیک نہیں کہ ایک تاجر بادشاہ کا داماد بنے۔ بادشاہ بولا۔ یہ عزت میں تجھے دیتا ہوں اور تجھے وزیر بناتا ہوں۔ یہ کہہ کر فوراً علی مصری کو وزارت کا خلعت پہنایا۔ وزارت کی کرسی پر بیٹھ کر اس نے عرض کیا جہاں پناہ' تو نے مجھ پر یہ عنایت کی اور مجھے عزت بخشی' لیکن ذرا میری بات سن لے۔ بادشاہ نے کہا کہہ اور ڈر نہیں۔ اس نے کہا چونکہ تیرا حکم صادر ہو چکا ہے کہ تیری بیٹی کی شادی ہو جائے' اس لئے مناسب ہے کہ اس کی شادی میرے بیٹے سے کر دی جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ کیا تیرا کوئی بیٹا بھی ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں۔ بادشاہ نے کہا' اسے فوراً بلوا۔ علی مصری نے اپنا ایک غلام بھیج کر بیٹے کو بلوایا۔ وہ بادشاہ کے سامنے حاضر ہوا تو زمین چوم کر ادب کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے دیکھا کہ وہ شہزادی سے بھی زیادہ حسین و جمیل ہے۔ قد سڈول اور چہرہ حسن کی تصویر۔ پوچھا کہ بیٹا تیرا کیا نام ہے؟ اس نے کہا اے میرے آقا سلطان' میرا نام حسن ہے۔ اس وقت اس کی عمر چودہ سال تھی۔

بادشاہ نے قاضی سے کہا کہ میری بیٹی حسن الوجود کا نکاح نامہ تاجر علی مصری کے بیٹے حسن کے ساتھ لکھ دے۔ قاضی نے نکاح نامہ لکھ دیا اور تمام باتیں بخیر و خوبی انجام پائیں۔ سارے درباری چلے گئے اور تمام تاجر' وزیر علی مصری کے جلو میں روانہ ہوئے۔ اسی وزارت کے لباس میں وہ گھر پہنچا اور تاجر اسے مبارکباد دے کر چلے گئے۔ جب وزیر علی مصری اپنی بیوی کے پاس آیا اور بیوی نے اسے وزارت کا خلعت پہنے ہوئے دیکھا تو اس نے پوچھا یہ کیا؟ علی نے سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیا اور کہا بادشاہ نے اپنی بیٹی کی شادی میرے بیٹے حسن سے کر دی ہے۔ یہ سن کر وہ بہت خوش ہوئی اور علی مصری نے رات نہایت شادمانی سے گزاری۔

صبح ہوئی تو وہ دربار گیا' بادشاہ اس کے ساتھ نہایت اچھی طرح پیش آیا۔ اسے اپنے پہلو میں بٹھایا' اور کہا' اے وزیر ہمارا ارادہ ہے کہ ہم جشن کریں۔ وزیر نے کہا' اے میرے مولیٰ جو تجھے اچھا معلوم ہو وہی اچھا ہے۔ بادشاہ نے جشن منانے کا حکم دیا۔ لوگوں نے شہر کو سجایا اور تیس دن تک برابر خوشیاں مناتے رہے۔ ان تیسوں دن تک وزیر علی کا بیٹا حسن شہزادی کے حسن و جمال کے مزے لوٹتا رہا۔ ملکہ نے اپنے داماد کو دیکھا تو وہ اسے بہت چاہنے لگی۔ اسی طرح وہ اپنی سمدھن سے بھی بہت خوش تھی۔ اب بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر زادے حسن کے لئے ایک محل تیار ہو۔ حکم کی دیر تھی جلد سے جلد محل بن گیا اور وزیر زادہ اس میں رہنے لگا۔ اس کی ماں کچھ دن اس کے ساتھ رہتی اور پھر اپنے گھر چلی جاتی۔ ملکہ نے اپنے شوہر سے کہا۔ جہاں پناہ' حسن کی ماں سے نہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے کے ساتھ رہے اور وزیر کو چھوڑ دے اور نہ یہ کہ وہ وزیر کے ساتھ رہے اور اپنے بیٹے سے کنارہ کش ہو جائے۔ بادشاہ نے کہا کہ تو سچ کہتی ہے اور حکم دیا کہ ایک تیسرا محل بنایا جائے جو وزیر زادے حسن کے محل کے پہلو میں ہو' یہ تیسرا محل بھی چند روز میں تیار ہو گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ وزیر کا سامان اس میں منتقل کر دیا جائے' وزیر اس میں رہنے لگا۔ تینوں محل ایک دوسرے کے پاس تھے۔ جب بادشاہ چاہتا وزیر سے باتیں کرے تو وہ رات کو وہاں چلا

جاتا یا اسے اپنے پاس بلا لیتا اور یہی حالت حسن اور اس کے ماں باپ کی تھی۔ ایک مدت تک انھوں نے باہم عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # چار سو تینتیس ویں رات

جب چار سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ' وزیر اور وزیر زادہ ایک مدت تک عیش و عشرت کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے ہاں تک کہ بادشاہ بیمار پڑا' بیماری روز بروز بڑھتی گئی۔ اس نے اپنی سلطنت کے امرا کو بلایا اور ان سے کہا کہ میری بیماری سخت ہے' ممکن ہے کہ یہ موت کا پیام ہو۔ میں نے تمہیں ایک مشورے کے لئے بلایا ہے' امید ہے کہ تم مجھے نیک مشورہ دو گے۔ انہوں نے کہا اے بادشاہ وہ کون سی بات ہے جس میں تو ہم سے مشورہ لینا چاہتا ہے؟ اس نے کہا میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور بیمار ہوں' ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے بعد ملک' دشمنوں کے ہاتھ میں نہ چلا جائے' اس لئے میری یہ خواہش ہے کہ تم ایک شخص پر متفق ہو جاؤ تا کہ میں جیتے جی اس کی بیعت لے لوں اور تم آرام سے رہو۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم تیرے داماد حسن بن علی کو چاہتے ہیں' ہم اس کی عقل' اس کے کمال اور سمجھ کا امتحان لے چکے ہیں' وہ ہر بڑے اور چھوٹے درجے سے بخوبی واقف ہے۔ بادشاہ نے کہا کہ تم سب اس پر متفق ہو؟ انہوں نے کہا ہاں۔ بادشاہ نے کہا کہ ایسا تو نہیں کہ تم میرے لحاظ سے میرے سامنے ایسی باتیں کرتے ہو اور میری پیٹھ پیچھے دوسری باتیں۔

سب نے کہا خدا کی قسم ہماری باتیں ظاہر اور باطن میں ایک سی ہیں اور کسی قسم کا فرق نہیں' ہم دل سے اسے چاہتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا اگر یہ واقعہ ہے تو کل قاضی' تمام حاجبوں' نوابوں اور امرا کو میرے پاس بلا لاؤ کہ ہم اس کام کو بخیر و خوبی انجام دے دیں۔ تمام علماء اور بڑے بڑے امرا کو فوراً خبر کر دی گئی' انہوں نے اندر جا کر سلام کیا اور کہنے لگے ہم سب تیری خدمت میں حاضر ہیں۔ بادشاہ ان سب سے مخاطب ہو کر بولا' اے بغداد کے امرا تم میرے بعد جسے اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہو' اسے انتخاب کرو

کہ مرنے سے پہلے میں تمہارے سامنے اس کی بیعت لے لوں۔ وہ بولے ہم سب اس بات پر متفق ہیں کہ تیرا داماد حسن بن علی وزیر زادہ بادشاہ بنے۔

بادشاہ نے کہا اگر یہی بات ہے تو تم سب اسے بلا کر میرے پاس لاؤ۔ سب اٹھ کر محل سرا میں داخل ہوئے اور حسن سے کہا کہ بادشاہ کے پاس چل۔ اس نے پوچھا کس لئے؟ انہوں نے جواب دیا ایک ایسی بات کے لئے جس میں ہمارے اور تیرے لئے بھلائی ہے۔ حسن ان کے ساتھ بادشاہ کے پاس پہنچا اور اس کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ تو بادشاہ نے کہا بیٹا' بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے کہا اے حسن' تمام امراء تجھ سے خوش ہیں اور تجھے میرے بعد اپنا بادشاہ بنانا چاہتے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں جیتے جی تیرے لئے بیعت لے لوں اور اس قضیئے کا فیصلہ ہو جائے۔ یہ سن کر حسن کھڑا ہو گیا اور بادشاہ کے سامنے زمین چوم کر کہنے لگا اے میرے موٹی سلطان امراء میں مجھ سے زیادہ عمر والے اور عالی مرتبت ہیں' مجھے اس سے معاف رکھ۔ امرا نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم سوا تیرے کسی کو اپنا بادشاہ بنانا نہیں چاہتے حسن نے کہا کہ میرا باپ مجھ سے بڑا ہے اور میں اور میرا باپ ایک چیز ہیں۔ یہ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا کہ مجھے اس پر ترجیح دی جائے۔ باپ نے اس سے کہا کہ جس بات سے میرے دوست خوش ہیں۔ اسی سے میں بھی خوش ہوں' وہ سب تجھ سے راضی ہیں اور تجھے بادشاہ بنانے پر متفق ہیں۔ لہٰذا بادشاہ کے حکم اور اپنے دوستوں کی مرضی کی مخالفت نہ کر۔ حسن نے بادشاہ اور اپنے باپ کی شرم کے مارے سر جھکا لیا۔ بادشاہ نے ان سے کہا تم نے منظور کیا؟ انہوں نے کہا کہ منظور کیا۔ پھر تمام لوگوں نے سات بار فاتحہ پڑھی اور بادشاہ نے کہا کہ اے قاضی تو بھی شرعی طور پر قلمبند کر لے کہ ان امرا نے میرے داماد حسن کا بادشاہ ہونا منظور کر لیا ہے اور یہ کہ وہ ان کا بادشاہ بنایا گیا ہے۔

قاضی نے باقاعدہ تحریر کی اور جب سب نے اس کی بیعت کر لی تو قاضی نے اس پر اپنے دستخط کر دیئے۔ اب خود بادشاہ نے اس سے بیعت کی اور اسے حکومت کی کرسی پر بیٹھنے کے لئے کہا۔ سب کھڑے ہو گئے اور وزیر کے بیٹے بادشاہ حسن کے ہاتھ چومے'

اسی کی فرمانبرداری کا اظہار کیا۔ اس دن اس نے نہایت شان و شوکت سے بادشاہی کی' امراء کو عمدہ عمدہ خلعت بخشے اور دربار برخاست کر کے اپنے خسر کے پاس گیا' اس کے ہاتھ چومے' بادشاہ نے کہا اے حسن' رعیت کے معاملے میں خدا کا خوف دل میں رکھیو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چونتیس ویں رات

جب چار سو چونتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ نے کہا بیٹا' رعیت کے معاملے میں خدا سے ڈرتا رہیو۔ اس نے کہا ابا جان' تیری دعا سے خدا مجھے اس کی توفیق دے گا۔ اس کے بعد وہ محل سرا میں داخل ہوا۔ اس کی بیوی' ساس اور دونوں کے نوکروں چاکروں نے اس کے ہاتھ چومے' اسے اس درجے پر پہنچنے کی مبارک باد دی اور کہا کہ خدا آج کا دن مبارک کرے! پھر وہ اپنے محل سے نکل کر اپنے باپ کے محل میں گیا' وہاں لوگ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوئے کہ خدا نے اسے بادشاہت دی اور اس پر بڑی بخشش کی۔ باپ نے اسے نصیحت کی کہ خدا سے ڈرو اور رعیت پر مہربان رہیو۔ غرض کہ وہ جہاں جاتا خوشیاں منائی جاتیں۔ رات انتہائی مسرتوں میں گزری۔ صبح ہوئی تو وہ نماز اور وظیفے سے فارغ ہو کر دربار میں آیا' تمام لشکر اور منصب دار حاضر ہوئے' اس نے احکام جاری کئے' نیکی کی طرف ترغیب دلائی' برائی سے منع کیا۔ عہدے دیئے' معزولیاں کیں اور شام تک حکومت کے کاموں میں مشغول رہا۔ اس کے بعد بخیر و خوبی دربار برخاست ہوا اور ہر شخص نے اپنی اپنی راہ لی۔

وہ دربار سے اٹھ کر محل میں گیا تو کیا دیکھتا ہے کہ اس کا خسر سخت بیمار ہے۔ وہ سرہانے کھڑا تھا کہ اس نے کہا گھبرا مت۔ بادشاہ نے آنکھیں کھول دیں اور کہا کہ اے حسن اس نے جواب دیا! اے میرے آقا' حاضر ہوں۔ بادشاہ نے کہا کہ اب میری موت آ گئی ہے۔ میں تیری بیوی اور ساس کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ خدا سے ڈریو' ماں باپ کے ساتھ نیکی کیجیو اور اسے نہ بھولیو کہ خدا نے عدل اور نیکی کا حکم دیا ہے۔ بادشاہ حسن نے کہا کہ بسر و چشم۔

اس کے تین دن بعد پرانا بادشاہ فوت ہو گیا' خدا اس پر رحمت کرے! اس کی تجہیز

و تکفین کی گئی اور چالیس دن تک برابر قرآن خوانی ہوتی رہی۔ وزیر کا بیٹا' بادشاہ حسن بادشاہت میں مستقل ہو گیا' رعایا بہت خوش رہی' اس کے دن بڑی راحت میں گزرے۔

اس کا باپ میمنے کا بڑا وزیر رہا اور میسرے کے لئے اس نے ایک اور وزیر مقرر کیا' کاروبار اچھی طرح سے چلنے لگا اور اس نے بغداد میں ایک عرصے تک حکومت کی اور نہایت عیش و عشرت سے اپنے وقت گزارے یہاں تک کہ لذتوں کو ملیا میٹ اور صحبتوں کو درہم برہم کرنے والی موت آ پہنچی۔ پاک ہے وہ ذات جو ہمیشہ قائم رہتی ہے اور جس کے ہاتھ میں بنانا بگاڑنا ہے۔

○ حاجی اور بڑھیا

ایک حاجی جو حجاج کے قافلے کے ساتھ سفر کر رہا تھا' کسی منزل پر اتنی دیر تک سوتا رہا کہ جب جاگا تو سب حاجی چل دیئے تھے۔ اب وہ اٹھ کر اکیلا روانہ ہوا اور غلط راستے پر پڑ گیا۔ قدم بڑھاتے ہوئے چلنے کے بعد اس نے دیکھا کہ ایک خیمہ پڑا ہوا ہے' دروازے پر ایک بڑھیا بیٹھی ہے اور اس کے پاس ایک کتا پڑا سو رہا ہے۔ حاجی نے خیمے کے قریب پہنچ کر بڑھیا کو سلام کیا اور کھانا مانگا۔ بڑھیا نے کہا اس وادی میں جا کر جتنی تجھے ضرورت ہو سانپ شکار کر لا۔ میں انہیں تل کر تجھے کھلا دوں گی۔ حاجی نے کہا مجھ میں سانپوں کے مارنے کی ہمت نہیں اور نہ کبھی میں نے سانپ کھائے ہیں۔ بڑھیا بولی ڈرنے کی کیا بات ہے' میں خود تیرے ساتھ چل کر سانپ ماروں گی۔ یہ کہہ کر بڑھیااس کے ساتھ چل کھڑی ہوئی اور کتا ان کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ بڑھیا نے ضرورت کے موافق سانپ مارے انہیں تلنے لگی۔ حاجی نے دیکھا کہ بے کھائے مفر نہیں' بھوک اور کمزوری سے بے حال تھا۔ چنانچہ اس نے سانپوں کا گوشت کھایا۔ پھر اسے پیاس لگی اور بڑھیا سے پانی مانگا۔ بڑھیا نے کہا وہ کیا تیرے سامنے کنواں ہے۔ اٹھ اور پانی پی لے۔ وہ کنوئیں پر گیا' چکھا تو پانی کھاری' مگر پیاس اتنی شدت

کی تھی کہ باوجود کھاری ہونے کے اس نے پانی پیا' پی کر بڑھیا کے پاس آیا اور کہنے لگا اے بڑھیا' مجھے تجھ پر تعجب آتا ہے کہ تو نے اس جگہ آ کر قیام کیا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو پینتیس ویں رات

جب چار سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حاجی نے بڑھیا سے کہا' مجھے تعجب ہے کہ تو اس جگہ آ کر ٹھہری ہے اور اس قسم کا تیرا کھانا

پینا ہے۔ بڑھیا بولی' اور تمہارا ملک کیسا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہمارے ملک میں بڑے بڑے مکان ہیں' عجیب و غریب لذیذ پھل'' کثرت سے میٹھا پانی' عمدہ عمدہ کھانے 'چربی دار گوشت' بے شمار بھیڑ بکریاں اور طرح طرح کی نفیس چیزیں' جن کی نظیر سوائے جنت کے جس کا ذکر خدا نے اپنے نیک بندوں کے لئے کیا ہے' کہیں اور نہیں پائی جاتیں۔ بڑھیا کہنے لگی میں نے مانا' لیکن یہ بتا کہ تمہارے اوپر کوئی بادشاہ بھی ہے جو تم پر حکمرانی کرتا ہے اور ظلم و جور سے پیش آتا ہے اور تم اس کے محکوم ہو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص جرم کرتا ہے تو وہ تمہارا مال چھین لیتا ہے' جب وہ چاہتا ہے تمہیں گھر سے نکال کر باہر کرتا ہے اور بیخ و بنیاد سے تباہ کر دیتا ہے۔ اس شخص نے کہا ایسا تو ضرور ہوتا ہے۔ بڑھیا نے کہا تو پھر اس کے ظلم و ستم کے ساتھ اچھے اچھے کھانے' عیش و عشرت اور لذیذ نعمتیں مہلک زہر ہیں اور ہری غزا امن و امان کے ساتھ فائدہ مند تریاق۔ کیا تو نے یہ نہیں سنا کہ اسلام کے بعد سب سے بڑی نعمت تندرستی اور امن ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب بادشاہ جو زمین پر خدا کا نائب ہے اور عادل ہو اور اچھی سیاست سے کام لے۔ پرانے سلاطین چاہتے تھے کہ ان کی ہیبت بس اتنی ہو کہ رعیت اسے دیکھ کر ڈرے۔ آج کل کے بادشاہ یہ چاہتے ہیں کہ ان کی سیاست زبردست ہو اور ان کا خوف مکمل۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اب پہلے سے آدمی نہ رہے اور ہمارے زمانے میں بری عادتیں اور برائیاں پھیل گئی ہیں کیونکہ رذالت اور سخت دلی کا دور دورہ ہے۔ بغض اور کینہ عام ہے۔ جب بادشاہ جو خدا کا سایہ

ہے، رعایا کے حق میں کمزور ہو یا اس میں سیاست اور ہیبت نہ ہو تو ملک ضرور تباہ ہو جائے گا۔ بزرگوں کا قول ہے کہ بادشاہ کا ظلم و ستم سو سال تک رہتا ہے اور رعایا

کا ایک دوسرے پر فقط ایک سال۔ جس وقت رعایا میں جور و ستم کی زیادتی ہو جاتی ہے تو خدا ان پر ایک زبردست اور ظالم بادشاہ مامور کرتا ہے۔ تاریخ میں ہے کہ کسی شخص نے حجاج بن یوسف کے پاس ایک کہانی بھیجی جس میں یہ لکھا ہوا تھا کہ خدا سے ڈر اور خدا کے بندوں پر اتنا ظلم نہ کر۔ یہ کہانی پڑھ کر وہ منبر پر چڑھا۔ وہ فصیح تو تھا ہی اس نے کہنا شروع کیا۔ "اے لوگو! خدا نے تمہارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم مامور کیا ہے۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو چھتیس ویں رات

جب چار سو چھتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- حجاج نے کہا کہ خدا نے تمہارے اعمال کی وجہ سے مجھے تم پر مامور کیا ہے۔ اگر میں مر بھی جاؤں تو تم اپنے برے اعمال کے سبب جور سے چھٹکارا نہیں پا سکتے۔ خدا نے میری طرح بہت سے لوگ پیدا کئے ہیں' اگر میں نہ ہوا تو مجھ سے زیادہ جور و ستم کرنے والا ظالم اور طاقتور دوسرا آ جائے گا۔ جور سے لوگ ڈرتے ہیں اور عدل ہر چیز کی اصلاح کر دیتا ہے' ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہماری اصلاح کرے!

- تاجر ابوالحسن اور کنیز تودو کی کہانی

بغداد میں ایک شخص رہتا تھا جو بڑا با عزت' مالدار اور صاحب املاک تھا۔ اس کی بہت بڑی تجارت تھی' دنیا کی تمام چیزیں اس کے پاس موجود تھیں لیکن اولاد کی طرف سے نامراد تھا۔ نہ لڑکی نہ لڑکا۔ اس کی عمر زیادہ ہو گئی' ہڈیاں کمزور پڑ گئیں۔ کمر جھک گئی' نقاہت اور غم نے زور پکڑا تو اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر کوئی اولاد نہ ہوئی جو میری وارث بنے اور جس سے میری یاد قائم رہے تو میرا سارا مال اور جائیداد ضائع ہو جائے گی۔ یہ سوچ کر وہ خدا کے آگے گڑگڑانے لگا! دن میں روزہ رکھتا' راتوں کو نمازیں پڑھتا' نذریں نیازیں مانتا' نیک بندوں کی زیارت کرتا اور خدا کے سامنے بڑی تضرع و زاری کرتا۔ آخر خدا نے ااس کی التجا سن لی اور دعا قبول کر لی اور اس کی تضرع و زاری پر رحم کھایا۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد وہ اپنی بیویوں میں سے ایک سے ہم بستر ہوا اور فوراً اسی رات حمل رہ گیا۔ جب حمل کی مدت پوری ہوئی اور بچہ پیدا ہوا تو

وہ لڑکا تھا اور ایسا حسین جیسے چاند کا ٹکڑا۔ خدا کی شکر گزاری میں اس نے نذریں پوری کیں، خیراتیں کیں، غریبوں، یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں اور پیدائش کے ساتویں دن اس کا نام ابو الحسن رکھا۔ دودھ پلائیوں نے اسے دودھ پلایا، کھلائیوں نے کھلایا، غلاموں اور نوکروں چاکروں نے کندھوں پر بٹھایا یہاں تک کہ وہ پل بڑھ کر جوان ہوا۔ قرآن اور اسلام کے فرائض، دین کے احکام، خوش خطی، شعر، حساب، تیر اندازی سیکھی اور اپنے زمانے میں یکتا، اور فرد ہو گیا۔ اس کا چہرہ ملیح تھا، زبان فصیح، قد سڈول، چال آن بان والی، رخسار سرخ، ماتھا چمک دار اور خط سبز۔

ایک مدت تک وہ اسی طرح اپنے باپ کے ساتھ خوش و خرم رہا۔ باپ کی آنکھیں بھی ٹھنڈی رہیں یہاں تک کہ وہ بالغ ہو گیا۔ ایک دن باپ نے اسے اپنے پاس بلا کر کہا بیٹا! اب میری زندگی ختم ہو گئی ہے، موت کے دن قریب آ گئے ہیں، خدا کے دیدار کے سوا اور کوئی حسرت باقی نہیں رہی۔ میں تیرے لئے اتنا کچھ چھوڑے جاتا ہوں جو کئی پشتوں تک تیرے لئے کافی ہو گا یعنی مال و دولت، جاگیریں، املاک اور باغ۔ مگر بیٹا، اس ترکے میں خدا سے ڈرتا رہیو اور اسی کی پیروی کیجیو جو تیری بھلائی چاہے۔

اس کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ بیمار ہوا اور مر گیا۔ بیٹے نے اس کی تجہیز و تکفین نہایت عمدہ طریقے سے کی اور اسے دفن کر کے گھر آیا۔ دن رات سوگ میں بیٹھا رہتا۔ دوست آشناؤں نے آ آ کر کہنا شروع کیا کہ جس نے تجھ جیسا بیٹا چھوڑا اسے مردہ نہ سمجھنا چاہیے۔ پھر جو مر گیا وہ مر گیا۔ اس سے زیادہ سوگ تو محض پردہ نشین لڑکیوں اور عورتوں کے لئے ہے۔ وہ اس قدر اس کے پیچھے پڑے رہے کہ بالآخر وہ حمام گیا اور انہوں نے مل جل کر اس کا غم غلط کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- **چار سو سینتیس ویں رات**

چار سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب خواجہ کے بیٹے ابو الحسن کو اس کے دوست حمام لے گئے اور اس کا غم غلط کیا تو اس نے باپ کی نصیحت بھلا دی۔ مال کی زیادتی کے سبب بے فکر ہو گیا۔ یہ سمجھا کہ زمانہ اس کے لئے ہمیشہ ایک ہی حالت پر رہے گا اور دولت میں زوال نہیں آ سکتا۔ بے کھٹکے اس نے کھانا پینا' مزے اڑانا' بخششیں کرنا اور سونا چاندی لٹانا شروع کر دیا۔ دن رات مرغیاں کھانا' بوتلیں کھولنا' صراحیوں کے قہقہے اور رنڈیوں کے چہچہے سننا۔ یہی اس کا شغل تھا' نتیجہ یہ ہوا کہ گھر خالی ہو کر اس میں چوہے قلا بازیاں کھانے لگے۔ جو کچھ پاس تھا ختم ہو گیا' محض ایک کنیز باقی رہ گئی جو اسے باپ سے ورثے میں ملی تھی۔ یہ کنیز حسن و جمال' تازگی و شگفتگی اور قد و قامت میں لاجوب اور فنون و آداب میں یکتا تھی۔ زمانے میں اس کا جوڑ نہ تھا' دل ربائی میں لاجواب' علم و عمل میں تمام حسینوں سے بڑھ چڑھ کر تھی۔ قد میانہ' بھوئیں ملی ہوئیں جیسے شعبان کا چاند' آنکھیں غزال کی طرح' ناک جیسے تلوار کی دھار' رخسار شقائق النعمان' منہ گویا حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی' دانت موتیوں کی لڑی۔ ناف ایسی کہ اس میں آدھ سیر تیل آ جائے' کمر عاشق کے بدن سے زیادہ پتلی' کولہے ریت کے تودوں سے زیادہ بھاری۔ عورت کیا چودھویں کا چاند تھا یا چوکڑیاں بھرتا غزال' عمر نو دس سال کی' چاند اور سورج دونوں اس کے آگے مات تھے۔ رنگ صاف' خوشبو سے مہکتی ہوئی' یہ معلوم ہوتا تھا کہ نور سے پیدا کی گئی ہے اور بلور سے بنائی گئی ہے۔ رخسار گلابی'' بدن سانچے میں ڈھلا ہوا۔ جو اسے دیکھتا ہکا بکا ہو کر رہ جاتا اور اس کی مسکراہٹ پر سو جان سے مرنے لگتا۔ وہ دیکھنے والوں پر اپنی نظروں کے تیر چلاتی۔ ساتھ ہی وہ بڑی فصیح اور منتظم تھی۔ جب

ابوالحسن کی ساری دولت ختم اور حالت نا گفتہ بہ ہو گئی اور اس کنیز کے سوا اس کے پاس کچھ نہ رہا اور تین دن تک نہ اس نے کھایا نہ پیا تو کنیز نے اس سے کہا کہ اے میرے آقا' مجھے امیر المومنین ہاروں الرشید کے پاس لے چل۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اڑتیسویں رات

جب چار سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے اپنے آپ سے کہا اے میرے آقا' مجھے ہارون الرشید کے پاس لے چل جو بنی عباس کا پانچواں خلیفہ ہے اور اس سے دس ہزار دینار میری قیمت مانگ۔ اگر وہ کہے کہ میں ان داموں میں مہنگی ہوں تو اس سے کہیو کہ امیر المومنین میری کنیز کی قیمت تو اس سے کہیں زیادہ ہے' اگر تو اس کا امتحان کرے گا تو اس کی قدر و قیمت تجھ پر کھل جائے گی۔ ایسی بے نظیر کنیز تیرے سوا کسی اور کے قابل نہیں۔ پھر اس نے مکرر کہا کہ اے میرے آقا' جو قیمت میں نے کہی ہے خبر دار اس سے کم میں نہ بیچیو کیونکہ میرے مقابلے میں یہ بھی کم ہے۔ ابو الحسن کو کنیز کی قدر و قیمت کا بالکل اندازہ نہ تھا۔ اسے مطلق خبر نہ تھی کہ یہ کنیز ایسی ہے جس کا دنیا میں جواب نہیں۔ قصہ مختصر وہ اسے ہارون الرشید کے پاس لے گیا اور پیش کر کے وہ باتیں عرض کیں جو کنیز نے اس سے کہی تھیں۔ خلیفہ نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام تودو ہے۔ خلیفہ نے کہا' اے تودو تو کن کن علوم سے بخوبی واقف ہے؟ اس نے عرض کیا اے میرے آقا' میں نحو' شعر' فقہ' تفسیر اور لغت سے واقف ہوں اور موسیقی' علم الفرائض' ریاضی' مساحت اور تاریخ میں مجھے کافی دستگاہ ہے۔ قرآن پر بھی مجھے آگاہی حاصل ہے۔ میں نے ساتوں قراتیں پڑھی ہیں۔ سورتوں' آیتوں' حزبوں' نصفوں' ربعوں' ثمنوں' عشروں اور سجدوں کا شمار معلوم ہے حتیٰ کہ حرفوں کا بھی' اور یہ بھی جانتی ہوں کہ کون سی سورتیں مدنی' کون سی مکی ہیں اور ان کے نزول کا کیا سبب ہے۔ حدیث پر بھی مجھے درایتاً اور روایتاً عبور ہے اور اس پر بھی کہ کون سی مسند اور کون سی مرسل ہیں۔ ریاضی' ہندسہ' فلسفے' حکمت' منطق' اور معانی و بیان میں بھی میں کامل ہوں۔ علاوہ ان کے اور بہت سے علوم مجھے ازبر ہیں شعرو شاعری سے مجھے خاص تعلق ہے میں ساز

بجاتی ہوں‘ اس کے نغموں کے مقاموں‘ تاروں کے حرکات و سکنات کے موقعوں سے مجھے بخوبی واقفیت ہے۔ اگر میں گاؤں اور ناچوں تو فتنہ برپا کر دوں‘ اگر میں بناؤ سنگھار کروں تو قتل عام ہو جائے۔

خلاصہ یہ کہ میں تمام علوم و فنون میں اس درجے تک کمال رکھتی ہوں جو ان کے ماہرین کے علاوہ کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا۔

خلیفہ ہارون الرشید نے اس کی باتیں سنیں تو حیرت میں آ گیا کہ اس کم سنی میں اسے اتنا کچھ آتا ہے اور اس کی شیریں کلامی دیکھ کر وہ اس کے آقا ابو الحسن کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا‘ میں ایک شخص کو بلاتا ہوں جو اس کنیز سے ان تمام چیزوں میں مناظرہ کرے گا جن کا دعویٰ اس نے کیا ہے۔ اگر وہ صحیح جواب دے تو میں تیری منہ مانگی قیمت تجھے دے دوں گا بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر وہ جواب نہ دے سکی تو پھر تو ہی اس کا آقا رہے گا۔

ابو الحسن رضا مند ہو گیا۔ امیر المومنین نے بصرے کے عامل کو خط لکھا کہ ابراہیم بن سیار النظام کو میرے پاس بھیج دے۔ یہ شخص حجت اور بلاغت‘ شعر اور منطق میں بے نظیر تھا۔ جب وہ آیا تو خلیفہ نے اس سے کہا کہ قاریوں‘ عالموں‘ طبیبوں‘ منجموں‘ حکیموں‘ مہندسوں اور فلسفیوں کو حاضر کر۔ ابراہیم سب سے بڑھ کر عالم تھا‘ تھوڑی ہی مدت میں سب کے سب دارالخلافت میں آ گئے۔ کسی کو اس طلبی کا سبب معلوم نہ تھا۔ امیر المومنین نے ان سب کو اپنی مجلس میں طلب کیا اور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب وہ بیٹھ گئے تو اس نے حکم دیا کہ کنیز تودو کو بلایا جائے۔ جب وہ آئی تو اس نے اپنی نقاب اٹھا دی اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ کوئی تارا چمک رہا ہے۔ اس کے لئے سونے کی کرسی بچھائی گئی اور وہ سلام کر کے بیٹھ گئی اور نہایت شیریں کلامی سے اس نے کہا کے اے امیر المومنین‘ جتنے عالم‘ قاری‘ طبیب‘ منجم‘ حکیم‘ مہندس اور فلسفی یہاں موجود ہیں‘ انہیں حکم دے کہ مجھ سے مناظرہ کریں۔

امیر المومنین نے ان لوگوں سے کہا' میں چاہتا ہوں کہ تم اس کنیز سے دین کے متعلق مناظرہ کرو اور جن چیزوں میں اس کا دعویٰ ہے اس کی دلیلیں کاٹو۔ انہوں نے کہا کہ اے امیر المومنین' خدا کا اور تیرا حکم سر آنکھوں پر۔ اس کے بعد کنیز نے سر نیچا کر کے کہا کہ تم میں سے کون فقیہ' عالم' قاری' محدث ہے؟ ایک نے جواب دیا کہ جیسے شخص کو تو چاہتی ہے میں ہوں۔ کنیز نے کہا کہ پوچھ جو تو پوچھنا چاہتا ہے۔ وہ بولا کیا تو نے خدا کی پاک کتاب پڑھی ہے تجھے ناسخ و منسوخ کا علم ہے اور اس کی آیتوں اور حرفوں پر غور کیا ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ ہاں۔ اس نے کہا پہلے میں فرضوں اور سنتوں کے بارے میں پوچھتا ہوں۔ بتا اے کنیز' یہ کیا ہیں اور تیرا رب کون ہے' نبی کون' امام کون' قبلہ کیا' بھائی کون' طریقہ کیا' اور کیا راستہ؟ کنیز نے کہا کہ میرا رب اللہ ہے' میرا نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم' میرا امام قرآن' میرا قبلہ کعبہ' میرے بھائی مسلمان' میرا طریقہ بھلائی اور میرا راستہ سنت۔ خلیفہ کو اس کی باتیں سن کر بڑا تعجب ہوا کہ یہ کم سنی اور یہ فصاحت! اب اس شخص نے کہا اے کنیز' بتا کہ تو نے خدا کو کیونکر پہچانا؟ اس نے جواب دیا عقل سے۔ اس نے کہا کہ عقل کیا چیز ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ عقل دو طرح کی ہے' ایک فطری اور دوسری اکتسابی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انتالیس ویں رات

جب چار سو انتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا کہ عقل دو طرح کی ہے' ایک فطری اور دوسری اکتسابی۔ فطری وہ ہے جو خدا نے پیدا کی ہے اور جس سے جس بندے کو وہ چاہتا ہے ہدایت کرتا ہے اور اکتسابی وہ ہے جو انسان اپنی تعلیم و تربیت سے حاصل کرتا ہے۔ اس شخص نے کہا شاباش!

اب اس نے پوچھا کہ عقل کہاں ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا خدا اسے دل میں ڈالتا ہے اور اس کی شعاعیں دماغ میں جا کر جاگزیں ہوتی ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب اس نے پوچھا کہ تو نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح پہچانا؟ کنیز نے جواب دیا قرآن پڑھنے سے اور نشانیوں سے' دلیلوں سے' حجتوں سے اور معجزوں سے۔ اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کہ فرض اور سنت کیا ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ فرض تو پانچ ہیں۔

اول اس بات کا اقرار کہ "لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمد عبد و رسولہ" دوسرے نماز' تیسرے زکوٰہ دینا' چوتھے رمضان کے روزے رکھنا اور پانچواں خدا کے پاک گھر کا حج کرنا۔ ان لوگوں کے لئے جو وہاں جانے کی استطاعت رکھتے ہیں۔ رہیں قائم رہنے والی سنتیں' ان کی تعداد چار ہے۔ رات اور دن' سورج اور چاند' یہی بنیاد ہیں عمر اور امیدوں کی۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کے شعائر کیا ہیں؟ اس نے جواب دیا نماز اور زکوٰہ روزہ اور حج' جہاد اور حرام سے بچنا۔ اس شخص نے کہا شاباش! اب بتا کہ تو کس چیز کے ساتھ نماز پڑھنے کھڑی ہوتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا اس نیت کے ساتھ کہ میں بندہ ہوں اور خدا کی ربوبیت کا اقرار کرتی ہوں۔ اس نے کہا کہ اب بتا کہ نماز پڑھنے سے پہلے خدا نے کیا کیا چیزیں فرض کی ہیں؟ کنیز نے کہا کہ طہارت' شرم گاہ کا ڈھانکنا' ناپاک کپڑوں کا نہ پہننا' پاک جگہ پر کھڑا ہونا' قبلہ

کی طرف منہ کرنا' قیام نیت اور تکبیر' اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جب تو گھر سے نماز کے لئے جاتی ہے تو کیا نیت کرتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ عبادت کی نیت۔ اس نے پوچھا اور مسجد میں کس نیت سے داخل ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا خدمت کی نیت سے۔ اس نے کہا کہ قبلہ رو کیوں ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ تین فرضوں اور ایک سنت کی وجہ سے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی ابتدا کیا ہے اور تحلیل و تحریم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ ابتدا طہارت ہے' تحریم' تکبیر اور تحلیل سلام پھیرنا۔ اس نے کہا کہ نماز کے ترک کرنے والے پر کیا واجب آتا ہے؟ کنیز نے کہا کہ حدیث میں آیا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر کسی عذر کے تماز ترک کی' اس کے لئے اسلام میں کوئی حصہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو چالیس ویں رات

چار سو چالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز نے حدیث بیان کی تو اس فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ نماز ہے کیا؟ کنیز نے کہا کہ نماز بندے اور اس کے پروردگار کے درمیان ایک لڑی ہے اور اس میں دس خوبیاں ہیں: قلب کی روشنی' چہرے کی رونق' خدا کی خوشنودی' شیطان کی ناراضگی' بلا کا دور ہونا' دشمنوں کے شر سے بچا رہنا' رحمت کا زیادہ ہونا' عذاب سے محفوظ رہنا بندے کا اپنے مولیٰ سے تقرب' بری اور فحش باتوں سے دوری۔ نماز ہر ایک پر فرض کی گئی ہے اور وہ دین کی پشت و پناہ ہے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ نماز کی کنجی کیا ہے؟ کنیز نے کہا وضو۔ اس نے کہا وضو کی کنجی؟ کنیز نے کہا خدا کا نام لینا۔ اس نے پوچھا اور خدا کے نام لینے کی کنجی؟کنیز نے کہا یقین۔ اس نے پوچھا اور یقین کی کنجی؟ کنیز نے کہا توکل۔ اس نے پوچھا توکل کی کنجی؟ کنیز نے کہا امید۔ اس نے کہا امید کی کنجی؟ کنیز نے کہا طاعت؟ اس نے پوچھا طاعت کی کنجی؟ کنیز نے کہا خدا کی وحدانیت کا اعتراف اور اس کی ربوبیت کا اقرار۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وضو میں کتنے فرض ہیں؟ کنیز نے کہا کہ امام شافعی محمد بن ادریس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی رو سے چھ ہیں: منہ دھونے کے وقت نیت کرنا' منہ دھونا' دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک دھونا' سر کے ایک حصے کا مسح کرنا۔ دونوں پاوں کا ٹخنوں سمیت دھونا اور ترتیب۔ اور سنتیں دس ہیں: بسم اللہ پڑھنا اور برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے دونوں ہتھیلیوں کا دھونا' کلی کرنا' ناک میں پانی ڈالنا' سارے سر کا مسح کرنا' نئے پانی سے کانوں کے اندر اور باہر مسح کرنا۔ گھنی داڑھی میں خلال کرنا' ہاتھوں اور پاؤں کی انگلیوں میں خلال کرنا۔ دہنی طرف کو بائیں پر مقدم کرنا اور ہر عضو کا تین بار دھونا

اور پے در پے وضو کرنا۔ جب وضو ختم کر چکے تو یہ پڑھے: "اشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان محمد عبدہ و رسولہ' اللھم اجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطھرین سبحانک اللھم و بحمدک اشھد ان لا الہ الا انت استغفرک و اتوب الیک....."

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو کوئی وضو کے بعد یہ دعا پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں' جس دروازے سے اس کا جی چاہے' داخل ہو۔

اس نے کہا: شاباش۔

اس شخص نے کہا کہ جب انسان وضو کا ارادہ کرتا ہے تو اس کے پاس فرشتے اور شیاطین کس طرح آتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ جب انسان وضو کی تیاری کرتا ہے تو دہنی طرف سے فرشتے اور بائیں طرف سے شیاطین اس کے پاس سے بھاگ جاتے ہیں اور فرشتے اس کے اوپر ایک نور کا خیمہ لگاتے ہیں جس میں چار طنابیں ہوتی ہیں اور ہر طناب کے ساتھ ایک فرشتہ جو اس وقت تک خدا کی تسبیح بیان کرتا اور بندے کے لئے مغفرت کرتا رہتا ہے جب تک کہ وہ چپ رہے یا ذکر کرتا رہے اور اگر اس نے وضو سے پہلے خدا کا ذکر کیا اور وضو کرتے وقت چپ نہ رہا تو اس پر شیاطین قبضہ کر لیتے ہیں' فرشتے لوٹ جاتے ہیں اور شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے۔ یہاں تک کہ اسے شک پیدا ہو جاتا ہے اور وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اچھا وضو شیطان کو بھگاتا اور بادشاہ کے ظلم سے بچاتا ہے' اور یہ بھی ارشاد کیا ہے کہ اگر کوئی شخص بے وضو ہو اور اس پر کوئی بلا نازل ہو تو اسے چاہیے کہ محض اپنے آپ کو ملامت کرے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ نیند سے اٹھ کر کیا کرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا کہ برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے تین بار انہیں دھونا چاہیے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب غسل کے فرائض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ غسل کے فرائض یہ ہیں: نیت اور سارے جسم پر بال اور کھال سمیت پانی پہنچانا اور سنتیں: پہلے وضو کرنا' بدن ملنا اور بالوں میں خلال کرنا اور پاؤں دھونے میں تاخیر کرنا'

ایک قول کے مطابق غسل کے بعد تک۔ فقیہ نے کہا شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکتالیس ویں رات

جب چار سو اکتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ تیمیم کس وقت کیا جاتا ہے اور اس میں کیا فرض ہے اور کیا سنت؟ کنیز نے کہا کہ تیمیم کے سبب سات ہیں: پانی کا ناپید ہونا' خوف' پانی کی ضرورت' اس کا سفر کے سامان گم ہو جانا' مرض' پٹی' زخم۔

اس کے فرائض چار ہیں: نیت اور مٹی منہ پر ہاتھ سے ملنا اور دونوں ہاتھوں پر۔ اس کی سنتیں: بسم اللہ پڑھنا اور دہنی طرف کو بائیں طرف پر مقدم کرنا۔ فقیہہ نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ نماز کی شرائط اور اس کے ارکان اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ شرائط پانچ ہیں: اعضا کی پاکی' شرم گاہ کا ڈھانکنا' وقت کا ہونا' خواہ یقین یا گمان کے ساتھ' قبلہ رو ہونا اور پاک جگہ پر کھڑا ہونا۔ فاتحہ اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور امام شافعی کے مذہب کی رو سے ایک آیت پڑھنا۔ اطمینان کے ساتھ رکوع کرنا' اطمینان کے ساتھ کھڑا ہونا۔ اطمینان کے ساتھ سجدہ کرنا۔ اطمینان کے ساتھ دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا' آخری تشہد کے لئے بیٹھنا۔ بنی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنا' پہلا سلام اور ایک قول کے موافق نماز ختم کرنے کی نیت۔

نماز کی سنتیں یہ ہیں: اذان' اقامت' دونوں ہاتھ اٹھانا۔ نیت کرتے وقت افتتاحی دعا' اعوذ باللہ پڑھنا' آمین کہنا۔ فاتحہ کے بعد سورت پڑھنا' ایک حالت سے دوسری پر جاتے وقت اللہ اکبر کہنا' سمع اللہ لمن حمدہ و ربنا لک الحمد کہنا' بعض چیزیں زور سے پڑھنا اور بعض آہستگی سے' پہلا تشہد اور اس کے لئے بیٹھنا' دوسرے تشہد اور تسلیم کے وقت رسول اللہ پر درود بھیجنا اور ان کی اولاد پر درود بھیجنا۔ فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب یہ بتا کہ زکوٰہ کن کن چیزوں میں واجب آتی ہے؟ کنیز نے کہا سونے' چاندی' اونٹوں' بھیڑوں'

بکریوں گائے بیلوں‘ گیہوں‘ جو‘ باجرے اور آٹے‘ پھلیوں‘ چنوں چاولوں‘ کشمشوں اور چھواروں میں۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب فقیہ نے پوچھا کہ کتنے سونے پر زکوٰہ واجب ہوتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ بیس مثقال سے کم پر زکوٰہ نہیں۔ جب بیس پورے ہو جائیں تو اس پر آدھا مثقال اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہ نے کہا کہ کس قدر چاندی پر زکوٰہ واجب ہوتی ہے۔ کنیز نے کہا کہ دو سو درہم سے کم پر زکوٰہ نہیں۔ اگر دو سو پورے ہو جائیں تو پانچ درہم اور اسی حساب سے اس سے زیادہ پر۔ فقیہ نے کہا کہ شاباش! اب یہ بتا کہ اونٹوں میں کتنے پر واجب ہے؟ کنیز نے کہا پانچ سے پچیس اونٹوں تک ایک گابھن اونٹنی۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب یہ بتا کہ کتنی بھیڑوں پر زکوٰہ واجب آتی ہے؟ کنیز نے کہا پوری چالیس پر ایک بھیڑ۔ اس نے کہا‘ شاباش! اب روزے اور اس کے فرائض کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا روزے میں فرض یہ ہیں: نیت اور کھانے پینے‘ جماع اور عمداً قے کرنے سے بچنا۔ روزہ ہر بالغ عاقل پر واجب ہے جو حیض و نفاس سے پاک ہو اور روزہ اس وقت فرض ہوتا ہے جب چاند دکھائی دے یا ایسا شخص گواہی دے جس کی سچائی پر اعتماد ہو‘ واجب‘ رات کے وقت نیت کرنا ہے۔ سنت: افطار میں جلدی کرنا اور سحری میں دیر کرنا اور سوائے اچھی باتوں کے زبان پر نہ لانا‘ خدا کی یاد اور قرآن کی تلاوت۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ کنیز نے کہا کہ تیل اور سرمہ لگانا‘ راہ کی گرد اور تھوک نگلنا۔ احتلام سے منی کا خارج ہونا اور غیر عورت کی طرف دیکھنا‘ فصد کھولنا اور سینگی لگوانا۔ ان تمام باتوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔ فقیہہ نے کہا کہ شاباش! اب عیدین کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا دو رکعتیں بغیر اذان اور اقامت کے لیکن نماز جماعت

سے ہونی چاہیے۔ پہلی رکعت میں علاوہ احرامی تکبیر کے سات تکبیریں اور دوسری رکعت میں علاوہ قیام کی تکبیر کے پانچ تکبیریں ہیں‘ یہ ہے امام شافعی کا مذہب‘ پھر تشہد۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○○○

• چار سو بیالیس ویں رات

چار سو بیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز نے فقیہ سے عیدین کی نماز کے متعلق بیان کیا تو اس نے کہا شاباش! اب سورج گرہن اور چاند گرہن کی نماز کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ دو دو رکعتیں بغیر

اذان اور اقامت کے' ہر رکعت میں دو قیام' دو رکوع' دو سجدے' دو جلسے' دو تشہد اور دو سلام۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب بارش طلب کرنے کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا بغیر اذان اور اقامت کے' مگر تشہد پڑھا جائے اور سلام پھیرا جائے اور جس طرح عیدین کے خطبے میں تکبیریں پڑھی جاتی ہیں اس میں خدا سے استغفار کیا جاتا ہے اور چادر الٹ کر اوڑھی جاتی ہے۔ اس طرح سے کہ نیچے کا حصہ اوپر' اوپر کا نیچے اور دعا مانگی اور تضرع و زاری کی جاتی ہے۔ فقیہ نے کہا شاباش! اب وتر کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از کم ایک رکعت اور زیادہ سے زیادہ گیارہ رکعتیں ۔ اس

نے کہا شاباش! اور چاشت کی نماز کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا کم از دو اور زیادہ سے زیادہ بارہ۔ وہ بولا شاباش! اچھا اعتکاف کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا وہ سنت ہے۔ پوچھا اس کی شرط کیا ہے؟ کنیز نے کہا کہ نیت اور یہ کہ معتکف بغیر ضرورت کے مسجد سے نہ نکلے۔نہ عورتوں سے ہم بستر ہو' روزے رکھے اور بات چیت کرنا بند کر دے۔ اس نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ حج کب واجب ہوتا ہے؟ کنیز نے کہا بالغ اور عاقل مسلمان پر بشرطیکہ اسے استطاعت ہو اور وہ عمر میں ایک بار مرنے سے پہلے فرض ہے۔ اس نے پوچھا کہ حج کے فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام اور عرفے میں ٹھہرنا' طواف اور دوڑنا' سر منڈوانا اور بال کتروانا۔ اس نے پوچھا کہ عمرے کے

فرائض کیا ہیں؟ کنیز نے کہا احرام' طواف اور دوڑنا۔ پوچھا کہ احرام میں کیا کیا چیزیں فرض ہیں؟ کنیز نے کہا' سلے ہوئے کپڑے نہ پہننا' نہ عطر لگانا' نہ سر منڈوانا' نہ ناخن کاٹنا' نہ شکار کرنا' نہ مجامعت کرنا۔ اس نے پوچھا حج میں سنتیں کیا کیا ہیں کنیز نے کہا لبیک کہنا' قدوم کا طواف' وداع' مزدلفہ' اور منیٰ میں رات گزارنا اور کنکریاں پھینکنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ جہاد کیا ہے اور اس کے ارکان کیا ہیں؟ کنیز نے کہا ارکان یہ ہیں: کفار کا ہم پر حملہ کرنا' امام کا موجود ہونا' تیاری اور لڑائی کے وقت ثابت قدمی جہاد میں سنت ہے لوگوں کو لڑائی پر آمادہ کرنا کیونکہ خدا فرماتا ہے: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! مومنوں کو جنگ پر آمادہ کر۔ اس نے کہا شاباش! اب بیع کے فرض اور سنتیں بیان کر۔ کنیز نے کہا کہ فرض یہ ہیں: ایجاب اور قبول' اور یہ کہ بیچنے والا جو چیز بیچے وہ اس کی ملکیت ہو' وہ اس سے فائدہ اٹھاتا ہو اور وہ تسلیم کی جا سکے۔ بیاج نہ لینا۔ اور سنتیں یہ ہیں: اقالہ اور اختیار قبل اس کے کہ دونوں جدا ہوں۔ وہ بولا شاباش! اب وہ چیزیں بتا جو ایک دوسرے کے عوض میں نہیں دی جا سکتیں۔ کنیز نے کہا کہ اس کے متعلق مجھے ایک حدیث یاد ہے جو نافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔ آپ نے منع کیا کہ چھوارے کھجوروں کے بدلے نہ بیچے جائیں نہ تر انجیر خشک انجیر کے بدلے۔ نہ سوکھا گوشت تازے گوشت کے بدلے' نہ مکھن چربی کے بدلے' غرض کہ تمام ایسی کھانے کی اشیاء جو ایک ہی قسم کی ہوں۔

فقیہ نے اس کی باتیں سنیں تو سمجھ گیا کہ وہ بڑی ذکی فطیں ہے اور فقہ' حدیث اور تفسیر وغیرہ کی عالم ہے۔ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اب مجھے کوئی چال چلنی چاہیے تا کہ میں اسے امیر المومنین کی مجلس میں نیچا دکھاؤں۔

یہ سوچ کر اس نے کہا کہ اے کنیز' لغت میں وضو کے کیا معنی ہیں؟ کنیز نے کہا: لغت میں وضو کے معنی ہیں صفائی اور گندگی کے دور ہونے کے۔ فقیہ نے کہا کہ لغت

میں صلوٰۃ کے کیا معنی ہیں؟ کنیز نے کہا کہ نیکی کی دعا کرنا۔ اس نے پوچھا اور غسل کے معنی؟ کنیز نے کہا پاک کرنا۔ اس نے پوچھا صوم کے معنی؟ کنیز نے کہا: روکنا۔ اس نے پوچھا اور زکوٰۃ کے معنی؟ کنیز نے کہا: زیادتی۔ اس نے پوچھا: حج؟ کنیز نے کہا: جانا۔ اس نے پوچھا: جہاد؟ کنیز نے کہا: دفع کرنا۔ اب فقیہ کی ساری لن ترانیاں ختم ہو گئیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تینتالیس ویں رات

چار سو تینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب فقیہ کی ساری دلیلیں ختم ہوگئیں تو وہ اٹھ کر کہنے لگا کہ اے امیر المومنین' میں تجھے اس

بات کا گواہ بناتا ہوں کہ کنیز فقہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ کنیز بولی میں تجھ سے ایک بات پوچھتی ہوں اور اگر تو اس کا جواب دے سکتا ہے تو جلد دے۔ اس نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا کہ دین کے ستون کیا ہیں؟ اس نے کہا کہ دس: پہلا شہادت اور وہ ملت ہے' دوسرا نماز اور وہ فطرت ہے' تیسرا زکوٰہ اور وہ طہارت ہے' چوتھا روزہ اور وہ حفاظت ہے' پانچواں حج اور وہ شریعت ہے' چھٹا جہاد اور وہ کفایت ہے' ساتواں اور آٹھواں نیکی کی ترغیب دینا اور بدی سے منع کرنا اور غیرت ہے' نواں جماعت اور وہ الفت ہے' دسواں علم حاصل کرنا اور وہ عمدہ طریقہ ہے۔ کنیز نے کہا: شاباش اب ایک مسئلہ باقی ہے۔ اسلام کے اصول کیا ہیں؟ اس نے کہا چار: عقد کی صحت' ارادے کی سچائی' حدود کی حفاظت اور وعدہ وفائی۔

کنیز نے کہا ایک مسئلہ اور باقی ہے اور اگر تو نے جواب دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ اس نے کہا کہہ اے کنیز۔ کنیز نے پوچھا کہ اسلام کے فروع کیا ہیں؟ فقیہ تھوڑی دیر چپ رہا اور کچھ جواب نہ دیا۔ کنیز نے کہا کہ اپنی عبا اتار ڈال' میں انہیں تفصیل کے ساتھ بیان کرتی ہوں۔ امیر المومنین نے کہا تو تفصیل کے ساتھ بیان کر' میں اس کے کپڑے اتار کر تجھے دوں گا۔ کنیز نے کہا' وہ باتیں ہیں ------- قرآن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا' رسول اللہ کی اقتدا' تکلیف نہ پہنچانا' حلال کھانا' حرام سے پرہیز کرنا' ظلم کو ظالموں کی طرف رد کرنا' توبہ' دین کا علم' دوست کی محبت' وحی کی پیروی' پیغمبروں کی تصدیق' بدعت کا ڈر' سفر کی تیاری' یقین کی قوت' باوجود قدرت کے عفو کرنا' باوجود ضعف کے قدرت رکھنا' مصیبت کے وقت صبر' خدا کی معرفت' اس

چیز کی معرفت جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں' ملعون ابلیس کی مخالفت' نفس کا مجاہدہ اور اس کی مخالفت' خدا کے لئے خلوص۔

جب امیر المومنین نے اسے یہ کہتے سنا تو حکم دیا کہ فقیہ اپنے کپڑے اور چادر اتار ڈالے۔ فقیہ نے انہیں اتار ڈالا اور امیر المومنین کے سامنے سے شرمندہ ہو کر چلا گیا۔

اب ایک دوسرے شخص نے اٹھ کر کہا اے کنیز' مجھ سے بھی چند مسئلے سن لے۔

کنیز نے کہا کہہ۔ اس نے پوچھا کہ بہترین تسلیم کسے کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا قضا و قدر' جنس اور اجل جو معلوم ہیں۔ اس نے کہا شاباش! کھانے کے فرض اور سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا فرض یہ ہیں: اس بات کا اعتراف کرے کہ خدا اسے رزق دیتا اور کھلاتا پلاتا ہے اور ان چیزوں پر اس کا شکر گزار ہونا۔ اس نے کہا شکر کیا ہے؟ کنیز نے کہا بندہ ان تمام چیزوں کو جو خدا نے اسے دی ہیں ان پر خرچ کرے جنہیں خدا نے ان کے لئے پیدا کیا ہے۔ اس نے کہا کھانے کی سنتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا بسم اللہ کہنا' دونوں ہاتھ دھونا' بائیں چوتڑ پر بیٹھنا' تین انگلیوں سے کھانا اور اس چیز میں سے کھانا جو قریب ہو۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کھانے کے آداب کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ چھوٹے چھوٹے لقمے لینا اور اپنے پاس بیٹھنے والی کی طرف کم دیکھنا' اس نے کہا' شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو چوالیس ویں رات

جب چار سو چوالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- فقیہ نے کہا شاباش! اب بتا کہ قلب کے عقائد اور ان کے اضداد کیا ہیں؟ کنیز نے جواب دیا عقائد تین ہیں اور اضداد بھی تین: پہلے ایمان کا اعتقاد اور اس کی ضد کفر سے بچنا' دوسرے سنت کا اعتقاد اور اس کی ضد بدعت سے بچنا' تیسرے طاعت کا اعتقاد اور اس کی ضد معصیت سے بچنا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وضو کے شرائط کیا ہیں؟ کنیز نے کہا کہ اسلام اور تمیز' پانی کا پاک ہونا اور حسی و شرعی مانع کا نہ ہونا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایمان کیا ہے؟ کنیز نے کہا کہ ایمان کی نو قسمیں ہیں: معبود پر ایمان رکھنا' عبودیت پر ایمان رکھنا' خصوصیت پر ایمان رکھنا' قبضتین پر ایمان رکھنا' قضا و قدر پر ایمان رکھنا' ناسخ پر ایمان رکھنا' منسوخ پر ایمان رکھنا' خدا اور اس کے فرشتوں اور پیغمبروں پر ایمان رکھنا' قضا و قدر کی بھلائی اور برائی اور مٹھاس اور کڑواہٹ پر ایمان رکھنا۔ اس نے کہا شاباش! اب وہ تین چیزیں بتا جن سے تین چیزیں زائل ہو جاتی ہیں۔ کنیز نے کہا۔ سفیان ثوری سے روایت ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں کو زائل کر دیتی ہیں: پارساؤں کی تحقیر آخرت کو زائل کر دیتی ہے' بادشاہوں کی تحقیر جان کو اور خیرات کی تحقیر مال کو۔ اس نے کہا شاباش! اب آسمانوں کی کنجیوں کے متعلق بتا اور یہ کہ اس کے کتنے دروازے ہیں۔ کنیز نے کہا کہ خدا نے فرمایا ہے کہ "آسمانوں کو کھولا گیا یہاں تک کہ اس کے کئی دروازے ہو گئے۔" اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ آسمان کے دروازوں کی تعداد سوا اس کے خالق کے کسی کو معلوم نہیں۔ ہر انسان کے لئے آسمان میں دو دروازے ہیں۔ ایک وہ جس سے اس کا رزق اترتا ہے اور دوسرا وہ جس سے اس کے اعمال اوپر چڑھتے ہیں۔ رزق کا دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوتا جب تک کہ زندگی ختم نہ ہو جائے اور اعمال کا

دروازہ اس وقت تک بند نہیں ہوتا جب تک کہ اس کی روح اوپر نہ چڑھ جائے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ ایک چیز کیا ہے اور آدھی کیا اور ہیچ کیا؟ کنیز نے کہا ایک چیز مومن ہے' آدھی چیز منافق اور ہیچ کافر۔

اس نے کہا شاباش! اب قلوب کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سلیم قلب اور سقیم قلب' تائب 'قلب' خبردار کرنے والا قلب اور خدا سے ڈرنے والوں کا' خبردار کرنے والا ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دل اور روشن قلب ان کی پیروی کرنے والوں کا۔

علماء کے دل تین قسم کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو دنیا سے وابستہ ہو' دوسرا آخرت سے اور تیسرا خدا سے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ دل تین طرح کے ہوتے ہیں: معلق دل جو کافر ہے۔ معدوم جو منافق کا ہے اور ثابت جو مومن کا ہے۔ یہ بھی ایک مقولہ ہے کہ دل کی یہ تین قسمیں ہیں: ایک وہ جو نور اور ایمان سے بھرا ہوا ہو' دوسرا وہ جو ہجر کے خوف سے زخمی ہو' تیسرا وہ جو ناکامی سے ڈرتا ہو۔ اس نے کہا شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پینتالیس ویں رات

جب چار سو پینتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- فقیہ نے کہا شاباش! کنیز نے کہا امیر المومنین' اس نے اتنے سوال کئے کہ تھک گیا۔ اب میں اس سے دو باتیں پوچھتی ہوں اگر اس نے جواب دے دیا تو خیر' ورنہ میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔ فقیہ نے کہا کہ جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ کنیز نے کہا کہ ایمان کے بارے میں تو کیا کہتا ہے؟ اس نے کہا کہ ایمان اس کا نام ہے کہ زبان سے اقرار ہو' دل سے تصدیق اور اعضا سے عمل' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ مومن کا ایمان اس وقت تک پورا نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں یہ پانچ باتیں پورے طور سے نہ ہوں: خدا پر بھروسہ' اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینا' اس کے حکموں کو ماننا' اس کی تقدیر پر راضی رہنا اور یہ کہ اس کے سارے کام خدا کے لئے ہوں' جو شخص خدا کے لئے محبت کرتا ہے' اسی کے لئے بخشش کرتا ہے اور اسی کے لئے اپنے آپ کو روکتا ہے تو اس کا ایمان بھرپور ہے۔ کنیز نے کہا کہ فرض کا فرض کیا ہے۔ وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو۔ وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو اور وہ فرض جس میں تمام فرض ڈوب جائیں؟ اور وہ سنت کیا ہے جو فرض کے اندر داخل ہو اور وہ سنت جس سے فرض پورا ہو۔ فقیہ چپ ہو گیا' اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ امیر المومنین نے کنیز سے کہا کہ تو خود بیان کر اور فقیہ سے کہا کہ کپڑے اتار کر اسے دے دے۔ کنیز نے کہا اے فقیہ' فرض کا فرض خدا کی معرفت ہے وہ فرض جو ہر فرض کے شروع میں ہو اس بات کی گواہی ہے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ وہ فرض جس کی ضرورت ہر فرض کو ہو' وضو ہے وہ سنت جو فرض کے اندر داخل ہو' انگلیوں اور گھنی داڑھی میں خلال کرنا ہے' وہ سنت جس سے فرض پورا ہو ختنہ ہے۔ اب فقیہ کی نا قابلیت ثابت ہو گئی اور وہ کھڑا

ہو کر کہنے لگا کہ امیر المومنین' خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز فقہ وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اتار ڈالے اور کھسیانا ہو کر چل دیا۔

اب قرآن داں کے ساتھ جو پیش آیا' وہ سنئے۔ کنیز ان عالموں کی طرف متوجہ ہوئی جو باقی رہ گئے تھے اور کہنے لگی تم میں سے بڑا قرآن داں کون ہے جو ساتوں قراتوں سے واقفیت رکھتا ہو اور نحو اور لغت کا عالم ہو؟ یہ سن کر ایک قرآن داں اٹھا اور اس کے سامنے آ کر بیٹھ گیا اور بولا کیا تو نے قرآن پڑھا ہے' اس کی آیتوں' ناسخ و منسوخ' محکم و متشابہ' مکی اور مدنی کا علم تجھے ہے اور اس کی تفسیر' روایات اور قرات کے اصول تو جانتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا ہاں۔ اس نے پوچھا قرآن میں کتنی سورتیں ہیں' کتنے عشور' کتنی آیتیں' کتنے حروف' کتنے سجدے' کتنے نبیوں کا ذکر ہے اور کتنی مدنی اور کتنی مکی سورتیں ہیں اور کتنی چڑیوں کا ذکر ہے؟ کنیز نے کہا اے میرے آقا' قرآن میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں' منجملہ ان کے ستر مکی اور چوالیس مدنی۔ عشور کی تعداد چھ سو اکیس ہے' آیتیں چھ ہزار دو چھتیس ہیں۔ الفاظ اناسی ہزار چار سو انتالیس' حرف تین لاکھ تینتیس ہزار چھ سو ستر' ہر حرف کے بدلے پڑھنے والے کو دس بھلائیاں ملتی ہیں۔ سجدوں کی تعداد چودہ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھیالیس ویں رات

جب چار سو چھیالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- کنیز نے قرآن داں کا جواب دیتے ہوئے کہا جن نبیوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے وہ پچیس ہیں۔ آدم' نوح ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب' یوسف' السیع' یونس' لوط' صالح' ھود' شعیب' داؤد' سلیمان' ذو الکفل' ادریس' الیاس' یحییٰ' زکریا' ایوب' موسیٰ' ہارون' عیسیٰ' محمد صلوات اللہ علیہم اجمعین۔

چڑیاں نو ہیں جن کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے: اس نے پوچھا کہ ان کے نام کیا ہیں؟ کنیز نے کہا: مچھر' شہد کی مکھی' مکھی' چیونٹی' ہدہد' کوا' ٹڈی' ابابیل اور حضرت عیسیٰ کی چڑیا یعنی چمگادڑ۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا قرآن میں کون سی سورت سب سے افضل ہے؟ کنیز نے کہا کہ سورہ البقرہ۔ اس نے پوچھا کون سی آیت سب سے بڑی ہے؟ کنیز نے کہا: 'آیت الکرسی' اس میں پچیس لفظ ہیں اور ہر لفظ میں پچاس برکتیں۔ اس نے کہا: کس آیت میں نو آیات ہیں؟ کنیز نے کہا کہ اس آیت میں:

ان فی خلق السموت والارض واختلاف اللیل والنہار والفلک التی تجری.... الخ

اس نے کہا شاباش! پھر اس نے پوچھا کون سی آیت عدل کے متعلق ہے؟ کنیز نے کہا کہ

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان......

اس نے پوچھا: طمع کے متعلق؟

کنیز نے کہا:

ایطمع کل امرع منھم ان یدخل جنتہ نعیم......

اس نے پوچھا: رجا کے متعلق؟

کنیز نے کہا:

قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمہ اللہ...... الخ

اس نے کہا: شاباش! اب بتا تو قرآن کس قرات سے پڑھتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ جنت

والوں کی قرات سے جو نافع کی قرات ہے۔ اس نے پوچھا وہ کون سی آیت ہے جس میں نبی کے سامنے جھوٹ بولنے کا ذکر ہے؟

کنیز نے کہا:

وجاوا علی قمیصہ بدم کذب......

یہ لوگ یوسف کے بھائی تھے۔

اس نے کہا کس آیت میں کافروں نے سچ بولا ہے؟

کنیز نے کہا:

وقالت لیھود لیست النصاری علی شئی ..... الخ....

اس میں دونوں نے سچ کہا ہے۔

اس نے کہا: کون سی آیت خدا نے اپنی ذات کے لئے اتاری ہے؟

کنیز نے کہا:

و ما خلقت الجن والانس الا لیعبدون....

اس نے کہا: کس آیت میں فرشتوں کا قول ہے؟

کنیز نے کہا:

و نحن نسبح بحمد ک نقدس لک....

اس نے کہا: "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم" کے متعلق جو کچھ اس کے بارے میں آیا بیان کر۔

کنیز نے کہا: خدا کا واجب حکم ہے کہ تعوذ قرآن پڑھنے کے ساتھ پڑھی جائے۔ اس پر خدا کا قول دلالت کرتا ہے کہ

فاذا قرات القرآن فاستعبذ باللہ من لشیطان الرجیم....

اس نے کہا: استعاذہ کس کس طرح کیا جاتا ہے اور ان میں ایک اختلاف ہے؟ کنیز نے کہا: بعض لوگ اس طرح استعاذہ کرتے ہیں کہ

اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم....

اور بعض اس طرح سے کے "اعوذ باللہ القوی......" لیکن بہترین وہ ہے جو خود قرآن میں آیا ہے اور جس کے متعلق حدیثیں ہیں ------- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قرآن

پڑھتے تو کہتے کہ "اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم....." نافع رضی اللہ تعالی عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت نماز پڑھتے تو کہتے کہ

اللہ اکبر کبیرا والحمد للہ کثیرا و سبحان اللہ بکرہ و اصیلا.....

اس کے بعد کہتے

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم و من ھمزات الشیاطین و نزغاتھم....

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ پہلے پہل جب جبرئیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تو انہیں استعاذہ سکھایا اور کہا کہ اے محمد! کہہ -------

اعوذ باللہ السمیع العلیم......

پھر کہہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس کے بعد کہہ

اقرا باسم ربک الذی خلق....... خلق الانسان من علق......

جب قرآن داں نے اس کا جواب سنا تو دنگ رہ گیا کہ اس میں اتنی فصاحت اور علم و فضل ہے۔

پھر اس نے کہا کہ اے کنیز! بتا' آیا بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قرآن کی آیتوں میں سے ایک آیت ہے؟

کنیز نے کہا: ہاں! سورہ النمل میں ایک آیت ہے اور اسی طرح دو سورتوں کے بیچ میں ایک آیت ہے۔ اس کے متعلق علماء میں بہت کچھ اختلاف ہے۔

اس نے کہا: شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سینتالیسویں رات

جب چار سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- فقیہ نے کہا: شاباش! اب بتا کہ سورہ البراہ کے پہلے بسم اللہ کیوں نہیں لکھی جاتی؟ کنیز نے

کہا کہ جب یہ سورت اتری ہے اس کا منشا یہ تھا کہ جو عہد و پیمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین کے درمیان ہے توڑ ڈالا جائے تو آپ نے علی کرم اللہ وجہ کو اسے لے کر حج کے زمانے میں بھیجا' انہوں نے پڑھ کر سنایا مگر اس کے ساتھ بسم اللہ نہ پڑھی۔ اس نے کہا بسم اللہ کی فضیلت اور برکت بیان کر۔ کنیز نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس چیز پر بھی بسما للہ

پڑھی جائے گی اس میں برکت ہو گی اور یہ بھی آپ ہی کا قول ہے کہ خدا نے اپنی عزت کی قسم کھا کر کہا کہ جس بیمار پر بھی بسم اللہ پڑھی جائے گی اس کی بیماری دور ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ جب خدا نے عرش پیدا کیا تو وہ بہت ہل ڈل رہا تھا: پھر اس پر اس نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھا اور وہ ساکن ہو گیا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بسم اللہ نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ تین چیزوں سے میں محفوظ ہو گیا: زمین میں دھنسنے' مسخ ہونے اور غرق ہونے سے۔ اس کی فضیلتیں بڑی ہیں اور برکتیں بہت' تشریح بہت لمبی چوڑی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ ایک شخص قیامت کے دن پیش کیا جائے گا اور محاسبہ کرنے سے معلوم ہو گا کہ اس کی ایک بھی نیکی نہیں اور اسے دوزخ میں جانے کا حکم دیا جائے گا۔ وہ کہے گا کہ خداوند تونے میرے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ خدا کہے گا کہ کس طرح؟ وہ کہے گا کہ اے میرے پروردگار تو نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا اور چاہتا ہے کہ مجھے

دوزخ کا عذاب دے۔ خدا کہے گا کہ میں نے اپنا نام رحمٰن اور رحیم رکھا ہے' میری رحمت کی بنا پر میرے بندے کو جنت میں لے جاؤ کیونکہ میں تمام رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہوں۔ فقیہ نے کہا: شاباش! اب بتا کہ بسم اللہ کی ابتدا کیسے ہوئی؟ کنیز نے کہا: جس وقت خدا نے قرآن اتارنا شروع کیا تو لوگ باسمک اللھم لکھا کرتے تھے۔ جب خدا نے یہ آیت نازل کی کہ "قل ادعو اللہ اودعو الرحمٰن...... الخ... تو لوگوں نے بسم اللہ الرحمٰن لکھنا شروع کیا' پھر جب یہ آیت اتری کہ الھکم الہ واحدہ لا الہ الا ھو الرحمٰن الرحیم.... تو اس وقت سے لوگ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگے۔

فقیہ نے یہ باتیں سن کر سر نیچا کر لیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ عجیب و غریب بات ہے' بسم اللہ کی ابتدا اس نے کس خوبی سے بیان کی: اگر میں نے کوئی تدبیر نہ نکالی تو میں اس پر غالب نہیں آ سکتا۔ اب اس نے کہا کہ اے کنیز خدا نے سارا قرآن ایک بار آتا ہے یا ٹکڑے ٹکڑے کر کے؟

کنیز نے کہا' جبرئیل نے خدا کی طرف سے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ قرآن امر و نہی' وعدہ و وعید اور اخبار و امثال کی شکل میں تیئس سال کے اندر ضرورت کے موافق ٹکڑے ٹکڑے کر کے اتارا۔

اس نے کہا کہ شاباش! اب بتا کہ پہلی سورت کون سی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری؟ کنیز نے کہا کہ ابن عباس کے قول کے موافق سورہ العلق اور جابر بن عبد اللہ کے موافق سورہ المدثر' اس کے بعد باقی سورتیں اور آیتیں اترتی رہیں۔ اس نے کہا کہ آخری آیت کون سی اتری ہے؟ کنیز نے کہا ربا کی آیت ہے اور دوسری روایت کے مطابق اذا جاء نصراللہ والفتح.....

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اڑتالیس ویں رات

جب چار سو اڑتالیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- کنیز نے کہا کہ اذا جاء نصراللہ والفتح.... اس نے کہا' شاباش! اب بتا کہ کتنے صحابیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں قرآن جمع کیا تھا۔ کنیز نے کہا چار نے: ابی بن کعب' زید بن حارث' ابو عبیدہ عامر بن الجراح اور عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ وہ قاری کون کون سے ہیں جن سے قرات لی گئی ہے؟ کنیز نے کہا وہ چار ہیں: عبد اللہ بن مسعود' ابی بن کعب' معاذ بن جبل اور سالم بن عبداللہ۔ اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے کہ تعلم مافی نفسی ولا اعلم مافی نفسک؟.... کنیز نے کہا تو میری حقیقت اور تمام رازوں سے واقف ہے اور میری تیری کوئی چیز نہیں جانتا۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کہ انک الںت علام الغیوب.... اس نے کہا کہ اس آیت کے متعلق تیرا کیا خیال ہے یا ایھا الذین امنوالا تحر مواطیبات ما احل اللہ لکم... کنیز نے کہا شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ وہ مسلمانوں کا ایک گروہ تھا جو کہتے تھے کہ ہم اپنے تناسل کے آلوں کو کاٹ ڈالیں گے اور بال کے کپڑے پہنیں گے' اس پر یہ آیت اتری۔ قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ یہ آیت چند صحابیوں کے متعلق اتری ہے اور وہ یہ ہیں: علی ابن ابی طالب' عثمان بن معصب وغیرہ جو کہتے تھے کہ ہم اپنے آپ کو خصی کر ڈالیں گے اور بالوں کے کپڑے پہن کر راہب بن جائیں گے۔ اس نے کہا اس آیت کے متعلق تو کیا کہتی ہے کہ واتخذ اللہ ابراھیم خلیلا... کنیز نے کہا: خلیل کے معنی ہیں محتاج اور فقیر کے اور ایک اور قول کے موافق دوست کے جو سب کچھ چھوڑ کر خدا کا ہو لیا ہو اور اس کے ساتھ یکسوئی حاصل ہو گئی ہو۔

جب اس قرآن داں نے دیکھا کہ وہ بادل کی طرح بولتی چالتی ہے اور جواب دینے میں ذرا بھی نہیں رکتی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے امیر المومنین' خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز قرات وغیرہ میں مجھ سے زیادہ عالم ہے۔ اب کنیز نے کہا کہ میں تجھ سے فقط ایک مسئلہ پوچھتی ہوں' اگر تو نے جواب دے دیا تو خیر ورنہ میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ امیر المومنین نے کہا: پوچھ۔ کنیز نے کہا: وہ کون سی آیت ہے جس میں تیئیس کاف ہیں اور کس آیت میں سولہ میم ہیں او کس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں اور کس حزب میں میں جلالت نہیں؟ قرآن داں اس کا جواب دینے سے عاجز ہو گیا۔ کنیز نے کہا: اپنے کپڑے اتار' اس نے کپڑے اتار دیئے اور کنیز نے کہا اے امیر المومنین! جس آیت میں سولہ میم ہیں وہ سورہ ھود میں ہے کہ قیل یانوح اھبط بسلام منا و برکات علیک...... الخ...... جس آیت میں تیئیس کاف ہیں وہ سورہ البقرہ میں ہے وہ آیت الدین ہے اور جس آیت میں ایک سو چالیس عین ہیں وہ سورہ الاعراف میں ہے کہ واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا.... الخ.... جس حزب میں جلالت نہیں وہ یہ ہے: اقتربت الساعہ والشق القمر.... اور الرحمٰن... اور الواقعہ... یہ سن کر قرآن داں شرمندہ ہوا اور چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انچاسویں رات

چار سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز قرآن داں پر غالب آ گئی اور وہ اپنے کپڑے اتار کر چلتا ہوا تو استاد طبیب اس کی طرف بڑھا اور کہنے لگا کہ دین کا علم ختم ہو چکا' اب بدن کے علم کے متعلق تیار ہو جا اور بتا کہ انسان کیا ہے' کس طرح پیدا ہوا ہے' اس کے بدن میں کتنی رگیں ہیں' کتنی ہڈیاں' کتنی ریڑھیں اور پہلی رگ کہاں ہے اور آدم کو آدم کیوں کہتے ہیں؟ کنیز نے کہا کہ آدم کو گندمی رنگ ہونے کی وجہ سے آدم کہتے ہیں اور یہ بھی ایک قول ہے کہ چونکہ زمین کی ادیم یعنی پپڑی سے پیدا کیا گیا' سینہ کعبہ کی مٹی سے' سر مشرق کی' دونوں پاؤں مغرب کی مٹی سے اور اس کے سر میں سات دروازے بنائے گئے: دو آنکھیں' دو کان' دو نتھنے' ایک منہ' اور دو مخرج بنائے گئے: قبل اور دبر۔ آنکھیں نظر کی جس کے لئے' کان سننے کی حس کے لئے' نتھنے سونگنے کی حس کے لئے' منہ چکھنے کی حس کے لئے' زبان انسان کے ضمیر کا حال بتاتی ہے۔ انسان چار عناصر سے مرکب کیا گیا ہے۔ پانی' مٹی' آگ اور ہوا۔ صفرا آگ کی طبیعت ہے اور وہ گرم خشک ہے' سودا مٹی کی طبیعت ہے اور وہ سرد خشک ہے۔ بلغم پانی کی طبیعت ہے اور وہ سرد تر ہے۔ خون ہوا کی طبیعت ہے اور وہ گرم تر ہے۔ انسان کے اندر تین سو ساٹھ رگیں بنائی گئی ہیں' دو سو چالیس ہڈیاں اور تین روحیں' حیوانی' نفسانی' اور طبیعی۔ ان کے احکام الگ الگ ہیں اور خدا نے انسان کا ایک قلب بنایا ہے' ایک تلی' ایک پھپھڑا' چھ آنتیں' ایک جگر' دو گردے' ایک دماغ' ہڈیاں' کھال اور پانچ حواس: سامعہ' باصرہ' شامہ' ذائقہ اور لامسہ' سینے کی بائیں جانب قلب رکھا ہے اور قلب کے سامنے معدہ اور پھپھڑے کو قلب کا پنکھا بنایا ہے۔ جگر کو داہنی طرف بنایا ہے جو قلب کے مقابل ہے۔ علاوہ اس کے اور بہت سے پردے اور آنتیں بنائی ہیں اور سینے کے اوپر پسلیاں

بنائی ہیں۔ اس نے کہا کہ شاباش! بتا کہ انسان کے سر میں کتنے خانے ہیں؟ کنیز نے کہا تین اور پانچ قوتوں پر مشتمل ہیں جن کا نام باطنی حواس ہے اور وہ یہ ہیں: مشترک حس، خیال، متصرفہ، واہمہ اور حافظہ۔ اس نے کہا شاباش! اب ہڈیوں کے ہیکل کے متعلق بتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچاسویں رات

جب چار سو پچاس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ طبیب نے کہا اچھا ہڈیوں کے ڈھانچے کے متعلق بتا۔ کنیز بولی اس میں دو سو چالیس ہڈیاں ہیں

جو تین حصوں میں تقسیم کی گئی ہیں: سر' تن اور اطراف۔ سر میں دو چیزیں ہیں' کھوپڑی اور چہرہ۔ کھوپڑی آٹھ ہڈیوں سے مرکب ہے' کان کی چار چھوٹی ہڈیاں بھی انہیں میں گنی جاتی ہیں۔ چہرے میں ایک اوپر کا جبڑا ہے اور ایک نیچے کا۔ اوپر جبڑے میں گیارہ ہڈیاں ہیں اور نیچے کے جبڑے میں محض ایک۔ اس میں دانت شامل ہیں جن کی تعداد بتیس ہے اور اس طرح لامی ہڈی۔ تنے میں ریڑھ کی ہڈیوں کا سلسلہ ہے اور سینہ اور حوض۔ ریڑھ کے زنجیرے میں چھبیس ہڈیاں ہیں جن کو فقار کہتے ہیں' سینے میں صدر اور پسلیاں شامل ہیں۔ پسلیوں کی تعداد چوبیس ہے' ہر طرف بارہ بارہ۔ حوض مرکب ہے کولہے کی دو ہڈیوں' چوتڑوں اور ڈھڈی یعنی دم کی ہڈیوں سے۔ اطراف کے دو حصے ہیں: دو اوپر کے اور دو نیچے کے۔ اوپر کے دونوں اطراف منقسم ہیں اولاً جس میں شانے اور ہنسلی کی ہڈی شامل ہے۔ دوم بانہہ میں اور وہ ایک ہی ہڈی ہے' سوم کلائی میں جس میں دو ہڈیاں ہیں۔ کعبرہ اور زند چہارم ہتھیلی میں جو مشتمل ہے رسغ اور کنگھی اور انگلیوں پر۔ رسغ میں آٹھ ہڈیاں ہیں جن کی دو صفیں ہیں اور ہر صف میں چار ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں ہیں۔ انگلیوں کی تعداد بھی پانچ ہے۔ جن میں تین تین ہڈیاں ہیں سوائے انگوٹھے کے جس میں دو ہیں۔ نیچے کے دونوں طرفوں کی تقسیم یہ ہے: پہلے ران اور وہ فقط ایک ہڈی ہے' دوسرے پنڈلی جس میں تین ہڈیاں ہیں: قصبہ اور شنطیہ اور رضفہ۔ تیسرے تلوؤں جس میں ہتھیلی کی طرح رسغ' کنگھی اور انگلیاں ہیں۔ رلع میں سات ہڈیاں جن کی دو صفیں ہیں' پہلی صف میں دو اور دوری میں پانچ ہڈیاں۔ کنگھی میں پانچ ہڈیاں

ہیں' انگلیوں کی تعداد پانچ ہے جن میں تین تین سلامی ہڈیاں ہیں سوا انگوٹھے کے جس میں محض دو ہیں۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ رگوں کی جڑ کیا ہے۔ کنیز نے کہا رگوں کی جڑ وہ نس ہے جو دل سے بدن میں خون پہنچاتی ہے۔ یہیں سے رگیں نکلتی ہیں اور وہ بے شمار ہیں' ان کی تعداد سوا خالق کے کسی اور کو معلوم نہیں۔ بعضوں کا قول ہے کہ ان کی تعداد تین سو ساٹھ ہے جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے۔ خدا نے زبان کو ترجمان بنایا ہے' آنکھوں کو چراغ' نتھنوں کو نالیاں اور ہاتھوں کو بازو' جگر رحم کا مقام ہے۔ تلی ہنسنے کا' گردے مکر کی جگہ' پھیپھڑا پنکھا ہے' معدہ خزانہ اور قلب پر سارے بدن کا دارومدار ہے' جب قلب ٹھیک ہو تو سارا بدن ٹھیک رہتا ہے' جب وہ بگڑ جائے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے۔ طبیب دانا ہے تو بدن کے حال پر غور کرے گا اور دونوں ہاتھوں کو چھوڑ کر سختی اور گرمی' خشکی اور سردی کا پتہ لگائے گا۔ اندرونی بیماریوں کا بھی پتہ دلیلوں سے چلتا ہے۔ مثلاً آنکھوں کی زردی یرقان اور پیٹھ کے ترچھے ہونے کی علامت ہے اور یہ دلالت کرتی ہے ذات الجنب پر۔ اس نے کہا شاباش!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو اکیاون ویں رات

جب چار سو اکیاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز نے طبیب سے ظاہری علامتیں بیان کیں تو اس نے کہا شاباش! پھر بولا اچھا اب بتا کہ باطنی علامتیں کیا ہیں؟ کنیز نے کہا چھ قانون ہیں جن کی بنا پر باطنی علامتوں سے بیماریاں دریافت ہو سکتی ہیں: پہلے افعال' دوسرے وہ چیز جو بدن سے خارج ہو' تیسرے درد' چوتھے کمزوری' پانچویں ورم' چھٹے اعراض۔ اس نے پوچھا کہ کن اسباب سے سر میں تکلیف پہنچتی ہے؟ کنیز نے کہا کہ کھانے پر کھانا کھانے سے' قبل اس کے کہ پہلا کھانا ہضم ہو چکا ہو اور سیری پر سیری سے۔ اسی سے قومیں کی قومیں تباہ ہو گئی ہیں۔ جو شخص بقا کا طالب ہے اسے چاہیے کہ ناشتہ صبح کو جلد کرے اور شام کا کھانا دیر سے نہ کھائے' عورتوں سے کم مجامعت کرے' فصد اور سینگی کا بہت استعمال نہ کرے اور اپنے پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرے' تہائی کھانے کے لئے' تہائی پینے کے لئے اور تہائی سانس لینے کے لئے۔ جب وہ چلے تو آہستہ' یہ زیادہ مفید ہے اور بدن کے لئے صحت مند اور خدا کے قول کی اس سے تائید ہوتی ہے کہ "زمین پر جوش و خروش کے ساتھ نہ چل" اس نے کہا شاباش! اب بتا صفرا کی علامت کیا ہے اور اس میں کس چیز سے ڈرنا چاہیے؟ کنیز نے کہا صفرا کی پہچان رنگ کا پیلا پڑنا اور منہ کی کڑواہٹ' خشکی' شہوت کی کمزوری اور نبض کی تیزی ہے۔ صفرا والے کو بخار' سر سام' پھوڑے' یرقان' ورم' آنت کے زخم اور پیاس کی زیادتی سے ڈرنا چاہیے کیونکہ یہ صفرا کی علامتیں ہیں۔ اس نے کہا: شاباش!

پھر اس نے پوچھا کہ سودا کی علامتیں کیا ہیں اور سودا والے کو کس چیز سے اندیشہ ہے؟ کنیز نے کہا کہ اس سے جھوٹی شہوت پیدا ہوتی ہے۔ وسوسہ اور رنج و غم۔ ایسی حالت

میں اسے چاہیے کہ قے کرے ورنہ اسے مالیخولیا' جذام' سرطان' تلی کا درد اور آنتوں کا زخم ہو جائے گا۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا کہ کس غذا سے بیماریاں پیدا نہیں ہوتیں۔

کنیز نے کہا اگر بھوک کے وقت کھایا جائے اور پیٹ بھر کر نہ کھایا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ معدہ بیماریوں کا گھر ہے' کم خوراکی دواؤں کی سردار اور بد ہضمی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو باون ویں رات

چار سو باون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز نے کہا کہ بد ہضمی تمام بیماریوں کی جڑ ہے تو طبیب نے پوچھا: حمام کے متعلق تو کیا کہتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا کہ سیری کی حالت میں حمام نہ جانا چاہیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ بہترین جگہ حمام ہے' بدن کو صاف کرتا ہے اور دوزخ کی یاد دلاتا ہے۔ اس نے پوچھا کون سا کھانا بہتر ہے؟ کنیز نے کہا جسے عورت نے پکایا ہو اور جس میں مرچ مسالا اور چربی کم ہو اور جسے خوشی سے کھایا جائے۔ اس نے کہا کون سا سالن بہترین ہے؟ کنیز نے کہا گوشت کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بہترین سالن گوشت ہے کیونکہ وہ دنیا اور آخرت کی لذت ہے۔ اس نے پوچھا کون سا گوشت بہترین ہے؟ کنیز نے کہا بھیڑ مگر سوکھے ہوئے گوشت سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے کہا پھلوں کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا شروع فصل میں کھانا چاہیے اور جب اس کا زمانہ ختم ہو جائے تو چھوڑ دینا چاہیے۔ اس نے کہا پانی پینے کے بارے میں تیرا کیا خیال ہے؟ کنیز نے کہا سارا پانی ایک گھونٹ میں نہ پینا چاہیے اور تیزی سے نہ پینا چاہیے اس سے سر کا درد اور طرح طرح کی تکلیفیں پیدا ہوتی ہیں۔ نہ حمام سے نکل کر پانی پینا چاہیے نہ جماع کے بعد اور نہ کھانے کے فوراً بعد مگر جوان کے لئے پندرہ منٹ کے بعد اور بوڑھے کے لئے چالیس منٹ کے بعد اور نہ نیند سے جاگ کر۔ اس نے کہا شاباش! اب شراب پینے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا یہ کافی نہیں ہے کہ خدا نے قرآن میں اس سے منع کیا ہے کہ.....

انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ لعلکم تفلحون......

اور دوسرے یہ کہ
یسالونک عن الخمر والمیسر قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس واثمھا اکبر من نفعھما۔
فائدے شراب میں یہ ہیں کہ وہ گردے کی پتھریوں کو توڑتی ہے' آنتوں کو مضبوط کرتی ہے' غم کو دور کرتی ہے' کرم و عطا کو جنبش دیتی ہے' تندرستی قائم رکھتی' ہضم میں مدد دیتی' جوڑوں میں سے بیماریاں دور کرتی' فاسد خلطوں سے جسم کو پاک کرتی' خوشی پیدا کرتی' اندرونی حرارت کو قوت دیتی' مثانے کو مضبوط کرتی' جگر کو طاقت دیتی' سدوں کو کھولتی' چہرے کو سرخ کرتی' سر اور دماغ سے فضلے دور کرتی اور بڑھاپا دیر میں لاتی ہے۔ اگر خدا نے اسے حرام نہ کیا ہوتا تو دنیا میں اس جیسی کوئی اور چیز نہ تھی۔
اس نے کہا کہ سینگی لگانے کے بارے میں تیری کیا رائے ہے؟ کنیز نے جواب دیا:
یہ اس کے لئے ہے جس میں خون کی زیادتی ہو اور خون میں کوئی خرابی نہ ہو۔ سینگی اس روز لگائی جائے جب کہ چاند گھٹ رہا ہو۔ بادل ہوں نہ ہوا نہ بارش' چاند کی سترہویں ہو اور منگل کا دن ہو تو کیا کہنا۔ دماغ' آنکھوں اور ذہن کی صفائی کے لئے سینگی سے بہتر کوئی چیز نہیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو تریپنویں رات

جب چار سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ حکیم نے پوچھا کہ سینگی لگانے کا بہترین وقت کون سا ہے؟ کنیز نے کہا نہار منہ کیونکہ اس سے عقل اور حافظے میں زیادتی ہوتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ جو کوئی آپ سے سر یا پاؤں کے درد کی شکایت کرتا' آپ کہتے کہ سینگی لگا اور جب وہ سینگی لگاتا تو نہار منہ۔ نمکین چیز نہ کھاتا۔ اس سے کھجلی پیدا ہوتی ہے اور سینگی کے بعد کھٹی چیز نہ کھاتا۔ اس نے کہا جماع کے بارے میں بیان کر۔ کنیز نے یہ سوال سنا تو اس نے سر نیچا کر لیا اور امیر المومنین کے سامنے اسے شرم آنے لگی۔ اس نے کہا: اے امیر المومنین! میں جواب دینے سے بالکل قاصر نہیں ہوں بلکہ مجھے شرم آتی ہے' جواب میری زبان کے اوپر ہے۔ خلیفہ نے کہا: اے لڑکی! کہہ۔ کنیز نے کہا: نکاح میں بہت فائدے ہیں منجملہ ان کے وہ سوداوی بدن کو ہلکا کر دیتا ہے' عشق کی گرمی کو بجھاتا ہے' محبت کی کشش اور دل کو خوش کرتا ہے' وحشت دور ہوتی ہے' اس کی زیادتی گرمیوں اور خزاں میں زیادہ مضر ہے بہ نسبت جاڑوں اور بہار کے۔ اس نے کہا: اس میں فائدے کیا ہیں؟ کنیز نے کہا: اس سے غم اور وسواس دور ہوتا ہے' عشق اور غصہ ٹھنڈا پڑتا ہے اور زخموں کو فائدہ دیتا ہے۔ یہ باتیں اس وقت ہوتی ہیں جب طبیعت پر سردی اور خشکی غالب ہو ورنہ اس کی زیادتی سے نظر کمزور ہوتی ہے' پنڈلیوں سر اور کمر میں درد پیدا ہوتا ہے۔ بڑھیا سے ہر گز جماع نہ کرنا چاہیے کیونکہ وہ قاتل ہے۔ امام علی کرم اللہ وجہ کا قول ہے کہ چار چیزیں قاتل ہیں جو بدن کو ڈھیلا کر دیتی ہیں۔ بھرے پیٹ پر حمام جانا' زیادہ نمکین غذا' سیری کے وقت جماع' مریض عورت سے ہم بستر ہونا۔ ان سے قوت زائل ہوتی ہے' بدن بیمار پڑتا ہے اور بڑھیا

تو قاتل زہر ہے۔ اس نے پوچھا کہ بہترین جماع کون سا ہے؟ کنیز نے کہا: جب عورت کم سن' خوش قد' خوب رو' حسب نسب والی اور اس کا سینہ ابھرا ہوا ہو۔ ایسی عورت سے بدن کی تندرستی بڑھتی ہے۔ اس نے کہا: جماع کے لئے بہترین وقت کون سا ہے؟ اگر رات ہو تو ہضم کے بعد اور اگر دن ہو تو دوپہر کے کھانے کے بعد۔ اس نے پوچھا: بہترین پھل کون سا ہے؟ کنیز نے کہا: انار اور نارنگی۔ اس نے کہا: بہترین ترکاری؟ کنیز نے جواب دیا: ککرونده۔ اس نے پوچھا: بہترین پھول کون سے ہیں؟ کنیز نے کہا: گلاب اور بنفشہ۔ اس نے کہا: مرد کی منی کس طرح بنتی ہے؟ کنیز نے جواب دیا: مرد کے بدن میں ایک رگ ہے جو تمام رگوں سے پانی کھینچ کر جمع کرتی ہے۔ یہ پانی سرخ لہو کی شکل میں بائیں فوطے میں جمع ہوتا ہے اور مزاج کی گرمی سے پک کر سفید گاڑھا پانی ہو جاتا ہے۔ اس میں کھجور کے فضلے جیسی بو آتی ہے۔ اس نے کہا شاباش! اب بتا وہ کیا چیز ہے جب تک وہ بند رہتی ہے تو جیتی ہے اور جب وہ ہوا میں آتی ہے تو مر جاتی ہے؟ کنیز نے کہا: مچھلی۔ اس نے کہا: وہ کون سا سانپ ہے جو انڈے دیتا ہے؟ کنیز نے کہا: اژدھا۔ آخر طبیب سوال کرتے کرتے تھک کر چپ ہو گیا۔ کنیز نے کہا: اے امیر المومنین! وہ تو سوال کرتے کرتے تھک گیا' اب میں اس سے محض ایک سوال کرتی ہوں' اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکا تو میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چونویں رات

جب چار سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ کنیز نے کہا' ورنہ میں اس کے کپڑے اتار لوں گی۔ خلیفہ نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی گولائی زمین کی طرح ہے' کم قیمت ہے' سینہ اور گلا تنگ ہے۔ مقید ہے' بھاگتی نہیں' جکڑی ہوئی ہے مگر چور نہیں۔ اس پر نیزے لگتے ہیں مگر لڑائی میں نہیں' زخمی ہے مگر تیر اندازی سے نہیں' زمانے کی کڑوی چیزیں کھاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ پیتی ہے۔ کبھی بغیر گناہ کے اسے مارتے ہیں اور اس سے بد خدمت لیتے ہیں' وہ حاملہ ہے مگر اس کے پیٹ میں بچہ نہیں' گندی ہوتی ہے پھر پاک ہو جاتی ہے اور نماز پڑھتی ہے؟ طبیب کی سٹی گم ہو گئی کچھ جواب نہ دے سکا' اس کا رنگ فق ہو گیا' تھوڑی دیر سر جھکائے بیٹھا رہا اور کوئی بات نہ کی۔

کنیز نے کہا اے طبیب بول ورنہ اپنے کپڑے اتار دے۔ طبیب کھڑا ہو کر کہنے لگا کہ اے امیر الومنین خدا گواہ ہے کہ یہ کنیز طب وغیرہ میں مجھ سے زیادہ ماہر ہے اور وہ میرے بس کی نہیں۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور وہاں سے نکل بھاگا۔ اب امیر المومنین نے کنیز سے کہا بتا وہ کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا بٹن اور کاج۔

اس کے بعد منجموں کی باری آئی۔ کنیز نے کہا تم میں سے جو منجم ہو اٹھے۔ یہ سن کر ایک منجم اٹھا اور آ کر اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ کنیز نے اسے دیکھا تو ہنسی اور کہنے لگی تو منجم حاسب و کاتب ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔ کنیز نے کہا پوچھ جو تیرا جی چاہے' خدا تیری مدد کرے! اس نے کہا سورج اور اس کے طلوع و غروب ہونے کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے کہا سن' سورج کئی چشموں سے نکلتا ہے اور کئی میں میں ڈوبتا ہے۔ نکلنے کے چشمے مشرق کے حصے ہیں' اور ڈوبنے کے مغرب کے' دونوں کی تعداد

ایک سو اسی ہے۔ اس نے کہا چاند کی منزلیں بتا۔ کنیز نے کہا چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں: سرغان، بطین ثریا، وبران، ہقعہ، ہنعہ، ذراع، نثرہ، طرف، جبہہ، زبرہ، صرفہ، عواء، سماک، غفر، زبانیا، اکلیل، قلب، شولہ، نعائم، بلدہ، سعد الزابح، سعد بلع، سعد السعود، سعد الاخبیہ، فرغ مقدم، فرغ موخر، رشاء۔ ان کی تعداد ابجد ہوز کے حروف کی تعداد ہے اور اس میں بڑا بھید ہے جو سوا خدا اور ماہرین کے کسی کو معلوم نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو پچپن ویں رات

جب چار سو پچپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے منزلیں بیان کیں تو منجم نے کہا شاباش! اب سیاروں اور ان کے طبائع اور برجوں کے متعلق بتا۔ کنیز نے کہا سیارے سات ہیں: سورج' چاند' عطارد' زہرہ' مریخ' مشتری' اور زحل۔ سورج گرم خشک ہے اور ہر برج میں تیس دن ٹھہرتا ہے۔ چاند سرد اور تر اور ہر برج میں دو یا تین دن ٹھہرتا ہے۔عطارد معتدل اور ہر برج میں ساڑھے سترہ دن ٹھہرتا ہے۔ زہرہ متعدل اور ہر برج میں پچیس دن ٹھہرتا ہے۔ مریخ ہر برج میں دس مہینے ٹھہرتا ہے اور مشتری ایک سال' زحل سرد خشک ہے اور ہر برج میں تیس مہینے ٹھہرتا ہے۔ جب منجم نے دیکھا کہ وہ اتنی ماہر اور عالم اور فصیح ہے تو اس نے سوچا کہ کسی دھوکے سے اسے زیر کرے۔ وہ کہنے لگا: اے کنیز بتا کہ اس مہینے میں پانی برسے گا۔ کنیز نے یہ سن کر سر جھکا لیا۔ یہاں تک کہ امیر المومنین کو گمان ہوا کہ اس سے جواب نہیں بن پڑتا۔ منجم نے کہا تو بولتی کیوں نہیں؟ کنیز نے کہا جب تک خلیفہ اجازت نہ دے میں نہیں بول سکتی۔ خلیفہ ہنسنے لگا اور کہا یہ کیوں؟ کنیز نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو مجھے ایک تلوار دے تاکہ میں اس کی گردن اڑا دوں کیونکہ یہ ملحد ہے۔ اس پر امیر المومنین اور درباری سب ہنس پڑے اور کنیز نے کہا اے منجم' پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم سوائے خدا کے کسی کو نہیں۔ پھر اس نے یہ آیت پڑھی ......

ان اللہ عندہ علم الساعۃ و ینزل الغیث و یعلم ما فی الارحام وما تدری نفس ماذا تکسب غدا وما تدری نفسی بای ارض تموت ان اللہ علم خبیر.....

اس نے کہا' شاباش! خدا کی قسم' میں تو تیرا امتحان لیتا تھا۔ کنیز نے کہا جس دن سے

نیا سال شروع ہوتا ہے اس کے بھی معنے ہیں: اس نے پوچھا وہ کیا؟ کنیز نے کہا اگر سال کا پہلا دن اتوار ہو تو وہ سورج سے تعلق رکھتا ہے اور یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بادشاہوں اور والیوں کی طرف سے زبردستی ہو گی' پانی کم برسے گا اور بادشاہوں میں جنگ ہو گی' واللہ اعلم۔ پیر کا روز قمر کا ہے حکمراں اور اعمال اس میں نیکی کریں گے۔ پانی زیادہ برسے گا' غلہ اچھا ہو گا' روئی خراب ہو گی' طاعون بڑھے گا' واللہ اعلم!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھپن ویں رات

چار سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کنیز پیر کے متعلق بیان کر چکی تو اس نے کہا کہ منگل مریخ کا دن ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بڑے آدمی مریں گے اور بہت خونریزی ہو گی' غلہ مہنگا ہو گا اور بارش کم' واللہ اعلم۔ بدھ کا تعلق عطارد سے ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ بارش نہ کم ہو گی نہ زیادہ' چوپائے اور بچے بہت مریں گے اور بحری جنگیں ہوں گی۔ واللہ اعلم۔ جمعرات کا تعلق مشتری سے ہے' اس میں وزراء عدل و انصاف سے کام لیں گے اور دین دار لوگوں میں نیکیاں پھیلیں گی' بارش بہت ہو گی واللہ اعلم۔ جمعہ کا تعلق زہرہ سے ہے' اس میں الزام اور بہتان کی بہت زیادتی ہو گی۔ برو بحر میں فساد برپا ہو گا' واللہ اعلم' سینچر کا تعلق زحل سے ہے اور وہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ غلاموں میں ایثار زیادہ ہو گا' قحط زیادہ پڑے گا' بارش خوب ہو گی' انسان زیادہ مریں گے اور مصر اور شام میں حکمرانوں کی طرف سے ظلم و جور ہو گا' واللہ اعلم۔

منجم نے سر نیچا کر لیا اور کنیز نے کہا اب میں تجھ سے ایک سوال کرتی ہوں' اگر تو نے اس کا جواب نہ دیا تو میں تیرے کپڑے اتار لوں گی۔ منجم نے کہا پوچھ۔ کنیز نے کہا ستارے کتنے حصوں میں تقسیم کئے گئے ہیں؟ منجم اس کا کوئی جواب نہ دے سکا۔ کنیز نے کہا کپڑے اتار' اس نے اتار دیئے۔ کنیز نے انہیں لے کر کہا امیر المومنین! تین حصوں میں' ایک حصہ وہ ہے جو دنیا کے آسمان میں قندیلوں کی طرح لٹکے ہوتے ہیں اور زمین کو روشن کرتے ہیں' دوسرا حصہ وہ ہے جو شیطانوں پر مارا جاتا ہے اور تیسرا ہوا میں معلق ہے۔ منجم نے کہا ایک سوال باقی ہے اور اگر کنیز نے اس کا جواب دے دیا تو میں اس کا لوہا مان جاؤں گا۔ کنیز نے کہا بول!

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی او اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ستاون ویں رات

جب چار سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- منجم نے کہا وہ چار متضاد چیزیں کیا ہیں جن کا دارومدار دوسری چار متضاد چیزوں پر ہے؟ کنیز نے کہا گرمی' سردی' تری اور خشکی۔ خدا نے گرمی سے آگ پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور خشک ہے۔ خشکی سے مٹی پیدا کی جس کی طبیعت سرد اور خشک ہے۔ سردی سے پانی پیدا کیا جس کی طبیعت سرد اور تر ہے اور تری سے ہوا پیدا کی جس کی طبیعت گرم اور تر ہے۔ اس کے بعد خدا نے بارہ برج بنائے۔ حمل' ثور' جوزا' سرطان' اسد' سنبلہ' میزان' عقرب' قوس' جدی' دلو' اور حوت۔ منجم اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ خدا گواہ ہے کہ یہ مجھ سے زیادہ جانتی ہے اور چپکے سے چلتا بنا۔

اب امیر المومنین نے پوچھا: فلسفی کون ہے؟ ایک شخص اٹھ کر کنیز کے پاس آیا اور پوچھا: دہر کیا ہے؟ کنیز نے کہا: دن اور رات کے اوقات کا نام دہر ہے۔ اس نے کہا: انسان کے پاس کفر کس طرح پہنچتا ہے؟ کنیز نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے کہ کفر انسان کے بدن میں اس طرح سرایت کرتا ہے جس طرح رگوں میں خون۔ اس نے پوچھا: پانچ چیزیں کیا تھیں جو کھاتی پیتی تھیں لیکن ماں باپ سے ان کی پیدائش نہ تھی؟ کنیز نے کہا: آدم' شمعون' حضرت صالح کی اونٹنی' حضرت اسمٰعیل کا مینڈھا اور وہ چڑیا جسے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غار میں دیکھا تھا۔

فلسفی نے کہا: وہ پانچ چیزیں کیا ہیں جو جنت میں ہیں مگر نہ انسان ہیں نہ جنات ہیں نہ فرشتے؟ کنیز نے کہا حضرت یعقوب علیہ السلام کی بھیڑ' اصحاب کہف کا کتا' عزیز کا گدھا' صالح کی اونٹنی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دلدل۔ فلسفی نے کہا وہ کون

شخص ہے جس نے نماز پڑھی مگر نہ زمین پر نہ آسمان پر؟ کنیز نے کہا سلیمان علیہ السلام جب انھوں نے اپنی جانماز پر نماز پڑھی جو ہوا پر تھی۔ فلسفی نے کہا وہ کون شخص ہے جس نے فجر کی نماز پڑھ کر ایک کنیز پر نظر ڈالی تو وہ اس کے لئے حرام تھی؟ پھر ظہر کا وقت حلال' پھر عشاء کے وقت حرام اور فجر کے وقت حلال ہو گئی؟ کنیز نے جواب دیا: یہ کنیز کسی دوسرے کی ملکیت تھی جس پر اس کی نظر پڑی اس کے لئے وہ حرام تھی۔ ظہر کے وقت اس نے اسے خرید لیا اور وہ حلال ہو گئی۔ عصر کا وقت ہوا تو اس نے اسے آزاد کر دیا اور وہ حرام ہو گئی۔ مغرب کے وقت اس نے اس سے نکاح کر لیا اوروہ حلال ہو گئی۔ عشا کے وقت اس نے اسے طلاق دے دی اور وہ حرام ہو گئی اور جب فجر ہوئی تو اس نے اس کی طرف رجوع کیا اور وہ حلال ہو گئی۔ اس نے کہا وہ کون سی قبر ہے جو اپنے مدفون کو لے کر چلی تھی؟ کنیز نے کہا: یونس بن متی علیہ السلام کی مچھلی' جب وہ انہیں نگل گئی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھاون ویں رات

جب چار سو اٹھاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ فلسفی نے پوچھا وہ کیا چیز ہے جس میں روح نہیں مگر سانس لیتی ہے؟ کنیز نے کہا خدا کہتا ہے کہ والصبح اذا تنفس...... اس نے کہا چند کبوتر اڑتے ہوئے آئے اور ایک اونچے درخت کے پاس پہنچ کر کچھ درخت پر بیٹھ گئے اور کچھ اس کے نیچے۔ اوپر والے کبوتروں نے نیچے والوں سے کہا اگر تم میں سے ایک کبوتر نیچے اتر جائے تو ہم تم برابر ہو جائیں گے۔ بتا وہ کتنے تھے اور ان کی تقسیم کس طرح ہوئی تھی؟ کنیز نے کہا بارہ' ان میں سے سات اوپر بیٹھے تھے اور پانچ نیچے۔ اگر نیچے سے ایک کبوتر اوپر جائے گا تو اوپر والوں کی تعداد نیچے والوں سے دگنی ہو جائے گی اور اگر ایک اوپر سے نیچے اترا تو دونوں کی تعداد برابر رہے گی۔ واللہ اعلم۔ فلسفی اپنے کپڑے اتار کر بھاگتا نظر آیا۔

اب کنیز کا قصہ نظام کے ساتھ سنئے۔ کنیز نے موجود علماء کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم میں سے تمام علوم و فنون میں متکلم کون ہے؟ یہ سن کر نظام اٹھا اور کہنے لگا کہ مجھے دوسروں کی طرح مت سمجھیو۔ کنیز نے کہا مجھے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ تو بھی ہار جائے گا کیونکہ تو بڑے دعوے کے ساتھ آیا ہے اور خدا مجھے تجھ پر فتح دے گا حتیٰ کہ میں تیرے کپڑے بھی اتروا لوں گی۔ بہتر ہوتا کہ تو ابھی سے کپڑے منگانے کے لئے کسی کو بھیج دیتا۔ نظام نے کہا واللہ میں تجھے نیچا دکھاؤں گا اور لوگ تیرا قصہ نسلاً بعد نسل بیان کریں گے۔ کنیز نے کہا اپنی قسم کا کفارہ دے۔ اس نے کہا خیر دیکھا جائے گا تو یہ بتا کہ وہ پانچ چیزیں کون سی ہیں جنہیں خدا نے مخلوق سے پہلے پیدا کیا؟ کنیز نے کہا پانی' مٹی' اندھیرا' اجالا' اور پھل۔ اس نے پوچھا کہ کن چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے؟ کنیز نے کہا عرش' طوبیٰ' آدم اور عدن

کی جنت۔ ان چیزوں کو خدا نے اپنے ہاتھ سے بنایا ہے۔ باقی چیزوں کے متعلق اس نے کہا کہ ہو جاؤ اور وہ ہو گئیں۔ اس نے پوچھا تیرا اسلامی باپ کون ہے؟ کنیز نے کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس نے پوچھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلامی باپ؟ کنیز نے کہا ابراہیم خلیل اللہ۔

اس نے پوچھا اسلام کیا چیز ہے؟ کنیز نے کہا اس بات کا اقرار کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ اس نے پوچھا تیری ابتدا اور انتہا کیا ہے؟ کنیز نے کہا ابتدا گندہ نطفہ اور انتہا ناپاک لاشہ' یا یوں کہو کہ ابتدا مٹی اور انتہا مٹی اس نے کہا وہ کون سی چیز ہے جس کی ابتدا لکڑی ہے اور انتہا روح۔ کنیز نے کہا موسیٰ علیہ السلام کا عصا۔ اس نے کہا وہ کون عورت ہے جو مرد سے پیدا ہوئی ہے اور وہ کون مرد ہے جو محض عورت سے پیدا ہوا ہے؟ کنیز نے کہا حوا آدم سے پیدا ہوئی ہیں اور عیسیٰ مریم سے۔ اس نے پوچھا وہ چار آگیں کون سی ہیں جن میں ایک کھاتی پیتی ہے' دوسری کھاتی ہے پیتی نہیں' تیسری پیتی ہے کھاتی نہیں' اور چوتھی نہ کھاتی نہ پیتی ہے؟ کنیز نے کہا جو آگ کھاتی ہے اور پیتی نہیں وہ دنیا کی آگ ہے' جو آگ کھاتی بھی ہے اور پیتی بھی ہے جہنم کی آگ ہے' جو آگ پیتی ہے اور کھاتی نہیں سورج کی آگ ہے اور جو آگ کھاتی ہے نہ پیتی ہے چاند کی آگ ہے۔ اس نے پوچھا مفتوح اور مغلق سے کیا مراد ہے؟ کنیز نے کہا اے نظام' مفتوح سنت ہے اور مغلق فرض۔ اس نے کہا وہ چودہ چیزیں کون سی ہیں جنہوں نے خدا سے باتیں کیں؟ کنیز نے کہا سات آسمان اور سات زمینیں جب انہوں نے کہا کہ "اتینا طائعین۔"

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو انسٹھویں رات

جب چار سو انسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز جواب دے چکی تو نظام نے پوچھا کہ آدم اور ان کی پیدائش کی ابتدا کے متعلق بیان کر۔ کنیز نے جواب دیا خدا نے آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا' مٹی کو پھین سے' پھین کو سمندر سے' سمندر کو اندھیرے سے' اندھیرے کو روشنی سے' روشنی کو مچھلی سے' مچھلی کو پتھر سے' پتھر کو یاقوت سے' یاقوت کو پانی سے' پانی کو اپنی قدرت سے۔ اس نے کہا جہنم کے کتنے دروازے ہیں؟ کنیز نے کہا سات۔ اس نے کہا صراط کیا ہے اور اس کی لمبائی چوڑائی کتنی ہے؟ کنیز نے تین ہزار سال' ہزارچڑھائی کی' ہزار اتار کی اور ہزار ہموار' وہ تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو ساٹھویں رات

چار سو ساٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب کنیز نے صراط کی حالت بیان کی تو نظام نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی

شفاعتیں ہیں؟ کنیز نے کہا تین۔ اس نے پوچھا کیا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے شخص ہیں جو اسلام لائے؟ کنیز نے کہا ہاں۔ اس نے کہا ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے علی رضی اللہ تعالیٰ اسلام لائے۔ کنیز نے کہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کی عمر سات سال کی تھی جب وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور خدا نے انہیں ہدایت دی۔ انہوں نے کبھی بتوں کو سجدہ نہیں کیا۔ اس نے کہا بتا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں یا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟ نظام کا بیان ہے کہ وہ سمجھ گئی کہ یہ ایک چال چلتا ہے۔ اگر وہ کہے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ افضل ہیں عباس رضی اللہ تعالیٰ سے تو وہ امیر المومنین کو کیا جواب دے گی۔ کنیز نے سر نیچا کر لیا۔ کبھی اس کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور کبھی زرد۔ اس کے بعد اس نے کہا تو مجھ سے فاضل شخصوں کے متعلق پوچھتا ہے جن میں سے دونوں فضیلت والے ہیں۔ اس بحث کی طرف رجوع کر جس میں ہم تھے۔ خلیفہ ہارون الرشید نے کنیز کی یہ بات سنی تو وہ کھڑا ہو گیا اور کنیز سے کہا شاباش! اے تودو! نظام نے کہا اب میں تجھ سے کئی باتیں ایک ساتھ پوچھتا ہوں۔ کنیز نے کہا' وہ کیا؟ اس نے کہا کیا چیز شہد سے میٹھی ہے' کون سی تلوار زیادہ تیز' کس میں ایک لمحے کی خوشی ہے' کس سچائی سے جھوٹا شخص بھی انکار نہیں کر سکتا' قبر کا قید خانہ کیا ہے اور دل کی فرحت کیا ہے' زندگی موت کیا ہے اور وہ بیماری کون سی ہے جس کا علاج نہیں' وہ عیب کون سا ہے جو دھلتا نہیں' وہ جانور کیا ہے جو بستی میں نہیں رہتا بلکہ کھنڈروں میں ہے اور جسے انسان سے عداوت ہے اور

اس کی خلقت سات جباروں کی سی ہے؟ کنیز نے کہا اپنی باتوں کا جواب سن اور اپنے کپڑے اتار دے تا کہ میں ان کی تشریح کروں۔ امیر المومنین نے کہا تو تشریح بیان کر' وہ اپنے کپڑے اتار دے گا۔ کنیز نے کہا شہد سے میٹھی اولاد سے ان کی محبت ہے جو اپنے والدین کے ساتھ نیکی کرتے ہیں' تلوار سے تیز زبان ہے' ایک لمحے کی لذت جماع ہے' سچائی جس سے کوئی جھوٹا شخص انکار نہیں کر سکتا موت ہے' قبر کا قید خانہ بری اولاد ہے' دل کی فرحت وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کی فرمانبردار ہو' زندگی کی موت غریبی ہے' بیماری جس کا علاج نہیں بری خصلت ہے' عیب جو ڈھلتا نہیں بری بیٹی ہے' جانور جو بستیوں میں نہیں رہتا' الخ' ٹڈی ہے۔ اس کا سر گھوڑے کا سا' گردن سانڈ کی سی' بازو شاہین کے سے' پاؤں اونٹ کے سے' دم سانپ کی سی' پیٹ بچھو کا سا اور سینگ غزال کے سے ہیں۔

خلیفہ ہارون الرشید کو اس کی عقل و فہم پر بڑا تعجب ہوا اور اس نے نظام سے کہا کہ اپنے کپڑے اتار دے۔ نظام اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ تم سب گواہ رہو کہ کنیز مجھ سے اور تمام عالموں سے زیادہ عالم ہے۔ اس نے اپنے کپڑے اتار دیئے اور کہا' انہیں لے' خدا تجھے مبارک نہ کرے! امیر المومنین نے دوسرے کپڑے منگوا کر اسے پہنائے اور پھر کنیز سے کہنے لگا کہ اے تودد' ایک چیز باقی رہ گئی ہے جس کا تو نے وعدہ کیا ہے اور وہ شطرنج ہے۔ اس نے شطرنج گنجفہ او نرد کے استادوں کو بلوایا۔ وہ آئے تو شطرنج والا کنیز کے سامنے بیٹھا۔ ان کے بیچ میں بساط بچھائی گئی اور دونوں اپنی اپنی چالیں چلنے لگے۔ استاد جو چال چلتا کنیز اسے فوراً بیکار کر دیتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## چار سو اکسٹھ ویں رات

جب چار سو اکسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ استاد جو چال چلتا کنیز اسے بیکار کر دیتی۔ یہاں تک کہ کنیز نے اسے مات دے دی۔ استاد نے کہا میں تو محض تجھے کھلا رہا تھا تا کہ تو ذرا خوش ہو جائے۔ دوبارہ بساط بچھا' میں تجھے دکھاؤں کہ اس طرح کھیلتے ہیں۔ کنیز نے دوبارہ بساط بچھائی تو استاد نے اپنے دل میں کہا کہ اب کے آنکھیں کھول کر چلنا چاہیے ورنہ شیخی کر کری ہو جائے گی۔
غرض کہ وہ جو چال چلتا حساب سے چلتا ہر مہرے پر اس کی نظر تھی کہ یکا یک کنیز نے کہا مات۔ استاد دنگ ہو گیا۔ کنیز نے کہا اے استاد' میں تیسری باری تجھ سے شرط لگا کر کھیلتی ہوں بلکہ فرزیں' داہنا رخ اور بایاں گھوڑا اٹھائے لیتی ہوں' اگر تو جیت جائے تو میرے کپڑے اتروا لیجیو اور اگر میں جیت جاؤں تو تیرے کپڑے لے لوں گی۔ اس نے کہا منظور۔ اب دونوں نے مہرے رکھے۔ کنیز نے فرزیں' رخ اور گھوڑا اٹھا لیا اور کہا استاد چل۔ وہ چلا اور دل میں کہنے لگا کہ ان مہروں کے اٹھ جانے کے بعد میرے جیتنے میں کیا کسر باقی ہے' اس نے قلعہ بندی کی۔ کنیز نے چند ہی چالوں کے بعد فرزیں بنا لیا اور پیادہ اس کے سامنے کر دیا۔ اس نے اسے مار لیا۔ کنیز نے کہا طمع انسان کے لئے قاتل ہے' تجھے معلوم نہیں کہ میں نے تجھے لالچ دیا تھا' دیکھ یہ مات ہے' اب اپنے کپڑے اتار دے۔ اس نے کہا شلوار رہنے دے' خدا تجھے اس کا اجر دے گا! اور اس نے قسم کھائی کہ جب تک تو دو بغداد میں ہے کسی کے آگے استادی کا دعویٰ نہیں کروں گا۔ پھر اس نے کپڑے اتار کر کنیز کے حوالے کئے اور چلتا ہوا۔
اس کے بعد امیر المومنین نے ساز بجانے والے بلوائے۔ جب وہ حاضر ہوئے تو امیر المومنین نے کنیز سے پوچھا کہ باجے بجانے میں بھی تجھے مشق ہے؟ اس نے جواب دیا ہاں۔

خلیفہ نے عود منگوایا۔ عود لایا گیا تو وہ سرخ اطلس کے غلاف میں تھا۔ کنیز نے غلاف سے نکال کر اپنی گود میں رکھا اور اپنا سینہ اس کے اوپر جھکایا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ماں بچے کو دودھ پلا رہی ہے اور بارہ مختلف راگ بجائے' یہاں تک کہ مجلس وجد میں آ گئی۔ امیر المومنین خوش ہو گیا اور کہنے لگا کہ خدا تجھے برکت دے اور تیرے معلم پر رحمت بھیجے۔ کنیز نے اٹھ کر خلیفہ کے آگے زمین کو بوسہ دیا۔ خلیفہ نے آقا کے سامنے ایک لاکھ دینار رکھ دیئے اور کنیز سے کہا: اے تودو! مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے کہا: یہ مانگتی ہوں کہ تو مجھے میرے آقا کو واپس کر دے جس نے مجھے بیچا ہے۔ خلیفہ نے کہا: اچھا' اور اسے واپس کر دیا۔ اس کے خرچ کے لئے پانچ ہزار دینار دیئے اور اس کے آقا کو ہمیشہ کے لئے اپنا ندیم بنا لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو باسٹھویں رات

جب چار سو باسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خلیفہ نے اس کے آقا کو ہمیشہ کے لیے اپنا ندیم بنا لیا اور ایک ہزار دینار اس کا ماہانہ مقرر کر دیا اور وہ کنیز تودو کے ساتھ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا۔

اے بادشاہ مجھے اس کنیز کی فصاحت اور علم و فہم و فضل پر تعجب ہوتا ہے اور امیر المومنین ہارون الرشید کی عالی ہمتی تو دیکھ کہ اس نے کنیز کے آقا کو اس قدر مال دیا اور کنیز سے کہا کہ مانگ کیا مانگتی ہے۔ اس نے یہ مانگا کہ اسے اپنے آقا کے حوالے کر دیا جائے۔ خلیفہ نے اسے اپنے آقا کے حوالے کر دیا اور اسے اس کی ذات کے لیے پانچ ہزار دینار دیئے اور اس کے آقا کو اپنا ندیم بنا لیا۔ عباسی خلفاء کے بعد یہ کرم کس میں پایا جاتا ہے! خدا ان سب پر رحم کرے!

- بادشاہ، ملک الموت اور نیک مرد کی کہانی

اے نیک نہاد بادشاہ ------- پرانے زمانے میں ایک بادشاہ نے ارادہ کیا کہ تمام امراء کے ساتھ سوار ہو کر نکلے، اس نے اپنے مصاحبوں اور امراء کو حکم دیا کہ روانگی کا سامان کریں اور پوشاک دار کو حکم دیا کہ بہترین کپڑے نکالے جو شاہانہ زیب و زینت والے ہوں اور اپنے مشہور و معروف گھوڑے نکلوائے۔ لوگ حکم بجا لائے۔ اس نے وہ لباس لیا جو اسے پسند تھا، وہ گھوڑے چنا جسے وہ اچھا سمجھتا تھا اور کپڑے پہن کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ جواہرات، موتیوں اور یاقوت کا ہار گلے میں ڈال جلوس کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اپنی یہ آن بان دیکھ کر وہ گھوڑے کو رانوں میں مسلنے، اکڑنے اور گھمنڈ کرنے لگا۔ اتنے میں ابلیس اس کے پاس آیا اور اس کے نتھنے پر اپنا ہاتھ رکھ کر اس

کا ناک میں غرور اور نخوت کی ہوا پھونک دی اور وہ اپنے دل میں ڈینگ مار کر کہنے لگا کہ دنیا میں مجھ جیسا کون ہو سکتا ہے! اور اسی طرح تمنا اور ہم چومن دیگرے نیست کے زبان حال سے نعرے لگاتا چلا جا رہا تھا کہ اس کے سامنے ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے آیا اور سلام کیا' بادشاہ نے جواب دینا تو کجا اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ اس شخص نے بادشاہ کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی' بادشاہ نے تیوری بدل کر کہا اپنا ہاتھ ہٹا' معلوم بھی ہے کہ تو نے کس کی باگ پکڑی ہے؟ اس شخص نے کہا' مجھے تجھ سے ایک کام ہے۔ بادشاہ نے کہا صبر کر' جب میں گھوڑے سے اتروں تو اپنی ضرورت بیان کیجیو۔ اس نے کہا وہ ایک بھید ہے جو میں تیرے کان میں کہہ سکتا ہوں۔ بادشاہ نے اپنا کان اس کی طرف جھکایا۔ اس شخص نے کہا میں ملک الموت ہوں اور تیری روح نکالنے آیا ہوں۔ بادشاہ نے کہا اتنا ٹھہر جا کہ میں گھر جا کر اپنے بال بچوں اور امراء اور وزراء سے رخصت ہو لوں۔ اس نے جواب دیا کہ تو ہرگز واپس نہیں جا سکتا اور نہ ہی ان کو دیکھ سکتا ہے کیونکہ تیری زندگی کے لمحے ختم ہو چکے ہیں۔ یہ کہہ کہ ملک الموت نے گھوڑے کے اوپر ہی اس کی جان لے لی اور وہ مردہ ہو کر گر پڑا۔

ملک الموت وہاں سے چل کر ایک نیک مرد کے پاس پہنچا۔ جس سے خدا خوش تھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ ملک الموت نے کہا اے نیک مرد میں تیرے پاس ایک ضروت سے آیا ہوں اور وہ ایک راز کی بات ہے۔ نیک مرد نے کہا اپنی ضرورت میرے کان میں کہہ۔ اس نے کہا میں ملک الموت ہوں۔ نیک مرد نے کہا۔ خوش آمدید' خدا کا شکر ہے کہ تو آیا۔ میں تیرے آنے کا بڑا مشتاق تھا لیکن تو نے بڑی دیر لگائی۔ ملک الموت نے کہا اگر تجھے کوئی ضرورت ہو تو اسے پوری کر لے۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کے دیدار سے زیادہ ضروری مجھے اور کوئی کام نہیں۔ ملک الموت نے پوچھا میں کس حالت میں تیری روح نکالوں' کیونکہ مجھے حکم ہے کہ میں تیری روح اسی طرح نکالوں جس طرح کہ تو چاہے اور پسند کرے۔ اس شخص نے کہا

مجھے وضو کر لینے دے۔ جب میں نماز پڑھوں اور سجدے میں ہوں تو میری روح قبض کر لیجیو۔ ملک الموت نے کہا پروردگار کا حکم ہے کہ تیری روح تیری مرضی اور تیری خواہش کے موافق قبض کروں اور میں یونہی کروں گا جیسا کہ تو نے کہا ہے۔ نیک مرد اٹھا۔ وضو کر کے نماز پڑھنے لگا اور جونہی سجدے میں گیا ملک الموت نے اس کی روح قبض کر لی۔

○ بادشاہ اور ملک الموت کی کہانی

ایک بادشاہ کے پاس اتنا مال تھا جس کی گنتی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس نے وہ تمام چیزیں جمع کر رکھی تھیں جو خدا نے دنیا میں پیدا کی ہیں تاکہ عیش و عشرت سے زندگی بسر کرے۔ جمع کرتے کرتے جب دل بھر گیا تو اس نے چیزوں کے خرچ کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک بلند اور عالی شان محل بنوانا شروع کیا جو بادشاہوں کی شان کے قابل ہو۔
جہاں وہ اپنے مرتبہ بادشاہوں سے ملے۔ اس میں دو مضبوط دروازے لگوائے' ان کی محافظت کے لیے غلام' لشکری' دربان مقرر کئے۔ پھر ایک دن باورچی کو حکم دیا کہ بہترین کھانا پکائے۔ اپنے خاندان والوں' مصاحبوں' درباریوں اور نوکروں کو مدعو کیا کہ وہ اس کے ساتھ کھانا کھائیں اور اس کی میزبانی کا لطف اٹھائیں۔ بادشاہ اپنی حکومت کے تخت پر جلوہ افروز ہوا اور اپنے دل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا اے دل میں نے تیرے لیے دینا کی تمام نعمتیں جمع کی ہیں' اب اطمینان سے بیٹھ' ان کے مزے چکھ اور بہت دنوں تک زندہ رہ۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- چار سو تریسٹھ ویں رات

جب چار سو تریسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ ابھی یہ باتیں اپنے دل میں ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ محل کے باہر ایک شخص پھٹے پرانے

کپڑے پہنے آیا' اس کے گلے میں فقیروں کے بھیک مانگنے کا کشکول لٹکا ہوا تھا۔ اس نے محل کے دروازے کا حلقہ اس زور سے کھڑکھڑایا جیسے زلزلہ آ گیا۔ عمارت لرز اٹھی قریب تھا کہ تخت الٹ جائے۔ غلام ڈرے اور دوڑ کر دروازے پر پہنچے کہ کیا آفت آئی۔ دیکھا تو ایک شخص کھڑا ہے۔ اس سے کہنے لگے یہ کیا تیری حرکت اور بد تمیزی ہے؟ بادشاہ کو کھانا ختم کر لینے دے۔ بچا کھچا ہم تجھے دے دیں گے۔ اس نے غلاموں سے کہا اپنے آقا سے کہو میرے پاس آ کر بات سن جائے' میں ایک سخت ضرورت سے آیا ہوں۔ غلام نے کہا اے بوڑھے' تو ہے کون کہ ہم بادشاہ سے کہیں اور وہ نکل کر تیرے پاس آئے؟ وہ بولا کہ بس جا کر اتنا ہی اس سے کہہ دو۔ انہوں نے بادشاہ کے پاس جا کر یہ پیغام پہنچا دیا۔ بادشاہ نے کہا تم نے اسے ڈانٹا ڈپٹا کیوں نہیں اور سخت سست کیوں نہیں کہا؟ اتنے میں اس شخص نے دوبارہ دروازہ کھڑکھڑایا اور پہلی بار سے بھی زور سے۔ غلام ڈنڈے اور ہتھیار لے کر اسے مارنے پہنچ گئے۔ وہ الٹا ان پر غرانے لگا اور للکار کر کہا خبردار' اپنی اپنی جگہ کھڑے رہو۔ میں ملک الموت ہوں۔ یہ سن کا ان کی عقلیں جاتی رہیں۔ حواس اڑ گئے' کانپنے لگے اور اپنی جگہ سے ہل نہ سکے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اس نے کہلوایا میرے بدلے کسی دوسرے کی جان لے لے۔ ملک الموت نے کہا میں عوضی نہیں لے سکتا۔ میں تو محض تیرے لیے آیا ہوں تا کہ تجھے ان نعمتوں سے جدا کر دوں' جو تو نے جمع کر رکھی ہیں۔ اب تو بادشاہ کے حواس جاتے رہے' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا اور کہا لعنت ہو خدا کی دولت

پر جس نے مجھے دھوکے میں ڈال رکھا' تکلیف دی اور پروردگار کی عبادت سے روکا حالانکہ میرا خیال تھا کہ وہ مجھے فائدہ دے گی لیکن وہ میرے لیے وبال جان ہو گئی' میں خالی

ہاتھ یہاں سے جاتا ہوں۔ سارا مال و متاع میرے دشمنوں کے کام آئے گا۔ اللہ نے مال کو گویائی عطا کر دی۔ وہ بولا' تو مجھے پر لعنت کیوں کرتا ہے؟ تجھے چاہیئے کہ خود اپنے اوپر لعنت کرے' خدا نے ہم دونوں کو مٹی سے پیدا کیا اور مجھے تیرے ہاتھ میں اس لیے دیا کہ تو میرے ذریعے سے آخرت کا توشہ مہیا کرے' فقیروں' مسکینوں اور بوڑھوں کو خیرات دے' محتاج خانے کھولے' مسجدیں اور پل بنوائے کہ وہ آخرت میں تیرے کام آئیں۔ برخلاف اس کے تو نے مجھے جمع کر کے خزانے میں رکھا' اپنی نفسانی خواہشات کے لیے خرچ کیا۔ بجائے شکر کے نعمت کی کفران کی اور اب تو' مجھے برا بھلا کہتا ہے! پھر ملک الموت نے اس کی جان نکال لی اور وہ کھانا کھانے بھی نہ پایا تھا کہ مردہ ہو کر تخت پر سے گر پڑا۔

○ بنی اسرائیل کے بادشاہ اور ملک الموت کی کہانی

بنی اسرائیل کا ایک زبردست بادشاہ ایک روز اپنے تخت پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ دروازے سے ایک ڈراؤنی شکل کا آدمی چلا آ رہا ہے۔ بادشاہ اس کی صورت دیکھ کر گھبرا گیا اور کہنے لگا اے شخص' تو کون ہے اور تجھے کس نے اجازت دی کہ اس طرح بے دھڑک میرے گھر میں گھس کر میرے پاس آئے؟ وہ بولا گھر کے مالک نے مجھے اجازت دی ہے' مجھے کوئی بھی حاجب نہیں روکتا ہے۔ بادشاہوں کے پاس بھی جانے کے لیے مجھے اجازت کی ضرورت نہیں پڑتی۔ نہ میں بادشاہ کے دبدبے سے ڈرتا ہوں' نہ نوکروں چاکروں کی زیادتی سے۔ میں وہ شخص ہوں جسے زبردست بادشاہ شکست نہیں دے سکتا۔ کوئی میرے پنجے سے بچ کر نہیں جاتا۔ میں لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والا ہوں۔ یہ سن کر بادشاہ منہ کے بل گر پڑا' اس کے بدن میں رعشہ

آ گیا اور ہوش اڑ گئے۔ جب ذرا حواس درست ہوئے تو اس نے پوچھا کہ تو ملک الموت ہے؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ بادشاہ نے کہا میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں۔ ایک دن مجھے اور زندہ رہنے دے تاکہ میں اپنے گناہوں کی معافی مانگوں' پروردگار کے آگے توبہ کروں' جو مال میرے خزانوں میں ہے اسے حق داروں کو دے دوں اور اس کے حساب کی محنت اور عذاب سے نجات پاؤں۔ ملک الموت نے کہا ہرگز نہیں! ہرگز نہیں! یہ ناممکن ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو چونسٹھ ویں رات

جب چار سو چونسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- ملک الموت نے بادشاہ سے کہا کہ یہ ناممکن ہے' تیری زندگی کے دن گنے ہوئے ہیں' یہ سانسوں کا حساب و شمار اور تیرے اوقات قلم بند ہیں۔ بادشاہ بولا اچھا محض ایک گھڑی مجھے جینے دے۔ اس نے کہا گھڑی بھی حساب میں شامل ہے اور وہ تیری غفلت میں گزر چکی ہے۔ تیرے سانس پور ہو چکے ہیں۔ اب کچھ باقی نہیں۔ بادشاہ نے پوچھا جب میں قبر میں جاؤں گا تو میرے ساتھ کون ہو گا۔ اس نے جواب دیا بجز تیرے اعمال کے اور کوئی نہ ہو گا۔ بادشاہ نے کہا میں نے کوئی نیک کام نہیں کیا۔ اس نے کہا پھر تو دوزخ میں جائے گا اور خدا کے غضب میں مبتلا ہو گا۔ یہ کہہ کر اس نے بادشاہ کی روح قبض کر لی اور وہ تخت سے زمین پر گر پڑا اور لوگ رونے پیٹنے لگے۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کے آقا سے پروردگار ناراض ہے تو وہ اور بھی زیادہ زار زار روتے۔

- ### سکندر ذوالقرنین اور مفلسوں کی کہانی

ایک مرتبہ سکندر ذوالقرنین کا گزر کسی مفلس قوم پر ہوا جن کے پاس دنیا کی کوئی چیز نہ تھی۔ جنھوں نے اپنے مردوں کی قبریں دروازوں کے سامنے بنا رکھی تھیں اور ہر وقت انہی قبروں کے پاس بیٹھے رہتے' وہاں جھاڑو دیتے' صفائی رکھتے' زیارت کرتے اور وہی ان کی عبادت کی جگہ تھی۔ گھاس پات کے سوا ان کے پاس کچھ بھی کھانے کو نہ تھا۔ سکندر ذوالقرنین نے ایک شخص کو بھیج کر ان کے سردار کو بلوایا لیکن وہ نہ آیا اور کہلا بھیجا کہ مجھے تیری کوئی ضرورت نہیں۔ ذوالقرنین خود اس کے پاس گیا

اور پوچھا کہ تم لوگوں کا کیا حال ہے اور تم لوگ کیا کام کرتے ہو؟ نہ تو تمہارے پاس سونا چاندی دکھائی دیتا ہے' نہ تم کو دنیا کی کوئی نعمت میسر ہے۔ سردار نے جواب دیا' دنیا کی نعمتوں سے کوئی شخص سیر نہیں ہوتا۔ سکندر نے پوچھا کہ تم نے دروازوں پر قبریں کیوں بنا رکھی ہیں؟ اس نے جواب دیا تا کہ وہ ہماری آنکھوں کے سامنے رہیں اور ہم انہیں دیکھ کر موت کو نہ بھولیں۔ آخرت کا دھیان رکھیں' ہمارے دل سے دنیا کی محبت جاتی رہے اور ہم اس کی وجہ سے اپنے پروردگار کی عبادت سے غافل نہ ہوں۔

سکندر نے کہا تم گھاس پات کیوں کھاتے ہو؟ سردار نے جواب دیا ہم اپنے پیٹوں کو جانوروں کی قبریں نہیں بنانا چاہتے اس لیے کھانے کی لذت حلق سے آگے نہیں گزرتی۔ یہ کہہ کر اس نے اپنے ہاتھ بڑھایا اور ایک شخص کی کھوپڑی نکال کر سکندر کے سامنے رکھ دی اور کہنے لگا اے ذوالقرنین تجھے معلوم ہے کہ یہ کس کی کھوپڑی ہے؟ سکندر نے کہا نہیں۔ سردار بولا' یہ دنیا کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ تھا جو اپنی رعیت پر ظلم و جور کیا کرتا' خاص کر کمزوروں پر' اور اس نے اپنی ساری زندگی دنیا کی چیزیں جمع کرنے میں گزار دی تھی۔ بالا آخر خدا نے اس کی روح قبض کر لی اور اسے جہنم رسید کیا' اور اب اس کا یہ حال ہے۔

پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ایک دوسری کھوپڑی سکندر کے سامنے رکھ دی اور کہا کہ اسے تو پہچانتا ہے؟ اس نے کہا' نہیں۔ بادشاہ نے کہا یہ بھی ایک بادشاہ کی کھوپڑی ہے جو اپنی رعیت کے ساتھ انصاف کرتا اور اپنے ملک والوں پر مہربان تھا اس کی بھی روح خدا نے قبض کر لی' اسے اپنی جنت میں جگہ دی اور اس کا درجہ بڑھایا۔ یہ کہہ کہ اس نے اپنا ہاتھ ذوالقرنین کے سر پر رکھا اور کہا تجھے معلوم ہے کہ تو ان دونوں میں سے کس کی طرح ہو گا؟ یہ سن کر ذوالقرنین زار زار رونے لگا اور اسے اپنے سینے سے لگا کر کہنے لگا' اگر تو میرے ساتھ چلنا پسند کرے تو میں اپنی وزارت تیرے سپرد کر دوں اور اپنے ملک میں تجھے شریک کر لوں۔ اس شخص نے جواب دیا' ایسا ہر گز

نہیں ہو سکتا' مجھے اس بات کی طرف کوئی رغبت نہیں۔ سکندر نے پوچھا کیوں نہیں؟ اس نے جواب دیا اس لیے کہ ساری دنیا تیری دشمن ہے اور میری دوست ہے۔ اس لیے کہ میں غریب ہوں اور قانع' نہ میرے پاس ملک ہے' نہ مجھے دنیا کا لالچ' نہ اس کی تلاس اور نہ ضرورت ہے۔ قناعت میرے واسطے کافی ہے۔ سکندر نے دوبارہ اسے اپنی چھاتی سے لگایا' اس کی پیشانی پر بوسہ دیا اور چلا گیا۔

○ نوشیرواں اور پرانی اینٹ کی کہانی

عادل بادشاہ نوشیرواں ایک دن بیمار بن بیٹھا اور اپنے معتمد لوگوں کو بلا کر حکم دیا کہ ملک کے کونے کونے میں جا کر کسی غیر آباد گاؤں سے ایک پرانی اینٹ لاؤ تا کہ میں اس سے اپنا علاج کر سکوں کیونکہ طبیبوں نے میرے لیے یہی علاج بتایا ہے۔

وہ لوگ ملک کے چاروں طرف گئے۔ ایک ایک ولایت چھان ڈالی اور واپس آ کر بادشاہ سے کہ ملک بھر میں' ہمیں نہ کوئی غیر آباد گاؤں ملا نہ پرانی اینٹ۔ نوشیرواں یہ سن کر بہت خوش ہوا اور خدا کا شکر ادا کیا اور کہنے لگا کہ صرف اپنے ملک کی آبادی کا اندازہ کرنا اور رعایا کی خوشحالی کا امتحان لینا چاہتا تھا کہ میری حکومت میں اگر کوئی غیر آباد جگہ باقی ہے تو میں اسے آباد کروں۔ اب چونکہ کوئی غیر آباد جگہ باقی نہیں لہٰذا مملکت کے امور مکمل ہو گئے۔ حالت منتظم اور آبادی کمال کے درجے تک پہنچ گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پینسٹھ ویں رات

جب چار سو پینسٹھ ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نوشیرواں نے کہ آبادی کمال کے درجے تک پہنچ گئی۔ دیکھ' اے بادشاہ کہ ان پرانے بادشاہوں کی کیسی ہمت تھی اور اپنے ملک کی آبادی کا انہیں کتنا خیال تھا۔

○ قاضی کی بیوی کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک قاضی تھا جس کی بیوی نہایت حسین تھی اور بڑی پارسا۔ ایک بار یہ قاضی بیت المقدس کی زیارت کے لیے گیا۔ چلتے وقت اپنے بھائی کو اپنی جگہ قاضی بنا کر اس سے کہا کہ میری بیوی کی خبر گیری رکھیو۔ بھائی اپنی بھاوج کے حسن و جما کی تعریف سنے ہوئے تھا۔ قاضی کے جانے کے بعد اس نے بھاوج کے پاس جا کر اسے بد کاری پر لگانا چاہا۔ اس نے انکار کیا۔ جتنا وہ انکار کرتی' اس کی تمنا اور زیادہ بڑھتی۔ اور جتنا وہ اصرار کرتی اتنا ہی عورت کا انکار بڑھتا۔ جب وہ نا امید ہو گیا تو ڈرا کہ کہیں وہ بھائی کو میری حرکت کی خبر نہ کر دے۔ اس لیے اس نے جھوٹے گواہ بنا کر اس پر زنا کر الزام لگایا۔ مقدمہ بادشاہ تک پہنچا۔ بادشاہ نے اس کے سنگسار کرنے کا حکم دے دیا۔ اب ایک گڑھا کھودا گیا اور عورت کو اس میں بٹھا کر سنگسار کیا۔ یہاں تک کہ وہ پتھروں سے ڈھک گئی۔ بادشاہ نے کہا یہی گڑھا اس کی قبر ہو گا۔ چناچہ وہ اسی گڑھے میں پڑی کراہتی رہی۔ دن چھپا رات ہوئی تو ایک شخص ادھر سے گزرا جو کسی گاؤں کو جا رہا تھا اس کے کراہنے کی آواز سن کر گڑھے کے پاس پہنچا۔ پتھر ہٹا کر عورت کو نکالا اور اپنے گھر لے گیا اور اپنی بیوی سے کہا کہ اس کا علاج کر۔ اس نے علاج کیا وہ اچھی ہو گئی۔ گاؤں والی عورت کا ایک بچہ تھا جسے

قاضی کی بیوی کھلاتی پلاتی اور اس کے ساتھ دوسرے مکان میں سوتی۔ آتے جاتے ایک چور کی اس پر نظر پڑی۔ شیطان نے اس کو بہکایا اور اس نے عورت کے پاس پھسلانے کے لیے پیغام بھیجا۔ عورت نے انکار کیا۔ چور نے اسے مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور رات کے وقت اس کے پاس پہنچا۔ جب وہ مکان میں داخل ہوا تو وہ سو رہی تھی اس نے چاقو پھینک کر مارا' چاقو بچے کے لگا اور وہ مر گیا۔

چور کو معلوم ہوا کہ لڑکا مر گیا تو وہ ڈر کے مارے وہاں سے نکل کر بھاگا اور خدا نے اس عورت کی عصمت بچا لی۔ صبح کو اٹھی تو بچے کو مردہ پایا۔ بچے کی ماں نے یہ دیکھا تو کہنے لگی کہ تو نے ہی مارا ہے اور اسے مارنے لگی اور چاہتی تھی کہ جان سے مار ڈالے مگر اس کے شوہر نے آ کر بچا لیا اور کہنے لگا خدا کے لیے ایسا نہ کر۔

قاضی کی عورت وہاں سے نکل بھاگی' یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہاں جائے۔ اس کے پاس کچھ درہم تھے۔ بھاگتے بھاگتے وہ ایک گاؤں کے پاس سے گزری تو اس نے دیکھا بہت سے لوگ جمع ہیں' ایک شخص صلیب پر چڑھا ہوا ہے اور ابھی اس میں جان باقی ہے۔ اس نے پوچھا اس نے کیا کیا ہے؟ لوگوں نے کہا ایک ایسا جرم کیا ہے جس کی سزا قتل ہے یا اس قدر درہم فدیہ۔ عورت نے کہا یہ درہم لو اور اسے چھوڑ دو۔ مجرم نے اس کے ہاتھ پر توبہ کی اور نذر مانی کی وہ مرتے دم تک اس کی خدمت کرے گا۔ چنانچہ اس نے ایک خانقاہ بنوائی اور قاضی کو بیوی کو اس میں رکھا اور خود جنگل سے لکڑیاں اور بازار سے کھانے پینے کا سامان لایا۔ عورت رات دن عبادت کرتی۔ تھوڑے ہی دن میں بزرگ' خدا رسیدہ مشہور ہو گئی۔ بیمار اور ضرورت مند اس کے پاس آنے لگے۔ جو آتا اس کی دعا سے فوراً اچھا ہو جاتا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## چار سو چھیاسٹھویں رات

چار سو چھیاسٹھویں رات ہوئی اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ اس کے دیور کے منہ پر جس نے اسے سنگسار کرایا تھا کوئی روگ پیدا ہوا اور وہ عورت جس نے اسے مارا تھا کوڑھ میں مبتلا ہو گئی اور چور کے ایسا درد ہونے لگا کہ وہ لولا' اپاہج ہو گیا۔ اسی زمانے میں قاضی بھی حج سے لوٹا اور اپنے بھائی سے اپنی بیوی کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا وہ مر گئی ہے۔ اسے بے حد افسوس ہوا اور یقین ہو گیا کہ وہ مر چکی ہے۔ اب اڑتے اڑتے لوگوں تک یہ خبر پہنچی کہ کسی صومعے میں ایک عورت رہتی ہے اور دنیا کے ہر حصے سے لوگ اس کی زیارت کو آتے ہیں۔ قاضی نے اپنے بھائی سے کہا' بھائی تو اس پارسا عورت کے پاس کیوں نہیں جاتا ممکن ہے کہ خدا اس کے ہاتھ سے تجھے شفا دے۔ اس کے بھائی نے کہا تو مجھے اس کے پاس لے چل۔ جس عورت کو کوڑھ ہوا تھا اس کے شوہر کو بھی یہ خبر لگی ہے اور وہ اسے خانقاہ میں لے گیا۔ چور کے گھر والوں نے بھی اس عورت کا شہرہ سنا اور اسے اس کے پاس لے گئے۔ یہ سب کے سب خانقاہ کے دروازے پر اکٹھا ہوئے۔ عورت ان کو دیکھ سکتی تھی جو اس خانقاہ میں آتے تھے مگر دوسرے اسے نہ دیکھ سکتے۔ ان سب کو اس کے خادم کا انتظار تھا۔ جب وہ آتا تو انہوں نے اسے درخواست کی کہ اندر جانے کی اجازت لے آئے۔ عورت نے اجازت دی' اپنے چہرے پر نقاب ڈال لی۔ اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا اور دروازے پر کھڑی ہو کر اپنے شوہر' اس کے بھائی' چور اور عورت کو دیکھنے لگی۔ اس نے ان کو پہچان لیا لیکن وہ اسے نہ پہچان سکے۔ پھر اس نے کہا' اے لوگو! جب تک تم اپنے گناہوں کا اعتراف نہ کرو گے' اچھے نہ ہو گے کیونکہ جب بندہ اپنے گناہ کا اعتراف کرتا ہے تو خدا اسے معاف کر دیتا ہے اور اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ قاضی نے اپنے بھائی سے کہا خدا کے سامنے توبہ کر

اور اپنے گناہ پر اصرار نہ کر۔ یہ تیری نجات کے لیے بہتر ہے۔
قاضی کے بھائی نے کہا۔ میں نے تیری بیوی کے ساتھ یہ شرارت کی ہے اور یہی میرا گناہ ہے۔ کوڑھ والی عورت نے کہا' میرے ہاں ایک عورت تھی' میں نے اس پر ایک الزام لگایا جس کا صحیح علم مجھے نہ تھا اور جان بوجھ کر اسے مارا۔ یہ ہے میرا گناہ۔
لولے اپاہج چور نے کہا میں ایک عورت کو قتل کرنے گیا تھا کیونکہ وہ میرے قابو میں نہیں آتی تھی اور میرے ساتھ بدکاری کرنے پر رضامند ہوتی تھی میں نے اس لڑکے کو قتل کر دیا جو اس کے آگے پڑا تھا۔ یہ ہے میرا گناہ۔ پارسا عورت نے کہا خداوند جس طرح تو نے انہیں گناہ کی ذلت دکھائی ہے اسی طرح اطاعت کی عزت دکھا کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا نے ان سب کو اچھا کر دیا۔ قاضی اس کی طرف غور سے دیکھنے لگا۔ عورت نے پوچھا' کیا دیکھتا ہے۔ اس نے کہا میری ایک بیوی تھی اگر وہ مر نہ چکی ہوتی تو میں کہتا وہ تو ہی ہے۔ اب عورت نے اپنے آپ کو ظاہر کر دیا اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اپنے احسان سے بچھڑے ہوؤں کو ملایا۔
اس کے بعد قاضی کا بھائی' چور اور عورت سب کے سب اس سے معافی مانگنے لگے اور اس نے سب کو معاف کر دیا اور سب اس کی خدمت اور خدا کی عبادت میں مشغول ہو گئے۔ یہاں تک کہ موت نے انہیں الگ الگ کر دیا۔

- پارسا عورت کی کہانی

ایک سید سے روایت ہے کہ ایک روز میں اندھیری رات میں کعبہ کا طواف کر رہا تھا' مجھے ایک دردناک آواز سنائی دی جو کسی غم زدہ دل سے نکل رہی تھی اور یہ کہتی تھی: اے کریم مجھ پر اپنی قدیم مہربانی فرما کیونکہ میں نے جو عہد کیا ہے اس پر قائم ہوں۔ یہ آواز سن کر میرا دل اس قدر پریشان ہوا کہ میں مرنے کے قریب ہو گیا۔ اب میں اس آواز کی طرف بڑھا' دیکھا کہ وہ ایک عورت ہے۔ میں نے کہا اے خدا

کی بندی! السلام علیک! اس نے جواب دیا کہ وعلیک السلام و رحمتہ اللہ و برکاتہ! میں نے پوچھا خدا کے لیے بتا کہ وہ کیا عہد ہے جس پر تو قائم ہے؟ اس نے کہا اگر تو خدا

کا واسطہ نہ دیتا تو میں اپنا بھید نہ بتاتی۔ دیکھ میرے سامنے کیا ہے؟ میں نے دیکھا اس کے آگے ایک بچہ سو رہا تھا۔ اس نے کہا جب یہ بچہ میرے پیٹ میں تھا تو میں اس گھر کا حج کرنے چلی تھی۔ جب کشتی پر سوار ہوئی تو سمندر میں تلاطم ہوا' مخالف ہوائیں چلنے لگیں اور ہماری کشتی ٹوٹ گئی۔ میں ایک تختے پر پڑی تیرتی رہی۔ اسی تختے پر یہ بچہ پیدا ہوا۔ بچہ میری گود میں تھا اور لہریں مجھے تھپیڑے مار رہی تھیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## چار سو سترھویں رات

جب چار سو سترھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عورت نے کہا بچہ میری گود میں تھا اور لہریں مجھے تھپیڑے مار رہی تھیں کہ کشتی کے ملاحوں میں

سے ایک ڈوبتا اچھلتا میرے پاس پہنچا اور تختے پر سوار ہو کر کہنے لگا' واللہ کشتی میں میرا جی تیری طرف بہت للچا رہا تھا' اب تو تیرے ساتھ ہوں۔ اب میرا ارمان نکال دے ورنہ میں تجھے اسی سمندر میں پھینک دوں گا۔ میں نے کہا مردود! جو کچھ تو نے دیکھا ہے اس سے تو نے سبق حاصل نہیں کیا؟ اس نے کہا میں نے ایسی باتیں بارہا دیکھی ہیں اور بچ گیا ہوں' مجھے اس کی پرواہ نہیں۔ میں نے کہا' اے شخص ہم اس وقت بلا میں گرفتار ہیں۔ ہمیں چاہیے کہ اطاعت کے ذریعے اس سے بچیں نہ کہ نافرمانی کریں۔ لیکن وہ اپنی بد ذاتی سے باز نہ آیا تو میں ڈری اور میں نے ارادہ کیا کہ اس کے ساتھ کوئی چال چلوں۔ اس سے کہا کہ ذرا ٹھہر جا' بچہ سو جائے۔ اس نے بچے کو میری گود سے لے کر سمندر میں پھینک دیا۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ اس نے کس بے دردی سے بچے کو پھینک دیا تو میرے ہوش اڑ گئے۔ غم و حرماں کی شدت میں' میں نے آسماں کی طرف سر اٹھا کر کہا اے وہ ذات جو انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہوتی ہے' میرے اور اس درندے کے درمیان حائل ہو جا' تو ہر چیز پر قادر ہے۔ میں ابھی اپنی دعا ختم بھی نہ کر پائی تھی کہ سمندر سے ایک جانور نکلا اور اسے تختے پر سے اچک لے گیا۔ اب میں اکیلی رہ گئی اور اپنے بیٹے کے ضائع ہونے پر آنسو بہانے لگی۔

ایک دن اور ایک رات اسی حالت میں پڑی رہی۔ دوسری صبح ہوئی تو مجھے دور سے ایک کشتی کے بادبان چمکتے دکھائی دیے۔ موجیں مجھے پھینک رہی تھیں اور ہوا دھکیلے جا رہی

تھی یہاں تک کہ میں اس جہاز کے پاس پہنچی جس کے بادبان مجھے دکھائی دیتے تھے۔ جہاز والوں نے مجھے اٹھا کر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ جہاز میں کیا دیکھتی ہوں کہ میرا بیٹا بھی موجود ہے۔ میں اس کے اوپر گری اور کہنے لگی اے لوگو' یہ میرا بیٹا ہے تمہیں کہاں سے ملا؟ انہوں نے کہا جب ہم سمندر میں چلے جا رہے تھے تو یک بہ یک ہمارا جہاز رک گیا۔ ہم نے ایک بہت بڑا جانور مثل ایک چٹان کے دیکھا۔ یہ بچہ اس کی پیٹھ پر بیٹھا اپنا انگوٹھا چوس رہا تھا۔ ہم نے اسے اپنے ساتھ لے لیا۔ میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو اپنا سارا قصہ انہیں سنایا' اپنے پروردگار کا شکر ادا کیا اور اس سے عہد کیا کہ میں کبھی تیرے گھر کو چھوڑ کر نہ جاؤں گی اور تیری خدمت سے منہ نہ موڑوں گی۔ پھر جو کچھ میں نے خدا سے مانگا اس نے دیا۔ سید کا بیان ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ تھیلی کی طرف بڑھایا اور چاہا کہ اسے کچھ دوں مگر اس نے کہا' اے بطال کہیں یہ ہو سکتا ہے کہ میں خدا کے فضل و کرم کا بیان کروں اور غیروں سے انعام لوں۔ اس نے میری کوئی چیز قبول نہ کی اور میں اسے چھوڑ کر چلا گیا اور وہ خدا کے گھر میں برابر مرتے دم تک عبادت کرتی رہی۔

- مالک بن دینار اور پارسا حبشی غلام کی کہانی

مالک بن دینا رحمتہ اللہ علیہ کا بیان ہے کہ ایک بار بصرے میں بالکل مینہ نہ برسا۔ ہم بارش کی دعا کرنے کئی مرتبہ باہر گئے۔ دعا قبول نہ ہوئی۔ اب میں عطاء السلمی' ثابت البنانی' نجی البکاء' محمد بن واسع' ایوب الختیانی' حبیب الفارسی' حسان بن ابی سنان' عتبتہ الغلام اور صالح المزنی شہر سے باہر نکلے اور مسجد میں پہنچے۔ بچے بھی اپنے مکتبوں سے نکل آئے اور ہم سب نے مینہ کی دعا مانگی لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ جب دوپہر ہو گئی تو لوگ واپس چلے گئے۔ فقط میں اور ثابت البنانی مسجد میں رہ گئے۔ رات کا اندھیرا

ہوا تو ہم نے دیکھا کہ ایک حبشی آیا جس کا چہرہ خوبصورت تھا' پنڈلیاں پتلی پتلی اور پیٹ بڑا وہ ادنیٰ ازار پہنے ہوئے تھا اور اس کے سارے لباس کی قیمت دو درہم سے زیادہ نہ ہو گی۔ اس شخص نے پانی لا کر وضو کیا' محراب میں جا کر دو رکعت نماز پڑھی جس میں قیام' رکوع' اور سجود سب برابر تھے' پھر اس نے اپنی نظر آسمان کی طرف اٹھائی اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے آقا! میرے مولیٰ کب تک تو' اپنے بندوں کو وہ چیز نہ دے گا جس سے تیری ملکیت میں کوئی کمی نہیں ہوتی؟ کیا تیرے پاس جو چیزیں تھیں وہ ختم ہو گئیں اور تیرے خزانے خالی ہو گئے؟ میں تجھے اس محبت کی قسم دیتا ہوں جو تجھے مجھ سے ہے فوراً پانی برسا ابھی وہ دعا ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ آسمان پر بادل چھا گئے اور اس طرح مینہ برسنے لگا جیسے مشکیں چھوٹ رہی ہیں اور ہم سب مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنے گھٹنے پانی کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اڑسٹھویں رات

جب چار سو اڑسٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ مالک نے کہا کہ ہم مسجد سے نکلے ہی تھے کہ گھٹنوں تک پانی میں آ گئے اور حبشی پر تعجب کرنے لگے۔ میں نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے حبشی تجھے شرم نہیں آتی کہ تو ایسی باتیں کرتا ہے؟ وہ میری طرف متوجہ ہوا اور کہا میں نے کیا بات کی؟ میں نے کہا کہ تو نے خدا کو اپنی محبت کا واسطہ دلایا تو کیا جانے کہ وہ تجھ سے محبت کرتا ہے؟ اس نے جواب دیا چل ہٹ تو اپنے آپ کو بھی بھول گیا ہے۔ میں نے اس وقت کہا تھا جب کہ اس نے توحید سے میری مدد کی اور مخصوص طور سے اپنی معرفت مجھے دی تھی؟ کیا یہ ساری باتیں اس نے بغیر محبت کے کیں۔ پھر اس نے کہا اس کی محبت میری طرف اتنی ہے جتنی میری اس کی طرف۔ میں نے کہا' میرے پاس ذرا ٹھہر جا' خدا تجھ پر رحمت کرے! اس نے کہا میں غلام ہوں اور مجھ پر چھوٹے آقا کی اطاعت فرض ہے۔ مالک کا بیان ہے کہ ہم دور دور اس کے پیچھے لگے رہے اور وہ ایک بردہ فروش کے گھر میں داخل ہوا۔ آدھی رات ہو چکی تھی باقی آدھی رات کا انتظار کرنا مشکل تھا اس لیے ہم چلے گئے۔ جب صبح ہوئی تو ہم بردہ فروش کے پاس گئے اور اس سے کہا کہ ہم نوکری کے لیے ایک غلام مول لینا چاہتے ہیں۔ تیرے پاس کوئی ہے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس تقریباً سو غلام ہیں اور سب بکنے کے لیے ہیں۔ یہ کہہ کر اس نے ایک ایک کر کے تمام غلام دکھانے شروع کئے۔ یہاں تک کہ ستر غلام دکھائے لیکن میں نے ان میں اپنے دوست کو نہ دیکھا۔ اس نے کہا ان کے علاوہ میرے پاس کوئی اور غلام نہیں۔

جب ہم وہاں سے چل دیئے تو ہم اس کے مکان کے پیچھے ایک کھنڈر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہی حبشی وہاں کھڑا ہے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہی تو وہ ہے۔ بردہ

فروش کے پاس جا کر میں نے کہا کہ اس غلام کو میرے ہاتھ بیچ ڈال۔ اس نے کہا اے ابو یحییٰ یہ بڑا منحوس غلام ہے' رات بھر روتا ہے اور دن بھر پریشان رہتا ہے۔

میں نے کہا اسی لیے تو اسے مول لینا چاہتا ہوں۔ اب اس نے اسے آواز دی اور وہ اونگھتا ہوا نکلا۔ بردہ فروش نے مجھ سے کہا جتنے میں تو چاہے اسے خرید لے۔ میں نے اسے بیس دینار میں خرید لیا اور پوچھا اس کا کیا نام ہے؟ اس نے کہا میمون۔ میں اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر لے چلا۔ اس نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا اے میرے چھوٹے مالک تو نے مجھے کیوں خرید کیا؟ خدا کی قسم میں کسی مخلوق کی خدمت کے قابل نہیں۔ میں نے کہا میں نے تجھے اسی لیے خریدا ہے کہ تیری خدمت کروں اور تجھے سر آنکھوں پر بٹھاؤں۔ اس نے پوچھا یہ کیوں؟ میں نے کہا کیا تو ہمارا کل والا دوست نہیں ہے جو مسجد میں تھا؟ اس نے پوچھا تجھے میرا حال کیونکر معلوم ہوا؟ میں نے کہا میں وہی شخص ہوں جس نے کل تجھ سے باتیں کی تھیں۔ چلتے چلتے ہم ایک مسجد میں پہنچے۔ اس نے دو رکعتیں پڑھیں اور کہنے لگا میرے اللہ! میرے مولیٰ جو راز میرے

اور تیرے درمیاں تھا اس سے تو نے لوگوں کو واقف کر دیا اور مجھے لوگوں میں پشیمان کیا۔ اب میری زندگی کیونکر اچھی گزر سکتی ہے' تیرے علاوہ اوروں کو وہ راز معلوم ہو گیا ہے جو میرے اور تیرے درمیاں تھا۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ فوراً میری روح نکال لے۔ یہ کہہ کر وہ اس طرح سجدے میں گر گیا کہ پھر سر نہ اٹھایا۔ تھوڑی دیر انتظار کرنے کے بعد میں نے اسے جنبش دی لیکن وہ مر چکا تھا۔ خدا اس پر رحمت بھیجے! میں نے اس کے ہاتھ پاؤں سیدھے کئے دیکھا کہ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہے اور سفیدی سیاہی غالب ہے۔ اس کے چہرے پر نور ہے۔ ہم اس کی حالت پر تعجب ہی کر رہے تھے کہ ایک دروازے سے ایک نوجوان شخص نکلا اور کہنے لگا السلام علیکم' ہمارے بھائی میموں کی وجہ سے خدا ہمیں اور تمہیں اجر دے۔ لو یہ کفن ہے۔ اس میں اس کی تکفین کرو۔ یہ کہہ کر اس نے دو ٹکڑے کپڑے کے دئے جن کی مثل میں نے کبھی

نہ دیکھے تھے اور ہم نے انہیں بورکفن کے پہنا دیا۔ مالک کا بیاں ہے کہ لوگ اب تک اس کی قبر پر منہ مینہ ک دعا مانگنے جاتے ہیں اور خدا اسے حاجتیں طلب کرتے ہیں۔

○ بنی اسرائیل کے پارسا شوہر اور بیوی کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک شخص نہایت نیک اور عبادت گزار تھا۔ دنیا اور دنیا کی یاد بھلا کر رات دن اللہ اللہ کرتا۔ اس کی ایک بیوی تھی جو ہر حالت میں اس کی شریک' مددگار اور فرمانبردار تھی۔ دونوں برتن اور پنکھے بنا کر اپنی زندگ بسر کرتے۔ دن بھر کام کرتے رہتے شام ہوتی تو جو کچھ وہ تیار کرتے مرد انہیں لے کر گلی کوچوں میں جاتا اور خریدار تلاش کرتا۔ دونوں روزہ رکھتے۔ ایک روز حسب معمول وہ روزے سے تھے۔ سارا دن کا کام کر چکنے کے بعد شام کے وقت دستور کے موافق مرد اپنی بنائی ہوئی چیزیں لے کر بیچنے نکلا۔ اس کا گزر ایک امیر و کبیر دنیا دار کے دروازے پر ہوا۔ یہ شخص خوبرو اور خوش وضع تھا۔ مکان والے کی بیوی اسے دیکھتے ہی عاشق ہو گئی اور اس کے دل کو اس کی طرف کشش ہونے لگی۔ اس کا شوہر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ اس نے اپنی خادمہ کو بلا کر کہا' اس شخص کو کسی حیلے سے میرے پاس لے آ۔ خادمہ باہر آئی اور اسے بلا کر خریداری کرنے کے بہانے روک لیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # چار سو انہترویں رات

جب چار سو انہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- خادمہ نے باہر جا کر اس شخص کو بلایا اور کہا اندر آ' میری مالکہ چیزوں میں سے کچھ خریدنا چاہتی ہے مگر پہلے انہیں دیکھے اور جانچ پڑتال کرے گی۔ اس شخص کو گمان ہوا کہ وہ سچ کہتی ہو گی' اور سیدھے سبھاؤ اندر جا کر بیٹھ گیا۔ خادمہ نے دروازہ بند کر دیا۔ اچانک مکان کی مالکہ نکلی اور اس کی چادر پکڑ لی اور اپنی طرف کھینچ کر کمرے میں لے گئی اور کہنے لگی میں نہ جانے کب سے تیرے ساتھ خلوت کرنا چاہتی تھی' تیرے لیے میرا دل بے قرار تھا! یہ گھر خوشبو سے بسا ہوا ہے' کھانا حاضر ہے اور گھر کا مالک آج رات باہر گیا ہوا ہے۔ میں اپنے آپ کو تیرے سامنے پیش کرتی ہوں۔ بہت سے بادشاہوں' امراء اور دولت مندوں کو میری خواہش رہی ہے۔ میں نے ان میں سے کسی سے بات تک نہیں کی۔ اسی طرح اس نے بہت سی باتیں کیں۔ اس شخص نے خدا کی شرم کے مارے سر اوپر اٹھایا' اسے عذاب کا ڈر تھا۔ بہت چاہا کہ کسی طرح پیچھا چھوٹے مگر کچھ بن نہ پڑا۔ بالآخر وہ بولا میں تجھ سے ایک چیز مانگتا ہوں۔ عورت نے کہا' وہ کیا؟ اس نے کہا پانی' مجھ کو ضرورت ہے اسے لے کر کسی اونچی جگہ پر جاؤں اپنی حاجت رفع کروں اور گندگی دھوؤں۔ عورت نے کہا' مکان بڑا ہے' جگہ کی کمی نہیں اور غسل خانہ بھی تیار ہے۔ یہیں اپنی حاجت رفع کر لے۔ اس نے جواب دیا میں اوپر جانا چاہتا ہوں۔ عورت نے خادمہ سے کہا اسے اونچے مینار پر لے جا۔ وہ اسے لے کر اوپر گئی اور اسے پانی کا کوزہ دے کر نیچے اتر آئی۔ اس شخص نے وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھی اور زمین کی طرف دیکھا کہ کود پڑے مگر ڈرا کہ وہ زمین تک پہنچ کر چور چور ہو جائے گا۔ اس کے بعد وہ خدا کی معصیت اور اس کے عذاب

پر غور کرنے لگا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ اس عذاب کے مقابلے میں جان دے دینا اور اپنا خون بہانا زیادہ آسان ہے۔ آسمان کی طرف دیکھ کر کہا خداوند تو دیکھ رہا ہے کہ مجھ پر کیا بلا نازل ہوئی ہے اور میری حالت تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے کہ تو ہر چیز پر قادر ہے۔

یہ کہتے ہی وہ مینار کے اوپر سے کود پڑا۔ خدا نے فوراً ایک فرشتہ بھیج دیا جس نے اسے اپنے پروں پر بٹھا کر زمین پر اتار دیا اور وہ صحیح و سالم رہا اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ زمین پر آ کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس کی آبرو رکھ لی اور اس پر رحم کیا۔ وہ خالی ہاتھ اپنی بیوی کے پاس پہنچا۔ چونکہ آج اسے دیر ہو گئی تھی اور وہ خالی ہاتھ تھا۔ اس کی بیوی نے پوچھا کہ تجھے دیر کیوں لگی اور جو چیزیں تو لے گیا تھا انہیں کیا کیا اور خالی ہاتھ کیوں لوٹا؟ اس نے ساری مصیبت بیان کر دی جو اس پر گزری تھی اور یہ کہ وہ اس جگہ سے کود پڑا اور خدا نے اسے بچا لیا۔ بیوی نے کہا' شکر ہے خدا کا جس نے تجھے مصیبت سے بچا لیا۔ اب اس کی بیوی نے کہا پڑوسی روز دیکھتے ہیں کہ کہ ہم رات کے وقت اپنا تنور جلاتے ہیں۔ اگر انہوں نے آج ہمیں بغیر آگ کے دیکھا تو سمجھیں گے کہ ہمارے پاس کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ خدا کے شکر کا یہ اقتضاد ہے کہ ہم اپنی ناداری ظاہر نہ کریں' آج کے روزے کو کل کے روزے سے ملا دیں اور رات بھر نماز پڑھیں۔ یہ کہہ کر وہ تنور کے پاس گئی اور اس کے میں ایندھن ڈال کر آگ جلا دی تا کہ پڑوسیوں کو مغالطہ ہو۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس سے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو سترویں رات

چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب عورت پڑوسیوں کو مغالطہ دینے کے لیے آگ جلا چکی تو دونوں اٹھ کر وضو کیا اور نماز پڑھنے کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں ایک پڑوسن ان کے تنور سے آگ مانگنے کے لیے آئی۔ عورت نے کہا' تنور میں سے جا کر لے لے۔ پڑوسن تنور کے پاس جا کر آگ لینے لگی تو اس نے چلا کر کہا' اے فلاں اپنی روٹیوں کی خبر لے کہیں جل نہ جائیں۔ عورت نے اپنے شوہر سے کہا تو نے سنا یہ عورت کیا کہتی ہے؟ شوہر نے جواب دیا اٹھ کر دیکھ تو سہی۔ بیوی اٹھ کر تنور کے پاس گئی دیکھا کہ وہ روٹیوں سے بھرا پڑا ہے جو نہایت صاف ستھری ہیں۔ وہ ان روٹیوں کو لے کر اپنے شوہر کے پاس گئی۔ خدا کی اس عنایت کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کھا پی کر خدا کی تعریف کرنے لگے۔ پھر بیوی نے میاں سے کہا آ ہم خدا سے دعا مانگیں کہ وہ ہمیں کوئی ایسی چیز عنایت کرے جس کی وجہ سے ہم روزی کمانے کے جھنجھٹ سے بچ جائیں اور خدا کی عبادت میں مشغول رہ سکیں۔ شوہر نے کہا بہت خوب اور وہ خدا سے دعا مانگنے لگا' عورت آمین کہتی جاتی یہاں تک کہ چھت پھٹی اور ایک یاقوت گرا جس سے سارا گھر روشن ہو گیا۔ دونوں نے اور زیادہ شکر ادا کیا۔ خدا کی تعریف کی' اس یاقوت کے ملنے پر بے حد خوش ہوئے اور خوب نمازیں پڑھیں۔ جب رات آخر ہوئی تو وہ سو گئے۔ عورت نے خواب میں دیکھا کہ وہ جنت میں ہے اور وہاں ایک قطار میں بہت سے منبر اور کرسیاں لگی ہوئی ہیں۔ اس نے پوچھا کہ یہ کرسیاں اور منبر کیسے ہیں؟ جواب ملا کہ یہ منبر نبیوں کے ہیں اور یہ کرسیاں صدیقوں اور صالحوں کے لیے۔ عورت نے کہا' میرے شوہر کی کرسی کہاں ہے؟ اس سے کہا گیا کہ یہ۔ اس نے اس کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ اس کے ایک طرف ایک سوراخ ہے۔ اس نے پوچھا کہ یہ سوراخ کیسا ہے؟ انہوں نے جواب

دیا یہ سوراخ اس یاقوت کا ہے جو تمہارے گھر کی چھت میں سے گرا تھا۔ اس غم میں کہ صدیقوں کی کرسیوں کے درمیاں اس کے شوہر کی کرسی ناقص ہے وہ روتی ہوئی جاگ اٹھی اور اپنے میاں سے کہنے لگی کہ خدا سے دعا مانگ کہ وہ اس یاقوت کو یہاں سے اس کی جگہ پہنچا دے کیونکہ کچھ دنوں کے لیے بھوک اور غریبی کی تکلیف برداشت کر لینا اس سے بہتر ہے کہ بڑے لوگوں کے درمیان تیری کرسی میں سوراخ ہو۔ مرد نے دعا مانگی‘ وہ یاقوت اڑ کر چھت میں سے نکل گیا اور وہ دونوں اسی ناداری کی حالت میں خدا کی عبادت کرتے رہے یہاں تک کہ ان کا وصال ہو گیا۔

○ حجاج اور نیک مرد کی کہانی

حجاج بن یوسف ثقفی مدت سے ایک نیک مرد کر گرفتار کرنے کی فکر میں تھا۔ جب وہ پکڑا ہوا آیا تو حجاج نے کہا اے خدا کے دشمن‘ آخر خدا نے تجھے میرے قبضے میں دے دیا اور اس نے حکم دیا کہ اس کے پاؤں میں تنگ اور بھاری بیڑیاں ڈال کر قید خانے لے جاؤ اور اس کے لیے ایک کوٹھری بناؤ جہاں سے وہ نکل نہ سکے۔ نہ کوئی اس کے پاس جا سکے۔ داروغہ اسے قید خانے لے گیا‘ لوہار کو بلوایا اور بیڑیاں منگوائیں جس وقت لوہار ہتوڑی مارتا تو وہ شخص اپنے سر کو آسما کی طرف اٹھاتا اور کہتا کہ ”پیدا کرنا اور حکم چلانا تو اس کے اختیار میں ہے“ لوہار اپنا کام کر چکا تو داروغہ نے اس کے لیے ایک کوٹھڑی بنوائی اور اس میں اسے اکیلا بند کر دیا۔ رات آئی تو داروغہ‘ پہرے داروں کو وہاں چھوڑ کر اپنے گھر چلا گیا۔ صبح ہوئی اور داروغہ نے آ کر دیکھا کہ بیڑیاں ایک طرف پڑی ہوئی ہیں اور قیدی ناپید ہے۔ داروغہ ڈر گیا اسے یقین ہو گیا کہ اب میری جان گئی۔ گھر جا کر وہ اپنے بال بچوں سے رخصت ہوا اور اپنے کفن اور کفن کی خوشبوؤں کو آستین میں رکھ کر حجاج کے پاس پہنچا۔ جب وہ حجاج کے پاس آیا تو

اسے کفن کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ داروغہ نے کہا اے میرے مولا میں ان چیزوں کو لایا ہوں۔ حجاج نے کہا کیوں؟ اس نے قیدی کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

• چار سو اکہترویں رات

چار سو اکہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ داروغہ نے حجاج سے قیدی کا قصہ بیان کیا تو اس نے کہا' ملعون تو نے اسے کچھ کہتے سنا تھا؟ اس نے جواب دیا ہاں جب لوہار ہتھوڑی مارتا تو وہ آسمان کی طرف نظر اٹھا کر کہتا کہ پیدا کرنا اور حکم چلانا تواس کے اختیار میں ہے۔ حجاج بولا تجھے خبر نہیں کہ جس کو اس نے تیری موجودگی میں یاد کیا تھا اس نے تیری غیر حاضری میں اسے آزاد کر دیا!

○ لوہار کی کہانی جس کا ہاتھ آگ میں نہ جلتا تھا

ایک بار ایک نیک مرد کو یہ خبر ملی کہ فلاں شہر میں کوئی لوہار رہتا ہے جو آگ میں ہاتھ ڈال کر اس میں سے گرم لوہا نکال لیتا ہے اور آگ کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ وہ شخص اس شہر میں پہنچا اور لوہار کا پتا پوچھ کر اس کے پاس گیا۔ وہ وہاں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ لوہار واقع ویسا ہی کرتا ہے جیسا بیان کیا گیا ہے۔ جب لوہار اپنے کام سے فارغ ہو چکا تو اس شخص نے قریب آ کر سلام کیا ور کہا میں آج رات تیرا مہمان ہونا چاہتا ہوں۔ اس نے کہ بسرو چشم اور اسے گھر لے جا کر اس کے ساتھ شام کا کھانا کھایا۔ دونوں ایک ہی جگہ سوئے مگر اس نے لوہار کو خاص طور پر نماز پڑھتے یا عبادت کرتے نہ دیکھا اور اپنے دل میں کہنے لگا شاید وہ مجھ سے چھپاتا ہے۔ دوسری اور پھر تیسری رات بھی اس شخص نے وہیں گزار دی اور یہی دیکھا کہ وہ سوائے فرض اور سنت کے کچھ نہیں پڑھتا بلکہ رات کو تو نماز بھی کم پڑھتا ہے اس نے کہا' بھائی میں نے سنا تھا کہ خدا نے تجھے ایک کرامت دی ہے اور اس کا تجربہ بھی کیا' پھر تیری عبادت میں غور کیا تو اس میں کوئی بات ایسی نظر نہ آئی جو ان کرامتوں کا سبب

ہو سکے۔ بتا یہ کرامت تجھے کیونکر حاصل ہوئی؟ اس نے جواب دیا اس کا سبب مجھے ایک لڑکی سے سخت محبت تھی اور میں اس کے لیے بے قرار رہتا تھا۔ میں نے اسے اپنے پھندے میں لانے کی بہت کوشش کی لیکن نا کام رہا کیونہ وہ بڑی متقی اور پرہیزگار تھی۔ اس کے بعد ایک سال قحط پڑا۔ لوگ بھوک اور تکلیف میں مبتلا ہو گئے۔ ایک دن میں بیٹھا ہوا تھا کہ کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ باہر نکل کر دیکھا تو وہی لڑکی تھی۔ اس نے مجھ سے کہا' بھائی میں بھوک سے سخت پریشان ہوں اور یہ امید لے کر تیرے پاس آئی ہوں کہ خدا کے واسطے مجھے کچھ کھانے کو دے۔ میں نے جواب دیا تجھے معلوم ہے کہ میں تجھ پر عاشق ہوں اور تیری وجہ سے کیا کیا تکلیفیں گوارا کی ہیں' جب تک تو میرا ارمان نہ نکال دے گی میں تجھے کھانے کو نہ دوں گا۔ اس نے جواب دیا' موت بہتر ہے خدا کے گناہ سے۔ یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور دو دن کے بعد پھر آئی اور وہی کہا جو اس نے پہلے کہا تھا' میں نے پھر وہی جواب دیا۔ وہ مکان کے اندر آ کر بیٹھ گئی' اس کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ اس نے کہا' خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلا دے۔ میں نے کہا جب تک تو میری آرزو پوری نہ کرے گی ہرگز نہ کھلاؤں گا۔ اس نے جواب دیا کہ خدا کہ عذاب سے موت بہتر ہے اور وہ اٹھ کر چلی گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو بہترویں رات

جب چار سو بہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لڑکی اٹھ کر چلی گئی۔ دو دن بعد اس نے پھر آ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ میں نے نکل کر دیکھا کہ مارے بھوک کے اس کی آواز نہ نکلتی تھی وہ کہنے لگی اے میرے بھائی اب میری تمام تدبیریں ختم ہو چکیں اور سوا تیرے میں کسی اور کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہی۔ کیا تو نے مجھے خدا کے واسطے کچھ نہ کھانے کو دے گا؟ میں نے جواب دیا' اسی شرط کے ساتھ کہ تو میرا کہنا مان لے۔ وہ آ کر مکان کے اندر بیٹھ گئی۔ کھانا تیار ہونے میں ابھی دیر تھی۔ پک کر تیار ہوا اور میں نے پیالے میں نکالا تو خدا نے میرے دل میں ڈالا تف ہو تجھ پر! اس عورت کو جس کی عقل اور دین دونوں ناقص ہیں تو کھانا نہیں دیتا' بھوک کی وجہ سے وہ بے چین ہو رہی ہے اور تیرے پاس بار بار آتی ہے اور تو خدا کی معصیت سے منہ نہیں پھیرتا۔ میں نے اپنے دل میں کہا خدایا! میں اس گناہ سے توبہ کرتا ہوں جو میرے دل میں گزرا۔ میں کھانا لے کر اس کے پاس گیا اور اس سے کہا کھا اور کوئی خیال نہ کر۔ یہ خدا کے واسطے ہے۔ لڑکی نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھائیں اور کہنے لگی خدایا' اگر یہ شخص سچ کہتا ہے تو اس کے اوپر دنیا اور آخرت کی آگ حرام کر دے تو ہر بات پر قادر ہے اور دعا قبول کرتا ہے۔ لوہار بولا کہ سردی پڑ رہی تھی۔ ایک چنگاڑی میرے بدن پر گری لیکن خدا کی قدرت مجھے بالکل تکلیف نہ ہوئی۔ میرے دل میں خیال گزرا' ہو نہ ہو لڑکی کی دعا قبول ہو گئی۔

اور شہر زار کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تہترویں رات

جب چار سو تہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لوہار نے کہا خوش ہو خدا نے تیری دعا قبول کر لی۔ لڑکی نے نوالہ اپنے ہاتھ سے رکھ دیا اور کہنے لگی خدایا جس طرح تو نے میری دعا اس کے متعلق قبول کر لی۔ اسی طرح اب میری روح قبض کر لے، تو ہر چیز پر قادر ہے۔ خدا نے فوراً اس کی روح قبض کر لی۔ خدا اس پر رحمت کرے۔

○ نیک مرد اور نیک بادشاہ کی کہانی

بنی اسرائیل میں ایک بہت بڑا عابد و زاہد تھا۔ جب وہ خدا سے کوئی دعا مانگتا تو قبول ہوتی اور جو وہ طلب کرتا اسے ملتا۔ وہ پہاڑوں کی بہت سیر کرتا اور رات رات بھر نماز پڑھتا۔ خدا نے ایک بادل کو اس کا محکوم کر رکھا تھا جو اس کے ساتھ ساتھ رہتا اس پر خوب پانی برساتا جس سے وہ وضو کرتا اور پیتا۔ بہت دن تک اس کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ اس سے کوئی قصور سرزد ہوا۔ خدا نے وہ بادل اس پر سے ہٹا لیا اور اس کی دعا قبول کرنا بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر اس کے بے انتہا صدمہ ہوا۔ وہ اس وقت کو یاد کر کے تڑپتا جب خدا کی اس پر مہربانی تھی۔ رات دن افسوس کرتا اور پریشان رہتا۔ ایک رات وہ سو رہا تھا کسی نے خواب میں اسے کہا اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا بادل پھر تجھے مل جائے تو فلاں شہر میں فلاں بادشاہ کے پاس جا اور اس سے درخواست کر کہ وہ تیرے لیے دعا کرے۔ خدا اس کی نیک دعا کی برکت سے بادل پھر تجھے عطا فرمائے گا۔ وہ شخص منزلیں طے کرتا ہوں اس شہر میں پہنچا جس کا ذکر اس سے خواب میں کیا گیا تھا وہاں پہنچ کر اس نے بادشاہ کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے اس

کا پتا بیا دیا اور وہ محل پر جا پہنچا۔ دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک غلام نہایت عالی شان کرسی پر بیٹھا ہوا ہے اور بڑی شان و شوکت کی پوشاک پہن رکھی ہے۔ یہ شخص وہاں ٹھہر گیا اور غلام کو سلام کیا۔ غلام نے سلام کا جواب دے کر پوچھا کس ضرورت سے آیا ہے؟ اس نے کہا میں مظلوم ہوں اور فریاد کرنے بادشاہ کے پاس آیا ہوں۔
غلام نے کہا آج تو تو اس کے پاس نہیں جا سکتا فریاد کا اس نے ہفتے میں ایک روز مقرر کر رکھا ہے اور وہ فلاں دن ہے۔ اس وقت جا اس روز آئیو۔ اس شخص کو یہ بات بری معلوم ہوئی کہ بادشاہ لوگوں سے پوشیدہ رہتا ہے اور دل میں کہنے لگا جب اس کا یہ حال ہے تو وہ ولی اللہ کس طرح ہو سکتا ہے؟ بہر حال وہ چل دیا اور اس دن کا انتظار کرنے لگا جو اس سے کہا گیا تھا۔ اس شخص کا بیان ہے کہ جب وہ دن آیا جو دربان نے کہا تھا تو میں پھر گیا اور دیکھا کہ دروازے پر لوگوں کی بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ سب منتظر ہیں کہ انہیں اندر جانے کی اجازت ملے۔
میں بھی ان کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔ اتنے میں وزیر نکلا جو نہایت شان دار لباس پہنے ہوئے تھا اور جس کے آگے آگے نوکر چاکر اور غلام تھے۔ اس نے آواز دلوائی کہ فریادی اندر آئیں۔ لوگ اندر گئے۔ میں بھی ان کے ساتھ ساتھ ہو لیا۔ دیکھا کہ بادشاہ بیٹھا ہوا ہے او اس کے مصاحب درجہ بدرجہ اس کے سامنے کھڑے ہیں۔ وزیر نے ایک ایک کو پیش کرنا شروع کیا یہاں تک کہ میر باری آئی۔ جب وزیر نے مجھے پیش کیا تو بادشاہ نے میری طرف دیکھ کر کہا مرحبا اے بادل والے بیٹھ جا جب تک میں فارغ ہوں۔ مجھے اس کے کہنے پر تعجب ہوا' اس کی بزرگی اور فضیلت کا اعتراف کرنا پڑا۔
جب وہ لوگوں کے فیصلے کر کے فارغ ہو چکا تو وزرا' امرا رخصت ہوئے' بادشاہ میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے محل میں لے گیا۔ میں نے دیکھا کہ محل کے دروازے پر ایک حبشی غلام کھڑا ہوا ہے' ان کے کپڑے تکلف کے ہیں۔ ہتھیار لگائے زرہ بکتر پہنے اور تیر کمان لیے ہوئے ہے۔ غلام نے جلدی سے محل کا دروازہ کھول دیا۔ بادشاہ میرے ہاتھ میں ہاتھ دیئے اندر داخل ہوا۔ اس کے آگے ایک چھوٹے سے گھر کا دروازہ تھا۔ جسے بادشاہ

نے اپنے ہاتھ سے کھولا۔ جب ہم اس میں پہنچے تو میں کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک ٹوٹا پھوٹا کھنڈر ہے۔ اب بادشاہ ایک کوٹھری میں گیا جس میں محض ایک جاء نماز، وضو کے لیے پیالہ اور کچھ کھجور کے پتے تھے۔ یہاں اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ سفید اون کا ایک سخت جبہ اور ایک اونی ٹوپی پہن لی۔ خود بیٹھ گیا۔ مجھے بھی بٹھایا اور آواز دی کہ اے فلاں عورت! یعنی اس کی بیوی۔ آواز آئی، لبیک! بادشاہ نے کہا تو جانتی ہے آج ہمارا مہمان کون ہے؟ بیوی نے کہا ہاں بادل والا۔ اس نے کہا باہر آ۔ اس سے پردہ نہ کر۔ اتنے میں ایک عورت آئی جو مثل خیال کے تھی، جس کا چہرہ نئے چاند کی طرح چمک رہا تھا وہ اون کا جبہ پہنے اور نقاب ڈالے ہوئے تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

چار سو چوہترویں رات

جب چار سو چوہترویں رات ہوئی تو اس نے کہا سے نیک نہاد بادشاہ ------ ملکہ آ گئی تو بادشاہ نے کہا بھائی تو میرا قصہ سننا چاہتا ہے یا میں تیرے لیے دعا کروں اور تو چلتا بنے؟ اس نے جواب دیا نہیں۔ میں تمہارا قصہ سننا چاہتا ہوں اس کا میں زیادہ مشتاق ہوں۔ بادشاہ نے یہ حکومت میرے باپ دادا سے چلی آتی ہے اور وہ ایک دوسرے کے بعد بادشاہت کرتے چلے آئے ہیں۔ جب میں بادشاہ ہوا تو خدا نے میرے دل میں اس کی طرف سے نفرت ڈال دی۔ میں نے دل میں ٹھان لی کہ میں دنیا کی سیر کروں اور رعایا کو اپنے حال پر چھوڑ دوں لیکن پھر مجھے ڈر ہوا کہ ان میں فتنے فسار برپا ہو جائیں گے' شریعت اٹھ جائے گی اور دین کا شیرازہ بکھر جائے گا لہٰذا میں نے یونہی چلنے دیا۔ خود شاہی لباس پہنا اور غلاموں کو دربانی کے لیے مقرر کیا تاکہ بد ذات ڈریں' نیک لوگوں کو تنگ نہ کریں اور شریعت کے احکام قائم رہیں۔ چنانچہ سلطنت کے کاموں سے فارغ ہو کر میں یہاں آ کر وہ کپڑے اتار ڈالتا اور دوسرے پہن لیتا ہوں جیسا کہ تو نے ابھی دیکھا ہے اور یہ میری چچیری بہن ہے جو زہد میں میرے ساتھ ہے اور عبادت میں میری مدد کرتی ہے۔ دن میں ہم ان کھجور کے پتوں سے کچھ بنا کر رات کے لیے افطاری کا سامان تیار کرتے ہیں۔ چالیس سال سے ہماری یہی حالت ہے۔ ہم اپنا کام کر لیں تو تو بھی ہمارے ساتھ چلیو' خدا تجھ پر رحمت کرے! تاکہ ہم اپنی چیزیں بیچیں اور تو' ہمارے ساتھ افطاری میں شریک ہو۔ رات ہمارے ساتھ گزارے اور پھر کل اپنی حاجت پوری کر کے انشاء اللہ تعالٰی اپنے وطن روانہ ہو جائے۔ شام ہوئی تو ایک میانہ قد غلام آیا اور جو ان دونوں نے کھجور کے پتوں سے بنایا تھا اسے بازار لے جا کر ایک قیراط میں بیچا اور اس کی روٹی اور پھلیاں خرید کر گھر لایا۔ میں نے ان کے ساتھ ناشتہ کیا اور انہیں کے پاس سو گیا۔ آدھی رات کو وہ اٹھے اور نماز پڑھی

اور روئے۔ صبح ہوئی تو بادشاہ نے کہا خدایا' یہ تیرا بندہ تجھ سے درخواست کرتا ہے تو اس کا بادل پھر اسے عطا کر' تو ہر بات پر قادر ہے۔ خدایا اس کی درخواست منظور کر لے اس کا بادل اسے واپس دے دے۔ اس کا بیان ہے کہ عورت آمین کہتی جاتی تھی یہاں تک کہ وہی بادل کا ٹکڑا آسمان پر نمودار ہوا اور بادشاہ نے مجھے سے کہا' مبارک ہو! اب میں ان سے رخصت ہو کر روانہ ہوا اور وہ بادل پہلے کی طرح میرے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کے بعد جب کبھی میں نے ان دونوں کا واسطہ دے کر خدا سے کوئی چیز مانگی اس نے عطا کی۔

○ صحابی اور نصرانی لڑکی کی کہانی

ایک بار امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب نے مسلمانوں کا ایک لشکر تیار کر کے شام کی طرف دشمن کے مقابلے میں بھیجا اور انہوں نے ایک قلعے کا بڑا سخت محاصرہ کیا۔ اسلامی لشکر میں دو بھائی تھے جنہیں خدا نے دشمن کے مقابلے کے لیے بہت قوت اور جرات دی تھی۔ اس قلعے کا امیر اپنے سرداروں سے کہا کرتا کہ اگر یہ دونوں مسلمان مارے جائیں یا قید ہو جائیں تو باقی مسلمان کے لیے تم لوگ کافی ہو چناچہ کفار ان دونوں کے لیے طرح طرح کی چالیں چلتے' تدبیریں نکالتے اور ان کی گھات میں بیٹھے یہاں تک کہ ان میں سے ایک پکڑا گیا اور دوسرا شہید ہو گیا۔ قیدی کو لوگ قلعے کے امیر کے پاس لے گئے۔ جب امیر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا کہ اس کا قتل کرنا تکلیف دہ ہے اور مسلمانوں کو لوٹا دینا مصیبت۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچھترویں رات

جب چار سو پچھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- امیر نے کہا اگر یہ شخص مسلمانوں کو واپس دے دیا جائے تو مصیبت ہے۔ کیا اچھا تھا اگر یہ عیسائی

ہوتا۔ ایک سردار بولا اے امیر میں اسے سبز باغ دکھا کر اس کے دین سے پھیر دوں گا۔ عربوں کو عورتوں سے انتہا درجے کی رغبت ہوتی ہے اور میری ایک بیٹی ہے جو جمال و کمال میں یکتا ہے۔ یہ اسے دیکھے گا تو اس کی محبت میں گرفتار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ امیر نے کہا میں اسے تیرے حوالے کرتا ہوں' لے جا۔ سردار اسے اپنے گھر لے گیا اور لڑکی کو ایسے کپڑے پہنائے کہ اس کا حسن اور اس کی آن بان دوبالا ہو گئی۔ پھر اس مسلمان کو اندر لے جا کر بٹھایا۔ اس کے سامنے کھانا پیش کیا وہ نصرانی لڑکی اس کے سامنے اس طرح سے کھڑی ہوئی جیسے فرمانبردار خادمہ اپنے آقا کے آگے کھڑی ہوتی ہے کہ وہ حکم دے اور یہ بجا لائے۔ مسلمان نے دیکھا کہ اس پر یہ بلا نازل ہوئی تو اس نے خدا کی طرف رجوع کیا اور آنکھیں نیچی کر لیں' خدا کی عبادت اور قرآن خوانی میں لگ گیا۔ اس شخص کی آواز بہت اچھی تھی۔ طبیعت نہایت نیک با اثر۔ اس لیے اس نصرانی لڑکی کو اس سے محبت ہو گئی اس کا دل اس پر آ گیا۔ یہ کیفیت سات دن تک رہی وہ لڑکی کہنے لگی' کاش جوان مان لے کہ میں مسلمان ہو جاؤں!

جب لڑکی بہت دل تنگ ہوئی اور بے چین رہنے لگی تو ایک دن اس کے آگے گر پڑی اور کہا میں تجھے تیرے دین کی قسم دیتی ہوں کیا تو نے میری باتیں نہیں سنیں؟ وہ بولا کون سی باتیں؟ لڑکی نے کہا میرے آگے اسلام پیش کر۔ اس نے پیش کیا۔ وہ مسلمان ہو گئی اور طہارت کی۔ اس نے اسے نماز پڑھنا سکھائی۔ جب یہ سب ہو چکا تو اس نے کہا اے میرے بھائی میں تیری وجہ سے مسلمان ہوئی ہوں تا کہ مجھے تیرا

قرب حاصل ہو جائے۔ اس نے جواب دیا اسلام میں بغیر دو عادل گواہوں‘ مہر اور ولی کے نکاح نہیں ہو سکتا اور میری یہ حالت ہے کہ نہ تو میرے پاس دو گواہ ہیں‘ نہ ولی نہ مہر۔ اگر تیری تدبیر سے ہم یہاں سے نکل چلیں تو مجھے امید ہے کہ ہم دارالسلام پہنچ جائیں گے اور میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں کہ مذہب کی رو سے میں تیرے سوا کسی اور کو اپنی بیوی نہیں بناؤں گا۔ لڑکی بولی اچھا میں تدبیر نکالتی ہوں اور اس نے اپنے باپ سے کہا کہ اس مسلماں کا دل نرم ہو گیا ہے۔ اسے ہمارے دین میں داخل ہونے سے رغبت ہو چلی ہے اور میں اس کے دل کا ارمان نکالنے کے لیے راضی ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ یہ بات اس شہر میں نہیں ہو سکتی جہاں میرا بھائی مارا گیا ہے۔ دوسرے کسی شہر میں چل کہ میرے دل کو تسکین ہو پھر میں اپنی مراد پوری کر سکتا ہوں۔ اگر تم مجھے اس کے ساتھ کسی اور شہر میں بھیج دو تو اس میں کوئی ہرج نہیں۔ میں اس بات کا ذمہ لیتی ہوں کہ جو کچھ تم اور امیر چاہتے ہوں وہی ہو گا۔ باپ نے یہ خبر امیر کو دی‘ وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے حکم دے دیا کہ ان دونوں کو دوسری جگہ بھیج دیا جائے اور وہ روانہ ہو گئے۔ اس جگہ پہنچ کر جہاں امیر نے بھیجا تھا انہوں نے باقی دن گزارا۔ رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی‘ جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو چھترویں رات

چار سو چھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اسے نیک نہاد بادشاہ ------ جب رات ہوئی تو وہ آگے چل کھڑے ہوئے اور رات بھر چلتے رہے۔ جوان ایک تیز گھوڑے پر سوار تھا اور لڑکی اس کے پیچھے۔ وہ اسی طرح چلے جا رہے تھے کہ صبح ہو گئی اور اس نے راستے سے ہٹ کر لڑکی کو اتارا۔ دونوں نے وضو کر کے فجر کی نماز پڑھی۔ اسی حالت میں تھے کہ انہیں ہتھیاروں کی جھنکار' باگوں کی سرسراہٹ' آدمیوں کی باتیں اور ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ جوان نے کہا اے لڑکی یہ عیسائیوں کا لشکر معلوم ہوتا ہے جو ہمارے پیچھے لگے ہوئے ہیں' اب کیا تدبیر ہونی چاہیے ہمارا گھوڑا تو اتنا تھک گیا ہے کہ ایک قدم بھی نہیں چل سکتا؟ لڑکی نے کہا تعجب ہے تجھ پر! کیا تو ڈر گیا' تیری ہمت ٹوٹ گئی؟ اس نے جواب دیا' ہاں۔ لڑکی بولی مجھ سے اپنے پروردگار کی قدرت اور کمزوریوں کے اعداد کے متعلق کیا بیان کرتا تھا؟ آ ہم اس کے آگے گڑگڑائیں اور دعا مانگیں تا کہ وہ ہماری مدد کرے اور اپنی مہربانی دکھائے۔ اس نے کہا تو نے خوب بات کہی! اور دونوں خدا کے آگے عاجزی کرنے لگے۔

وہ دعا مانگ رہا تھا' لڑکی اس کی دعا پر آمین کہتی جاتی تھی اور گھوڑوں کے بھاگنے کی آواز ان کے قریب چلی آ رہی تھی کہ جوان کو اس کے شہید بھائی کی آواز سنائی دی کہ وہ کہہ رہا ہے بھائی ڈر نہیں' نہ غم زدہ ہو' یہ لوگ فرشتے ہیں جو خدا نے تم دونوں کے پاس بھیجے ہیں تا کہ وہ تمہارے نکاح کے گواہ بنیں۔ خدا نے اپنے فرشتوں کے آگے تم دونوں کے اوپر ناز کیا ہے' تمہیں نیک بختوں اور شہیدوں کا درجہ بخشتا ہے اور تمہارے لیے زمین کی طنابیں کھینچ دی ہیں' کل صبح تم مدینے کے پہاڑوں پر پہنچ جاؤ گے۔ جب تو عمر بن الخطاب سے ملے تو ان سے میرا سلام کہیو اور یہ کہیو کہ خدا آپ کو اسلام کا اچھا بدلہ دے کیونکہ آپ نے بہت کوشش کی ہے اور عمدہ مشورہ دیا ہے۔

فرشتوں نے جوان اور اس کی بیوی پر بلند آواز سے درود بھیجنا شروع کیا اور کہا خدا نے تیرا نکاح اس لڑکی سے حضرت آدم کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے کر دیا تھا۔ یہ سن کر وہ دونوں خوشی اور مسرت سے پھول گئے۔ ان کا ایمان اور زیادہ مضبوط ہو گیا۔ صبح ہوئی تو انہوں نے فجر کی نماز پڑھی۔ عمر بن الخطاب کا یہ دستور تھا کہ وہ اندھیرے ہی سے صبح کی نماز شروع کر دیتے اور اکثر ایسا ہوتا کہ جب وہ محراب میں داخل ہوتے تو ان کے پیچھے دو مقتدیوں سے زیادہ نہ ہوتے اور آپ انعام یا نساء کی سورت پڑھنی شروع کر دیتے اتنے میں سونے والے جاگ اٹھتے' وضو کرنے والے وضو کر چکتے اور دور رہنے والے آ چکتے یہاں تک کہ پہلی رکعت کے ختم ہوتے ہوتے اور جلد ختم کر دیتے۔ آج ایسا ہوا کہ آپ نے پہلی رکعت میں بھی چھوٹی سورت پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی اور سلام پھیر کر اپنے ساتھیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے چلو دولہا اور دولہن کا خیر مقدم کریں۔ اس پر آپ کے ساتھیوں کو تعجب ہوا۔ وہ آپ کی اس بات کا مطلب نہ سمجھ سکے۔ آپ کے پیچھے پیچھے ہو لیے اور آپ انہیں لے کر مدینے کے دروازے کی طرف روانہ ہوئے۔ ادھر جب روشنی ہوئی اور جوان کو مدینے کے اونچے مقامات دکھائی دینے لگے تو وہ آگے آگے اور اس کی بیوی پیچھے پیچھے مدینے کے دروازے کی طرف چلے۔ جب حضرت عمر اور دوسرے مسلمانوں کی نظر ان پر پڑی تو انہوں نے اسے سلام کیا اور شہر میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر نے حکم دیا کہ ولیمے کا کھانا پکوایا جائے۔ تمام مسلمان آ کر دعوت میں شریک ہوئے اور جوان اپنی دولہن سے ہم بستر ہوا اور خدا نے اس لڑکی سے جوان کو کئی اولادیں عطا کیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو سترویں رات

جب چار سو سترویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ خدا نے جوان کو اس کی بیوی سے کئی اولادیں دیں جو خدا کی راہ میں لڑے اور اپنے آباء و اجداد کا فخر قائم رکھا۔ وہ سب نہایت عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے رہے یہاں تک کہ لذتوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

○ ابراہیم بن خواص اور شہزادی کی کہانی

ابراہیم بن خواص بیان کرتے ہیں' ایک بار میرا جی چاہا کہ کفار کے ملک میں چلنا چاہیے۔ میں نے اپنی جی کو بہت روکا وہ نہ رکا اور طبیعت کو دوسری طرف لگانا چاہا لیکن وہ نہ لگی۔ بالاخر میں چل کھڑا ہوا اور کفار کے ملکوں میں سیر کرنے لگا۔ خدا کی مہربانی میرے ساتھ تھی۔ جو عیسائی مجھے دیکھتا اپنی آنکھ نیچی کر لیتا اور کترا کر چلا جاتا۔ یہاں تک کہ میں ایک بڑے شہر کے پاس پہنچا' دیکھا کہ اس کے دروازے پر بہت سے غلام کھڑے ہوئے ہیں' ان کے پاس ہتھیار ہیں اور ہاتھوں میں لوہے کی چھڑیاں۔ ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ سب کے سب سرو قد کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ وہ بولے بادشاہ کے پاس چل۔ اور وہ مجھے اس کے پاس لے گئے۔ وہ بڑا خوبصورت اور شاندار بادشاہ تھا۔ جب اس نے مجھے دیکھا تو پوچھا' کیا تو طبیب ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ اس نے غلاموں سے کہا اس شخص کو "اس" کے پاس لے جاؤ۔ مگر وہاں لے جانے سے پہلے اس سے کہہ دینا کہ شرط کیا ہے۔ اب وہ مجھے وہاں لے چلے اور مجھ سے کہا بادشاہ کی ایک بیٹی ہے جو سخت بیمار ہے' طبیب اسے اچھا کرنے سے عاجز آ گئے ہیں' جو طبیب آیا اس کا علاج کیا اور فائدہ نہ ہوا تو بادشاہ نے

اسے قتل کر دیا۔ آئندہ تیری مرضی۔ میں نے کہا بادشاہ نے مجھے اس کے پاس بھیجا ہے تو مجھے وہاں لے چلو۔ جب ہم اس کے دروازے پر پہنچے تو غلاموں نے دستک دی' لڑکی نے مکان کے اندر سے آواز دی۔ اس عجیب و غریب بھید والے طبیب کو اندر لے آؤ۔

ایک بوڑھے نے جلد سے دروازہ کھولا اور کہا اندر آ۔ میں اندر گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ گھر بھر میں پھول بچھے ہوئے ہیں' ایک کونے میں پردہ پڑا ہوا ہے اور اس کے پیچھے کوئی کمزور انسان کراہ رہا ہے۔ میں پردے کے آگے بیٹھ گیا اور سلام کرنا چاہتا ہی تھا کہ مجھے خدا کا قول یاد آ گیا کہ "یہودیوں اور عیسائیوں کو پہلے سلام نہ کیا کرو۔" میں رک گیا۔ اس نے پردے کے پیچھے سے آواز دی۔ اے خواص کے بیٹے' توحید اور اخلاص کا سلام کہاں گیا؟ مجھے سخت تعجب ہوا۔ میں نے کہا تو مجھے کیونکر جانتی ہے؟ اس نے کہا جب دل اور طبائع ایک ساتھ ہوتے ہیں تو زبان اندرونی بھیدوں سے آگاہ ہو جاتی ہے۔ کل میں نے خدا سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے ولیوں میں سے ایک ولی کو میرے پاس بھیجے جو مجھے یہاں سے نجات دلوائے۔ میرے مکان کے ایک کونے سے مجھ کو جواب ملا تھا کہ غمگین نہ ہو میں ابراہیم خواص کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں۔

میں نے لڑکی سے پوچھا' تیری حالت کیا ہے؟ اس نے جواب دیا چار سال ہوئے کہ حق مجھ پر ظاہر ہو گیا۔ وہی میرا ساتھی' دوست مقرب' اور ہم صحبت ہے۔ لوگ مجھے گھور گھور کر دیکھنے' مجھ پر طرح طرح کے گمان کرنے اور مجھے مجنون کہنے لگے۔ جب کبھی کوئی طبیب آتا تو مجھے اس سے وحشت ہوتی' کبھی کوئی ملنے آتا تو میرا دل گھبراتا۔

میں نے پوچھا' کیا چیز تجھے اسلام کی طرف لائی؟ اس نے کہا اس کی صاف دلیلیں اور روشن نشانیاں۔ جب راستہ صاف ہو جاتا ہے تو دلیل اور مدلول سب دکھائی دینے لگتے ہیں۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ وہ بوڑھا پہنچا جو اس کا پہریدار تھا اور اس نے لڑکی سے پوچھا طبیب نے کیا کہا؟ وہ بولی کہ بیماری کی تشخیص کی اور ٹھیک دوا دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھترویں رات

جب چار سو اٹھترویں رات ہوئی تو اس نے کہا سے نیک نہاد بادشاہ ------- لڑکی نے کہا طبیب نے ٹھیک تشخیص کی اور مناسب دوا دی' مجھے اس سے خوشی حاصل ہوئی اور وہ مجھ سے بھلائی کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے بادشاہ کے پاس جا کر خبر کی اور بادشاہ نے مجھے انعام و اکرام دینے کے لیے کہا۔ سات دن تک میں لڑکی کے پاس آتا جاتا رہا۔ اب اس نے کہا اے ابواسہ دارالاسلام کو کب میں ہجرت کروں گی؟ میں نے کہا تو کس طرح یہاں سے نکل سکتی ہے اور تجھے نکالنے کی کسے جرات ہے۔ اس نے کہا اس کو جو تجھے یہاں لایا اور مجھ ملایا۔ میں نے کہا تو نے کیا خوب کہا! دوسرے روز ہم شہر پناہ کے دروازے پر آئے اور اس نے لوگوں کی آنکھیں ہماری طرف بند کر دیں جس کا یہ حال ہے جب وہ کسی بات کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے۔ میں نے اس لڑکی سے زیادہ نماز اور روزے پر صبر کرنے والا کسی اور کو نہیں دیکھا۔ سات سال وہ بیت اللہ کے پڑوس میں رہی اور جب فوت ہوئی تو مکے میں دفن ہوئی' خدا اپنی رحمت اس پر نازل کرے!

○ نبی' دوار اور لکڑ ہارے کی کہانی

ایک نبی کسی اونچے پہاڑ پر عبادت میں مشغول رہتا جس کے نیچے ایک چشمہ بہتا تھا۔ دن کے وقت وہ پہاڑ کی چوٹی پر ایسی جگہ بیٹھ کر عبادت کرتا کہ راہ گیر اسے دیکھ نہ سکتے۔ وہ ہر اس شخص کو دیکھ سکتا جو چشمے پر آ کر ٹھہرتا۔ ایک روز وہ بیٹھا چشمے کی طرف دیکھ رہا تھا اس نے دیکھا کہ ایک سوداگر آ کر گھوڑے سے اترا اور گلے سے ایک

تھیلی اتار کر رکھ دی' ستایا اور پانی پی کر چل دیا' تھیلی وہیں چھوڑ دی جس میں دینار تھے۔ اس کے جاتے ہی ایک دوسرا شخص چشمے پر پہنچا اور تھیلی اٹھائی اور پانی پی کر صحیح و سلامت وہاں سے چلتا ہوا۔ اس کے بعد ایک لکڑ ہارا آیا جس کی پیٹھ پر لکڑیوں کا ایک بھاری بوجھ تھا اور چشمے پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔ اتنے میں وہی سوار گھبرایا آیا اور لکڑ ہارے سے کہنے لگا وہ تھیلی کہاں ہے جو اس جگہ تھی؟ اس نے کہا مجھے خبر نہیں۔ سوار تلوار کھینچ کر ایک ایسا ہاتھ مارا کہ وہ مر گیا اور اس کی تلاشی لی مگر کچھ نہ ملا۔ وہ اسے چھوڑ کر چلتا بنا۔ نبی نے کہا اے پروردگار ہزار دینار کوئی لے جائے اور مارا کوئی جائے! خدا نے اس کے پاس وحی بھیجی کہ تو' اپنی عبادت کیے جا' ملک کی سیاست تیرا کام نہیں۔ اس سوار کے باپ نے اس شخص کے باپ کے ایک ہزار دینار ایک بار جبراً چھین لیے تھے اس لیے میں نے بیٹے کو باپ کا مال دلوا دیا اور اس لکڑ ہارے نے سوار کے باپ کو قتل کیا تھا اس کے بیٹے نے اس کا قصاص لے لیا۔ نبی نے کہا کہ لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب-----

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو اناسیویں رات

جب چار سو اناسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ نبی نے کہا' لا الہ الا انت سبحانک انت علام الغیوب۔

- ملاح اور ولی اللہ کی کہانی

ایک بزرگ کا بیان ہے کہ مصر میں دریائے نیل پر ملاحی کرتا اور پورب سے پچھم کی طرف سواریاں لے جاتا۔ ایک روز میں اپنی کشتی میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک نورانی چہرے والا بوڑھا شخص میرے پاس آیا اور سلام کیا۔ میں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا کیا تو خدا کے واسطے مجھے لے چلے گا؟ میں نے کہا' ہاں۔ وہ بولا اور خدا کے واسطے مجھے کھانا کھلائے گا؟ میں نے کہا' ہاں اب وہ کشتی میں بیٹھ گیا اور میں نے اسے پورب کی طرف پہنچا دیا۔ وہ ایک گدڑی پہنے ہوئے تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چمڑے کی تھیلی اور ایک ڈنڈا تھا۔ جب وہ اترنے لگا تو اس نے مجھ سے کہا ایک امانت سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ اس نے کہا کل جب میں ظہر کے وقت تجھ کو بلاؤں تو آ جائیو تو مجھے اس درخت کے نیچے مرا ہوا پائے گا۔
مجھے غسل دے کر وہ کفن پہنائیو جو میرے سر کے نیچے ہو اور نماز پڑھ کر مجھے ریت میں دفن کر دیجیو اور گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا لے کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ جب کوئی انہیں مانگنے آئے تو دے دیجیو۔ مجھے اس پر سخت تعجب ہوا اور جا کر رات کو سو رہا۔ صبح ہوئی تو میں اس وقت کا انتظار کرنے لگا جو اس نے کہا تھا لیکن ظہر کا وقت ہوا تو میں اس کی بات بھول گیا۔ ظہر کے وقت مجھے الہام ہوا۔ میں جلدی سے گیا دیکھا کہ وہ درخت کے نیچے مرا ہوا پڑا ہے اور اس کے سرہانے ایک نیا کفن رکھا

ہوا ہے جس میں سے مشک کی خوشبو آ رہی ہے۔ میں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا' جنازے کی نماز پڑھ کر قبر کھودی اور اسے دفن کر کے نیل کو پار کیا اور رات کے وقت بچھم کی جانب پہنچا۔ گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا میرے ساتھ تھا۔ صبح کو وقت ہوا اور شہر کا دروازہ کھلا تو مجھے ایک جوان دکھائی دیا جو چور تھا اور جسے میں پہچانتا تھا۔ اس کے کپڑے نہایت باریک تھے اور اس کے ہاتھوں پر مہندی لگی ہوئی تھی وہ آتے ہی میرے پاس پہنچا اور کہنے لگا تو ہی فلاں شخص ہے؟ میں نے جواب دیا ہاں۔ اس نے کہا لا امانت دے۔ میں نے کہا کیسی امانت؟ اس نے کہا گدڑی' تھیلی اور ڈنڈا۔ میں نے کہا تجھے ان کا پتہ کس نے دیا؟ اس نے کہا یہ تو تجھے معلوم نہیں مگر میں رات فلاں شخص کی شادی میں گیا ہوا تھا۔ رات بھر گاتا رہا' صبح ہوئی تو میں لیٹ کر سو گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک شخص میرے پاس آ کر کہنے لگا کہ خدا نے فلاں ولی کی روح قبض کر لی ہے اور تجھے اس کا جانشین بنایا ہے اب تو فلاں ملاح کے پاس جا کر اس سے اس ولی کی گدڑی ' تھیلی اور ڈنڈا لے۔ وہ انہیں اس کے پاس بطور امانت رکھ گیا ہے۔ یہ سن کر میں تینوں چیزیں نکالیں اور اس کے حوالے کر دیں۔ اس نے اپنے کپڑے اتار کر وہ گدڑی پہن لی اور مجھے چھوڑ کر چلتا ہوا۔ میں اس محرومی پر رونے لگا۔

رات کو میں نے خواب میں اللہ میاں کو دیکھا کہ وہ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ اے میرے بندے کیا تجھے یہ گراں گزرا کہ میں نے ایک بندے پر احسان کیا اور اسے اپنی طرف واپس لے لیا۔ یہ میرا فرض ہے جسے میں چاہتا ہوں دیتا ہوں' میں ہر چیز پر قادر ہوں۔

○ نیک مرد کے بیٹے کی کہانی

بنی اسرائیل کے ایک نیک مرد کے پاس بہت دولت تھی اور اس کا ایک نیک خصال

بیٹا تھا۔ جب اس کے مرنے کا وقت قریب ہوا تو اس کا بیٹا سرہانے آ کر بیٹھا اور کہنے لگا اے میرے آقا مجھے وصیت کر۔ باپ نے کہا بیٹا کبھی خدا کی قسم نہ کھائیو' نہ سچی نہ جھوٹی۔ باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اکیلا رہ گیا۔ بنی اسرائیل کے بادشاہوں کو اس وصیت کی خبر ملی تو ایک شخص آیا اور بولا کہ میرا تیرے باپ کے ذمے اس قدر نکلتا ہے اور تجھے اس کی خبر ہے؟ یا تو قرضہ ادا کر دے ورنہ قسم کھا۔ بیٹا باپ کی وصیت پر کاربند تھا جو کچھ اس نے مانگا دے دیا۔ اب اس قسم کے لوگوں کا تانتا بندھ گیا جھوٹ موٹ قرضہ بتاتے اور لے جاتے۔ ناداری نے زور پکڑا۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ اس کی ساری پونجی ختم ہوئی۔ اس کی ایک نیک بخت بیوی تھی جس سے پہلے دو بچے تھے ایک روز اس نے اپنی بیوی سے کہا لوگ میرے پاس بہت آنے لگے ہیں۔ جب تک میرے پاس انہیں دینے کے لیے تھا میں دیتا رہا' اب کچھ باقی نہیں ہے۔ اس حال میں کوئی مانگنے والا آیا تو میں اور تو دونوں مصیبت میں پھنس جائیں گے' بہتر ہے کہ ہم ایسی جگہ نکل چلیں جہاں جاننے والا کوئی نہ ہو اور ہم انجانوں کی طرح گزارہ کریں۔ الغرض وہ اپنی بیوی اور دونوں بچوں کو لے کر کشتی پر سوار ہو گیا۔ کہاں جائے' یہ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔ خدا کا حکم کسی کے ٹالے نہیں ٹلتا۔ اتفاق کی بات کشتی ٹوٹ گئی۔ مرد ایک تختے پر رہ گیا۔ عورت دوسرے پر اور ہر بچہ ایک ایک تختے پر۔ لہروں نے انہیں ایک دوسرے سے جدا کر دیا۔ عورت کسی شہر میں پہنچی۔ ایک بچہ کہیں جا نکلا اور دوسرے کو کسی کشتی والوں نے سمندر میں سے نکال لیا۔ مرد کا یہ حشر ہوا کہ موجوں نے اسے ایک دور دراز جزیرے میں جا پھینکا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا' اذان دی اور نماز پڑھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو اسی ویں رات

جب چار سو اسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ وہ شخص جزیرے میں پہنچا تو اس نے سمندر کے پانی سے وضو کیا۔ اذان دی اور نماز پڑھی۔ اتنے میں سمندر سے مختلف رنگوں کے لوگ نکل کر آئے اور انہوں نے اس کے ساتھ نماز پڑھی۔ نماز سے فارغ ہو چکا تو جزیرے میں ایک درخت کے پاس جا کر اس نے پھل کھائے۔ پیٹ بھرنے کے بعد ایک چشمے سے پانی پیا اور خدا کا شکر ادا کیا۔ تین دن تک یہی حالت رہی کہ وہ نماز پڑھتا اور لوگ سمندر سے نکل کر اسی کی طرح نماز پڑھتے۔ تین دن گزر گئے تو اس نے کسی کو یہ کہتے سنا کہ اے' نیک مرد جس نے اپنے باپ کے ساتھ نیکی کی ہے اور اپنے پروردگار کا احترام کیا ہے غمگین نہ ہو جو کچھ تیرے ہاتھ سے نکل گیا ہے اسے خدا پھر تجھے دے گا۔ اس جزیرے میں خزانے ہیں اور مال دولت' خدا وہ تجھے دینا چاہتا ہے۔ یہ چیزیں اس جزیرے میں فلاں فلاں جگہ ہیں۔ انہیں کھود کر نکال اور ہم تیرے پاس کشتیاں بھیجتے ہیں۔ لوگوں کے ساتھ احسان کر اور انہیں اپنے پاس بلا۔ خدا ان کے دل تیری طرف مائل کر دے گا۔" وہ شخص اٹھ کر جزیرے میں بتائی ہوئی جگہ گیا اور خدا نے وہ خزانے اس پر ظاہر کر دیئے۔ لوگ کشتیوں میں بیٹھ کر اس کے پاس آنے لگے اور وہ ان کے ساتھ بہت احسان کرتا اور ان سے کہتا تم اور لوگوں کو بھی میرے پاس لاؤ میں انہیں فلاں فلاں چیزیں دوں گا اور ان کے لیے فلاں فلاں بات کروں گا۔ اب چاروں طرف سے مخلوق اس کے پاس آنے لگی اور ابھی دس سال بھی نہ گزرے ہوں گے کہ جزیرہ آباد ہو گیا اور وہ شخص وہاں کا بادشاہ کہلانے لگا جو کوئی وہاں آتا وہ اس کے ساتھ احسان کرتا۔ یہ خبر دنیا میں ہر طرف مشہور ہو گئی۔

اس کا بڑا بیٹا ایک شخص کے ہاتھ لگا جس نے اسے لکھایا پڑھایا اور دوسرا ایک دوسرے

شخص کے پاس پہنچا جس نے اس کی بہت اچھی تربیت کی اور اسے تجارت کے طریقے سکھائے۔ عورت کو ایک تاجر نے نکالا۔ سارا مال اس کے سپرد کر دیا اور وعدہ کیا کہ وہ اس کے ساتھ خیانت نہ کرے گا بلکہ خدا کی فرمانبرداری میں اس کی مدد کرے گا۔ وہ اسے کشتی میں لے کر ملک ملک کی سیر کرتا اور جہاں جاتا اسے بھی لے جاتا۔

بڑے بیٹے نے اس بادشاہ کا شہرہ سنا تو وہ اس کے پاس روانہ ہو گیا۔ اسے معلوم نہ تھا کہ وہ کون ہے۔ وہ بادشاہ کے پاس پہنچا تو اس نے مصاحبت میں لے لیا اور اسے اپنا وزیر بنایا۔ جب دوسرے بیٹے نے اس عادل اور خدا پرست بادشاہ کے حالات سنے تو وہ بھی اس کے پہنچا۔ اسے بھی خبر نہ تھی کہ وہ کون ہے۔ بادشاہ نے اسے اپنا حاجب بنا لیا۔ اسی طرح وہ ایک مدت بادشاہ کی خدمت کرتے رہے اور ایک کو دوسرے کا حال مطلق معلوم نہ ہوا۔ تاجر کے پاس وہ عورت تھی اس نے بھی اس بادشاہ کی شہرت سنی کہ وہ لوگوں کے ساتھ نیکی اور احسان کرتا ہے۔ اس نے بھی کچھ عمدہ کپڑے اور ملک کے اچھے اچھے تحفے مہیا کئے۔ وہ عورت کو ساتھ لے کر کشتی میں سوار ہو گیا۔ جزیرے کے کنارے جا اترا اور بادشاہ کی خدمت میں ہدیے پیش کئے۔ بادشاہ انہیں دیکھ کر بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ اس شخص کو عمدہ انعام دیا جائے۔ ہدیے میں جڑی بوٹیاں بھی تھیں اور بادشاہ نے تاجر سے ان کے نام اور خاصیتیں دریافت کیں اور اس سے کہا کہ آج رات یہیں میرے پاس ٹھہر۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اکیاسی ویں رات

جب چار سو اکیاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بادشاہ نے تاجر سے کہا کہ آج رات میرے پاس ٹھہر جا تو اس نے کہا کشتی میں میری

ایک امانت ہے جس سے میں نے وعدہ کیا ہے کہ اسے اپنے سوا اور کسی کے سپرد نہ کروں گا۔ وہ ایک پارسا عورت ہے جس کی دعا سے میں خوشحال ہوا ہوں اور جس کے مشوروں سے مجھے برکت ملی ہے۔ بادشاہ نے کہاں میں بھی اس کے پاس معتمد لوگوں کو بھیجتا ہوں جو رات بھر اس کی پاسبانی اور اس کے مال کی حفاظت کریں گے۔ تاجر کی تسکین ہو گئی اور وہ بادشاہ کے پاس ٹھہر گیا۔ بادشاہ نے اپنے وزیر اور حاجب کو یہ کہہ کر اس عورت کے پاس روانہ کر دیا کہ رات بھر کشتی کی محافظت کرنا۔ دونوں چل دیئے اور کشتی پر سوار ہو کر ایک اگلی طرف اور دوسرا پچھلی طرف بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر تک تو خدا کی یاد میں مشغول رہے پھر ایک نے دوسرے سے کہا اے فلاں شخص' بادشاہ نے ہمیں چوکیدار کا حکم دیا ہے اور ہمیں ڈر ہے کہ کہیں نیند نہ آ جائے' آؤ ہم ایک دوسرے سے دنیا کی خبریں بیان کریں اور جو کچھ اچھی بری چیزیں ہم نے دیکھی ہیں سنائیں۔ دوسرے نے جواب دیا بھائی مجھ پر یہ مصیبت گزری کہ زمانے نے مجھے میرے ماں باپ اور بھائی سے جدا کر دیا۔ میرے بھائی کا نام وہی تھا جو تیرا ہے اور یہ اس طرح ہوا کہ میرا باپ فلاں شہر سے کشتی میں سوار ہوا' راستے میں طوفان آیا' مخالف ہوائیں چلنے لگیں' کشتی چکنا چور ہو گئی اور خدا نے ہمیں تتر بتر کر دیا۔ دوسرے نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا تیری ماں کا نام کیا ہے؟ اس نے کہا فلاں۔ اس نے پوچھا تیرے باپ کا نام؟ اس نے کہا فلاں۔ یہ سن کر بھائی بھائی سے لپٹ گیا اور کہنے لگا کدا کی قسم تو میرا بھائی ہے' اب دونوں بھائی اپنے اپنے لڑکپن کی داستانیں سنانے

لگے۔ ماں سن رہی تھی لیکن اس نے اپنا راز نہ کھولا۔ جب پوپھٹی تو ایک بھائی نے دوسرے سے کہا۔ اب گھر چل وہاں باتیں کریں گے۔ اس نے کہا اچھا اور دونوں چل کھڑے ہوئے۔

صبح تاجر عورت کے پاس آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ سخت پریشانی میں مبتلا ہے۔ اس نے پوچھا تجھے کیا تکلیف پہنچی؟ اس نے جواب دیا رات تو نے میرے پاس دو شخصوں کو بھیجا تھا جس سے مجھے بہت تکلیف پہنچی۔ یہ سن کر تاجر کو غصہ آ گیا اور اس نے بادشاہ کے پاس جا کر دونوں معتمدوں کی شکایت کی۔ بادشاہ نے انہیں فوراً طلب کیا۔ بادشاہ کو ان سے بہت محبت تھی۔ اسے ان کی دیانت اور امانت کا یقین تھا۔ بادشاہ نے عورت کو بھی بلوایا تاکہ وہ اپنی زبان سے ان کی شکایت کرے۔ جب وہ حاضر ہوئی تو بادشاہ نے کہا اے عورت تو نے ان دونوں امانت دار شخصوں سے کون سی حرکت دیکھی ہے؟ اس نے جواب دیا اے بادشاہ' میں اس بزرگ خدا کا تجھے واسطہ دیتی ہوں جو عرش کا مالک ہے تو ان دونوں کو حکم دے کہ وہ اس گفتگو کو دہرائیں جو یہ کل رات کر رہے تھے۔ بادشاہ نے ان سے کہا جو کچھ تم نے کہا تھا سے دہراؤ اور بے کم و کاست بیان کرو۔ انہوں نے اپنی اپنی باتیں دہرائیں تو بادشاہ تخت اتر پڑا اور ایک چیخ مار کر ان سے لپٹ گیا۔ انہیں گلے لگا لیا اور کہنے لگا واللہ تم میرے دونوں بیٹے ہو۔ اب عورت نے اپنا چہرہ کھول دیا اور کہنے لگی واللہ میں ان دونوں کی ماں ہوں۔ غرض کہ سب مل گئے اور نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگے یہاں تک کہ موت نے انہیں جدا کر دیا۔ پاک ہے وہ ذات کہ اگر بندہ اس کی طرف جائے تو نجات پائے اور جس کی امید و رجا اس کے ساتھ وابستہ ہو' کبھی ٹوٹی نہ ہو۔

○ ابوالحسن دراج اور ابو جعفر مجذوم کی کہانی

ابوالحسن دراج کا بیان ہے کہ میں اکثر مکے جایا کرتا تھا۔ خدا اس کی بزرگی اور زیادہ بڑھائے! اور لوگ میرے ساتھ کرتے تھے کیونکہ میں راستے سے واقف تھا اور منزلیں مجھے ازبر تھیں۔ ایک سال کا واقعہ ہے کہ میں نے بیت اللہ جانے اور رسول اللہ کی قبر کی زیارت کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے دل میں کہا مجھے راستہ تو معلوم ہے ہی' میں اکیلا جاؤں گا چناچہ میں روانہ ہو گیا اور قادسیہ پہنچا۔ شہر کے اندر داخل ہو کر مسجد میں گیا۔ دیکھا کہ ایک کوڑھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ مجھے دیکھ کر اس نے کہا اے ابوالحسن میں چاہتا ہوں کہ تیرے ساتھ مکے چلوں۔ میں نے اپنے دل میں سوچا میں ساتھیوں سے تو بھاگ کر آیا ہوں کوڑھیوں کے ہمراہ کیوں جاؤں! اور اس سے کہا میں کسی کے ساتھ نہیں جانا چاہتا۔ وہ چپ ہو گیا اور دوسرے دن میں اکیلا چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے عقبہ پہنچا۔ جب میں وہاں مسجد کے اندر گیا تو دیکھا کہ وہ کوڑھی محراب میں بیٹھا ہوا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا سبحان اللہ یہ شخص مجھ سے پہلے یہاں کس طرح آ گیا! اس نے اپنا سر اٹھایا اور مسکرا کر بولا اے ابوالحسن "وہ" کمزور کے ساتھ ایسی کرتا ہے جس سے زور آور کو تعجب ہوتا ہے۔ رات بھر میں اس واقعے پر تعجب ہوا کرتا رہا۔ صبح ہوئی تو میں پھر اکیلا چل کھڑا ہوا۔ عرفات پہنچ کر مسجد میں گیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہی شخص وہاں بھی محراب کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ میں اس کے قدموں پر گر پڑا اور کہا اے میرے آقا میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے ساتھ لے چل۔ یہ کہہ کر میں نے اس کے ہاتھ پاؤں چومنے شروع کر دیئے۔ اس نے کہاں میرے لیے ممکن نہیں۔ اس کی صحبت سے محروم ہونے کی وجہ سے میں رونے پیٹنے لگا۔ وہ بولا بے قرار نہ ہو' رونے سے کوئی فائدہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو بیاسی ویں رات

جب چار سو بیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- مجذوم نے کہا' رونے دھونے سے کوئی فائدہ نہیں۔ لاچار میں وہاں سے چل دیا۔ جب میں کسی منزل پر پہنچا تو دیکھتا کہ وہ وہاں مجھ سے پہلے موجود ہے لیکن جب میں مدینے میں پہنچا تو نہ اس کا پتا چلا نہ اس کی کوئی خبر معلوم ہوئی۔ اس کے بعد میری ملاقات ابویزید بسطامی' ابوبکر شبلی اور کئی بزرگوں سے ہوئی۔ میں نے انہیں اپنی سرگزشت سنائی اور ان کے سامنے اپنا رونا رویا۔ انھوں نے کہا افسوس ہے اگر تو اس سے پھر نہ مل سکے۔ وہ ابو جعفر مجذوم ہے۔ اس کی برکت سے پانی برستا ہے اور دعا قبول ہوتی ہے۔

میں نے ان سے یہ باتیں سنیں تو مجھے اس کی زیارت کا شوق اور بھی زیادہ ہوا۔ میں نے خدا سے دعا مانگی وہ مجھے اس سے ملا دے۔ میں عرفات میں کھڑا ہوا تھا کہ کسی نے پیچھے سے میرا دامن کھینچا۔ میں نے دیکھا تو وہی شخص تھا۔ اسے دیکھ کر میں نے زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ جب مجھے ہوش آیا تو وہاں نہ تھا۔ میرا اشتیاق اور زیادہ ہو گیا' گلیاں مجھے تنگ معلوم ہونے لگیں اور میں نے خدا سے اس کے دیدار کی دعا مانگی۔ تھوڑے دنوں کے بعد پھر اس نے مجھے پیچھے سے کھینچا اور میں اس کی طرف متوجہ ہوا تو ا نے کہا میں تجھے خدا کی قسم دیتا ہوں کہ میرے پاس آ اور اپنی حاجت مانگ۔ میں نے میرے لیے تین دعائیں مانگ۔ پہلے یہ کہ فقر سے مجھے محبت ہو جائے۔ دوسرے یہ کہ کسی رات کو مجھے اپنے آئندہ رزق کا علم نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ خدا مجھے اپنا دیدار دکھائے۔ اس نے تینوں دعائیں میرے لیے مانگیں اور غائب ہو گیا اور خدا نے میرے لیے اس کی دعا قبول کر لی۔ پہلی کے متعلق یہ ہے کہ خدا نے فقر کی محبت میرے دل میں ڈال دی۔ خدا کی قسم اس سے زیادہ پیار چیز

میرے لیے کوئی اور نہیں۔ دوسری کے متعلق یہ ہے کہ مجھے اتنے سال ہو گئے اور مجھے رات کے وقت یہ کبھی معلوم نہ ہوا کہ کل میرا رزق کہاں ہے' اور باوجود اس کے خدا نے مجھے کبھی کسی چیز کا محتاج نہیں بنایا اور مجھے امید ہے کہ خدا میری تیسری دعا بھی قبول کرے گا جس طرح کہ اس نے پہلی دو دعائیں قبول کر لی ہیں' وہ کریم ہے اور بڑے فضل والا۔

○ حکیم دانیال کے بیٹے کی کہانی

پرانے زمانے میں دانیال نامی یونان کا ایک حکیم تھا۔ فوج کی فوج اس کی شاگرد تھی۔ وہاں کے حکما اس کی دھاک مانتے اور اس کے علم سے فائدہ اٹھاتے۔ باوجود ان تمام علم و حکمت کی باتوں کے اللہ کی بے نیازی کہ اس کا کوئی بیٹا نہ تھا۔ ایک رات وہ اسی سوچ میں پڑا ہوا کڑھ رہا تھا کہ میرے بعد میری علمی دولت کا کیا حشر ہو گا۔ یک بہ یک اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر کوئی شخص خدا کی طرف رجوع کرے تو وہ اس کی دعا قبول کر لیتا ہے۔ اس کی رحمت کے دروازے پر کوئی دربان نہیں' وہ جسے چاہے بغیر حساب کے روزی دیتا ہے اور وہ کسی سائل کو نامراد نہیں لوٹاتا بلکہ اس کے ساتھب بہت نیکی اور احسان کرتا ہے۔ یہ یقین کر کے وہ خدا سے دعا مانگنے لگا کہ مجھے ایک ایسا بیٹا عطا کر جو میرا جانشین ہو اور اس پر احسان و عنایت کر۔ اس کے بعد وہ گھر گیا اور اپنی بیوی سے ہم بستر ہوا۔ وہ اسی رات حاملہ ہو گئی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو تراسی ویں رات

چار سو تراسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ حکیم کی بیوی کو اسی رات حمل رہ گیا۔ اسی اثناء میں وہ کشتی پر سوار کہیں جا رہا تھا کہ کشتی ٹوٹ گئی۔ اس کی کتابیں سمندر میں جا پڑیں وہ ایک تختے پر بیٹھ کر بچ گیا۔ اس کی کتابوں میں سے جو سمندر میں جا پڑی تھیں صرف پانچ ورق باقی رہ گئے۔ گھر پہنچ کر اس نے یہ پانچ ورق صندوق میں بند کر کے اس میں قفل لگا دیا۔ جب بیوی کا حمل ظاہر ہوا تو حکیم نے کہا' سن میرے مرنے کا وقت قریب آ گیا ہے۔ میں اس فانی دنیا سے باقی آخرت کی طرف جلد جانے والا ہوں اور تو حاملہ ہے' اگر میرے مرنے کے بعد تیرے لڑکا پیدا ہوا تو اس کا نام حاسب کریم الدین رکھیو اور اس کی تربیت اچھی طرح سے کیجیو۔ وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میرے باپ نے میرے لیے کیا ورثہ چھوڑا ہے تو اسے یہ پانچ ورق دے دیجیو۔ اگر اس نے انہیں پڑھ کر سمجھ لیا تو وہ اپنے زمانے کا بڑا عالم ہو جائے گا۔ یہ کہہ کر وہ بیوی سے رخصت ہوا۔ ایک چیخ ماری اور دنیا و مافیہا چھوڑ کر چلتا بنا' خدا اس پر رحمت کرے! اہل و عیال اور دوست آشنا نے بہت غم کیا' اس کا جنازہ نہایت شان و شوکت سے نکالا اور اسے دفن کر آئے۔ تھوڑے دنوں بعد اس کے ہاں ایک نہایت خوبصورت لڑکا پیدا ہوا' بیوی نے اس کا نام حاسب کریم الدین رکھا جیسا کہ باپ وصیت کر گیا تھا۔ یہ لڑکا پیدا ہوا تو ماں نے منجموں کو بلوایا' انہوں نے لڑکے کا طالع اور ستاروں کی رفتار دیکھ کر کہا' اے عورت سن یہ لڑکا بہت دن جئے گا لیکن ابتدائی عمر میں اسے مصیبت کا سامنا ہو گا اگر وہ اس سے بچ گیا تو حکمت میں کمال حاصل کرے گا۔

منجم تو یہ کہہ کر چلتے ہوئے' بات آئی گئی ہوئی۔ ماں نے دو سال دودھ پلا کر چھڑایا۔

پانچ سال کا ہوا تو اسے پڑھنے کے لیے مکتب میں بٹھایا لیکن اس نے کچھ نہ پڑھا۔

ماں نے مکتب سے اٹھا کر دست کاری سیکھنے کے لیے بھیجا' اس نے دستکاری بھی بالکل نہ سیکھی اور کوئی کام اس کے ہاتھ سے بن نہ پڑا۔ ماں کو اس کا بڑا صدمہ تھا۔ ہر وقت اسے بیٹے کے جاہل رہنے کا غم کھائے جاتا۔ لوگوں نے اسے مشورہ دیا کہ اس کا بیاہ کر دے' ممکن ہے وہ بیوی کا بوجھ پڑنے سے کوئی فن سیکھ لے۔ ماں نے ایک لڑکی کو اس کی طرف سے پیغام دیا اور بیٹے کا نکاح اس سے کر دیا۔ اس پر بھی ایک مدت گزر گئی اور اس نے کوئی پیشہ اختیار نہ کیا۔ پڑوس میں چند لکڑ ہارے رہتے تھے' انھوں نے اس کی ماں کے پاس آ کر اس کے لیے ایک گدھا' ایک رسی اور ایک کلہاڑی خرید دے وہ ہمارے ساتھ پہاڑ میں چل کر لکڑیاں کاٹے اور جمع کرے جو اس کے دام ملیں گے ہم آپس میں تقسیم کر لیا کریں گے اور وہ اپنے حصے کے دام تم پر خرچ کرے گا۔ ماں لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر بہت خوش ہوئی اور اس نے اپنے بیٹے کے لیے ایک گدھا' ایک رسی اور ایک کلہاڑی خریدی اور اسے لے جا کر لکڑ ہاروں کے سپرد کر دیا اور ان کی نگرانی میں دے دیا۔ انھوں نے اس کی ماں سے کہا فکر نہ کر ہمارا پروردگار اس لڑکے کو بھی روزی دے گا' یہ ہمارے استاد کا بیٹا ہے۔ اب وہ اسے لے کر پہاڑ پر گئے۔ لکڑیاں کاٹیں' انھیں گدھوں پر لاد کر شہر میں لائے اور انھیں بیچ کر اپنے اپنے اہل و عیال پر خرچ کیا۔ ایک مدت تک اسی طرح ہوتا رہا۔ وہ لکڑ ہاروں کے ساتھ جاتا' لکڑیاں کاٹتا' لکڑیاں بکتیں اور سب کے گھر کے خرچ چلتے۔

اب اللہ کی قدرت کا تماشہ دیکھو' ایک دن جب وہ لکڑیاں جمع کرنے جا رہے تھے' سخت بارش ہونے لگی اور سب کے سب اپنی اپنی جان لے کر ایک غار میں جا چھپے کہ مینہ سے بچیں۔ حاسب کریم الدین ان کے پاس سے اٹھ کر علیحدہ جا بیٹھا اور کلہاڑی زمین پر مارنے لگا۔ وہ جگہ اس کو نیچے سے کھوکھلی معلوم ہوئی۔ اس نے زور زور سے کلہاڑی چلانی شروع کر دی۔ تھوڑی دیر بعد کچھ مٹی ہٹ کر اس کی نظر ایک گول اینٹ پر پڑی جس میں ایک حلقہ لگا ہوا تھا۔ خوش ہو کر اس نے اور لکڑ ہاروں کو آواز دی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو چوراسی ویں رات

چار سو چوراسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حاسب کریم الدین نے لکڑ ہاروں کو آواز دی تو وہ سب کے سب وہاں پہنچے اور لپک کر اینٹ کو ہٹایا دیکھا کہ اس کے نیچے ایک دروازہ ہے۔ یہ دروازہ کھولا تو ایک کنواں دکھائی دیا جو شہد سے بھرا ہوا تھا۔ لکڑ ہاروں نے آپس میں کہا یہ کنواں شہد سے بھرا ہوا ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں کہ شہر جا کر برتن لائیں۔ شہد کو ان میں بھر کر لے آئیں' بیچیں اور اس کے دام آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر ہم میں سے ایک شخص یہیں بیٹھا رہے اور اس کی حفاظت کرے کہیں کوئی اور لے کر چلتا نہ ہو۔ حاسب نے کہا میں یہاں بیٹھ کر اس کی نگہبانی کروں گا تم لوگ جا کر برتن لے آؤ۔ وہ حاسب کریم الدین کو کنوئیں پر پہرا دینے کے چھوڑ کر شہر گئے اور برتن لا کر شہد بھرا اور گدھوں پر لاد کر شہر کو واپس گئے اور اسے بیچ کر دوبارہ کنوئیں پر آئے۔ ایک مدت تک یہی کرتے رہے: رات شہر میں گزارتے دن میں کنوئیں پر جا کر شہد بھرتے اور حاسب کریم الدین کنوئیں پر بیٹھ کر اس کی نگہبانی کرتا۔ ایک دن وہ آپس میں کہنے لگے جس شخص نے شہد کو کنوئیں کو دیکھا ہے وہ حاسب کریم الدین ہے۔ کل وہ شہر میں آ کر ہم پر دعویٰ کرے گا اور شہد کی قیمت لے گا کیونکہ وہ کہے گا کہ میں نے ہی تو اسے دیکھا ہے۔ اس سے چھٹکارے کی یہی تدبیر ہو سکتی ہے کہ ہم اسے کنوئیں کے اندر اتار دیں۔ اس بہانے کہ وہ بچا کھچا شہد جمع کرے اور پھر اسے وہیں پڑا رہنے دیں۔ وہ مارے تکلیف کے مر جائے گا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو گی۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور چل کھڑے ہوئے۔ چلتے چلتے کنوئیں کے پاس پہنچے اور حاسب کریم الدین سے کہا کنوئیں کے اندر اتر کا بچا کھچا شہد جمع کر۔ حاسب کنوئیں میں اتر

اور بچا کھچا شہد اکٹھا کیا اور اس کے بعد ان سے کہا مجھے نکال لو' اب شہد باقی نہیں رہا لیکن کسی نے کوئی جواب نہ دیا اور گدھے لاد کر شہر چلے گئے۔ وہ کنوئیں میں اکیلا رہ گیا۔ غریب دہائیاں دیتا' روتا چلاتا اور لاحول پڑھتا رہا۔ وہاں کون تھا جو سنتا۔

یہ تو حاسب کریم کا قصہ ہوا۔ اب لکڑ ہاروں کا حال سنئے۔ وہ شہر گئے' شہد بیچا اور حاسب کی ماں کے پاس جا کر رونے لگے اور کہا خدا تجھے سلامت رکھے! تیرا بیٹا مر گیا' اس نے پوچھا کس طرح اس کی موت آئی؟ انہوں نے جواب دیا ہم پہاڑ پر بیٹھے ہوئے تھے کہ بہت زور سے مینہ برسنے لگا۔ ہم نے ایک غار میں پناہ لی۔ اتنے میں تیرے بیٹے کا گدھا گھاٹی کی طرف یک بہ یک بھاگا اور تیرا بیٹا اس کے پیچھے دوڑا کہ اسے غار میں واپس لے آئے۔ وہاں گھاٹی میں ایک بہت بڑا بھیڑیا تھا جو تیرے بیٹے اور اس کے گدھے دونوں کو پھاڑ کر کھا گیا۔ لکڑ ہاروں کی یہ باتیں سن کر ماں منہ پیٹنے اور سر پر خاک ڈالنے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔ لکڑ ہارے ہر روز اس کے پاس آتے اور کھانا پینا لاتے۔ ادھر تو اس کی ماں اس غم میں مبتلا تھی۔ ادھر لکڑ ہاروں نے دکانیں کھول لیں اور سوداگر بن بیٹھے اور دن رات کھانے پینے اور کھیل کود میں مشغول ہو گئے۔

اب حاسب کریم الدین کی سر گزشت سنو۔ وہ برابر روتا اور فریاد کرتا رہا۔ اسی حالت میں تھا کہ ایک بڑا بچھو اس پر آ کر گرا۔ اس نے اٹھ کر اسے مارا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس کنوئیں میں تو شہد بھرا ہوا تھا۔ یہ بچھو کہاں سے آیا اور وہ اٹھ کر دیکھنے لگا کہ آخر بچھو کس جگہ سے گرا ہے۔ دائیں بائیں نظر دوڑاتے دوڑاتے ایک سوکھا سا سوراخ معلوم ہوا اور اس کے اندر روشنی دکھائی دی اس نے اپنی چھری نکال کر اسے چوڑا کیا۔ جب وہ اتنا بڑا ہو گیا کہ آدمی نکل جائے تو حاسب اس کے اندر گھسا۔ پار نکل کر تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے ایک دروازہ نظر ایا۔ قریب جا کر دیکھا کہ دروازہ بڑا اور سیاہ لوہے کا ہے' امیں چاندی کا قفل پڑا ہے اور سونے کی کنجی لگی ہوئی ہے۔ دروازے کی دراڑ میں سے جھانکا تو اندر تیز روشنی ہو رہی تھی' دروازہ

کھول کر اندر گیا۔ آگے چل کر ایک حوض سا دکھائی دیا جس میں پانی کی طرح کوئی چیز چمک رہی تھی' اس کے نزدیک پہنچا تو ہرے زبرجد کا ایک اونچا ٹیلا دیکھا۔ اس پر ایک سونے کا تخت رکھا تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو پچاسی ویں رات

چار سو پچاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- حاسب کریم نے دیکھا کہ تخت بچھا ہے اور اس کے آس پاس بہت سی کرسیاں پڑی ہوئی ہیں جس میں سے کچھ سونے' کچھ چاندی اور کچھ سبز زمرد کی ہیں۔ جب وہ کرسیوں کے پاس پہنچا تو اس نے ٹھنڈا سانس کھینچا اور کرسیاں گننے لگا۔ اس کی تعداد بارہ ہزار نکلی' پھر وہ اس تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا جو ان کرسیوں کے بیچ میں تھا۔ کبھی حوض کو دیکھتا' کبھی کرسیوں کو کبھی سوچتا کہ یہ کیا طلسم ہے۔ اس حیرت میں اسے نیند آ گئی' وہ سو گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد پھنکاروں' سیٹیوں اور سرسراہٹ کی آواز سنائی دیں۔ وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے دیکھا کہ کرسیوں پر بڑے بڑے سانپ بیٹھے ہوئے ہیں جن کی لمبائی سو سو گز ہو گی۔ وہ سہم گیا۔ مارے ڈر کے دم خشک ہونے لگا' جان سے ہاتھ دھو بیٹھا۔ سانپوں کی آنکھیں انگاروں کی طرف چمک رہی تھیں اور کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور اس کی نظر حوض پر پڑی تو اسے چھوٹے چھوٹے اس قدر سانپ اس میں دکھائی دیئے جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہ ہو سکتی تھی۔ تھوڑی دیر نہ گزری تھی کہ خچر کے برابر ایک سانپ اس کے سامنے آیا جس کی پیٹھ پر سونے کی سینی تھی' سینی کے اندر ایک سانپ تھا جو بلور کی طرف چمک رہا تھا' جس کی صورت انسان کی سی تھی اور نہایت شیریں کلام تھا۔ حاسب کریم کے پاس پہنچ کر سانپ نے سلام کیا' اس نے سلام کو جواب دیا۔ اب ان سانپوں میں سے جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک سانپ اٹھا اور سینی میں سے سانپ کو اتار کر اک کرسی پر بٹھا دیا۔ اس سانپ نے اپنی بولی میں ان سانپوں کو ڈانٹنا شروع کیا۔ سب سانپ کرسیوں سے نیچے گر پڑے اور اسے دعائیں دینے لگے۔ اب اس نے ان سے کہا بیٹھ جاؤ' وہ بیٹھ گئے اور اس نے حاسب کریم الدین کی طرف مخاطب ہو کر کہ اے جوان ہم سے ڈر نہیں۔ میں

سانپوں کی ملکہ اور اس قوم کا سلطان ہوں۔ سانپ سے یہ باتیں سن کر حاسب کریم کو اطمینان ہوا اور اس سانپ نے دوسرے سانپوں کی طرف اشارہ کر کے کہا' کھانے کے لیے کچھ چیزیں لاؤ۔" وہ سیب' انگور' انار' پستے' اخروٹ' بادام اور کیلے لے آئے اور حاسب کریم الدین کے آگے رکھ دیئے۔

پھر سانپوں کی ملکہ نے کہا خوش آمدید اے جوان' تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا حاسب کریم الدین۔ ملکہ نے کہا اے حاسب' یہ میوے کھا' ہمارے پاس ان کے سوا کوئی چیز نہیں جو کھانے کا کام دے اور ہم سے بالکل نہ ڈر۔ حاسب نہ سانپ کی باتیں سنیں تو اس نے پیٹ بھر کا کھایا اور خدا کا شکر بجا لایا۔ وہ کھا چکا تو دسترخوان بڑھایا گیا اور سانپوں کی ملکہ نے کہا اسے حاسب اب تو بتا کہ تو کہاں کا رہنے والا ہے یہاں کیسے آیا اور تیرا ماجرا کیا ہے؟ حاسب نے اپنی ساری سرگزشت کہہ سنائی کہ میرے باپ پر کیا گزری میں کس طرح پیدا ہوا۔ ماں نے پانچ سال کی عمر میں مجھے مکتب میں بٹھایا میں نے کچھ نہ پڑھا۔ پھر ماں نے دستکاری سیکھنے بھیجا' بے ہنر کا بے ہنر رہا تو آخر اس نے ایک گدھا خرید دیا اور میں لکڑ ہار ہو گیا' اس کے بعد کس طرح شہد کا کنواں ملا' کیونکہ ساتھی کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے بنے' کس طرح بچھو گرا اور بچھو کے نکلنے کی جگہ تلاش کی' سوکھا پایا۔ اسے بڑا کیا اور اندر آ کر لوہے کے دروازے کے پاس پہنچا' اسے کھول کر اندر آیا اور سانپوں کی ملکہ سے ملا غرض کہ سارا قصہ اول سے آخر تک سنا کر کہا اور اب خدا جانے کہ اس کے بعد کیا پیش آئے گا۔

سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین کی سرگزشت سنی تو کہنے لگی۔ اس لمحے کے بعد تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیاسی ویں رات

جب چار سو چھیاسی ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سانپوں کی ملکہ بولی اب تیرے لیے بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن اے حاسب میں چاہتی ہوں کہ کچھ دنوں تو یہاں ٹھہر میں بھی اپنی سرگزشت تجھے سناؤں اور جو جو عجیب و غریب واقعات مجھ پر گزرے ہیں تو' بھی انہیں سنے۔

حاسب ملکہ سے کیا عذر کرتا' ٹھہر گیا۔ ملکہ بولی اے حاسب سن۔ مصر پر بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کی حکومت تھی۔ بلوقیا نام کا اس کا ایک بیٹا تھا۔ بادشاہ کو دو شوق تھے عبادت اور تحصیل علوم۔ جب عبادت سے فرصت ملتی مختلف علوم کی کتابیں پڑھا کرتا۔ وہ بوڑھا ہو گیا اور اس کے مرنے کے دن قریب آ گئے تو سلطنت کے امراء سلام کرنے کے حاضر ہوئے۔ سلام کر چکے اور اس کے پاس بیٹھے تو اس نے کہا' اے لوگو! اب میں دنیا سے آخرت کی طرف جانے والا ہوں اور میرے پاس اپنے بیٹے بلوقیا کے سوا کوئی اور نہیں جسے تمہارے سپرد کروں۔ یہ کہہ کر اس نے اشھد ان لا الہ الا اللہ پڑھا اور ایک چیخ مار کر دنیا سے رخصت ہو گیا۔ خدا اس پر رحمت کرے! لوگوں نے اسے غسل دیا۔ تجہیز و تکفین کر کے دفن کر آئے۔ اس کی طرف سے بہت کچھ خیرات کی اور اس کے بیٹے بلوقیا کو اپنا بادشاہ بنایا۔ بلوقیا نے رعایا کے ساتھ انصاف کیا اور اس کے عہد میں لوگ امن و امان سے رہے۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ اس نے اپنے باپ کے خزانے کھولے تا کہ انہیں دیکھے۔ جب اس نے خزانہ کھولا تو اسے ایک دروازہ نظر آیا۔ اندر جا کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹی سی کوٹھری ہے اور اس کے اندر سفید مرمر کا ایک کھمبا جس کے اوپر آبنوس کا ایک صندوق ہے۔ بلوقیا نے یہ صندوق کھولا تو اس کے اندر ایک اور صندوق نکلا جو سونے کا تھا۔ جب وہ صندوق کھولا تو اس کے اندر سے ایک کتاب نکلی جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف

لکھی ہوئی تھی اور یہ کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور اگلے پچھلوں کے سردار ہوں گے۔
بلوقیا نے یہ کتاب پڑھی اور اسے ہمارے سردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صفات

سے واقفیت ہوئی تو اسے آپ سے محبت ہو گئی اور اس نے بنی اسرائیل کے امرا' احبار' کاہنوں اور رہبانوں کو بلا کر انہیں اس کتاب سے آگاہ کیا اور پڑھ کر سنایا اور کہنے لگا اے لوگو' میں اپنے باپ کو قبر سے نکال کر جلا دوں گا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تو اسے کیوں جلانا چاہتا ہے؟ بلوقیا نے کہا کہ اس نے یہ کتاب مجھ سے چھپائی اور مجھے نہ دکھائی۔ اس کتاب کو بادشاہ نے توریت اور حضرت ابراہیم کے صحیفوں سے اخذ کر کے لکھا اور اسے اپنے خزانے میں چھپا رکھا تھا اور کسی سے اس کی کوئی بات نہیں کہی تھی۔
لوگوں نے کہا۔ اے ہمارے بادشاہ' تیرا باپ مر چکا ہے اور اس وقت زمین کے نیچے ہے۔ اس کی جزا و سزا خدا کے ہاتھ میں ہے' اسے قبر سے نہ نکال۔ بلوقیا نے بنی اسرائیل کے امرا سے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ وہ اسے ہاتھ نہ لگانے دیں گے لہٰذا وہ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنی ماں کے پاس پہنچا اور اس سے کہنے لگا' اماں میں نے اپنے باپ کے خزانے میں ایک کتاب دیکھی ہے جس میں نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف ہے جو آخری زمانے میں مبعوث ہوں گے اور مجھے ان سے محبت ہو گئی ہے میں چاہتا ہوں کہ سیاحت کر کے ان سے ملوں۔ اگر میں ان سے نہ مل سکا تو میں ان کے پیچھے جان دے دوں گا۔
یہ کہہ کر اس نے شاہی لباس اتار ڈالا اور ایک عبا اور لمبے جوتے پہن لیے اور کہنے لگا اماں اپنی دعا میں مجھے نہ بھولیو۔ ماں رونے لگی اور اس نے کہا تیرے بعد ہمارا کیا حال ہو گا؟ بلوقیا نے کہا اب مجھے زیادہ صبر نہیں اور میں اپنے آپ کو اور تجھے خدا کے سپرد کرتا ہوں۔ اس کے بعد وہ شام کی طرف چل پڑا اور اپنے لوگوں میں سے کسی کو نہ خبر نہ کی۔ چلتے چلتے سمندر کے کنارے آیا اور ایک کشتی میں سوار ہو گیا جس

میں اور سواریاں بھی تھیں۔ کشتی ایک جزیرے پر آ لگی اور لوگ اتر کر جزیرے میں گئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ روانہ ہوا مگر آگے چل کر ان سے علیحدہ ہو گیا اور ایک درخت کے نیچے جا بیٹھا' اسے نیند آ گئی اور وہ سو گیا۔ جب وہ جاگا اور کشتی پر سوار ہونے لگا تو اس نے دیکھا کہ کشتی نے لنگر اٹھا دیئے ہیں اور چل دی ہے۔ اس جزیرے میں اسے اونٹوں اور تاڑ کے درختوں کے برابر سانپ دکھائی دیئے جو خدا کی یاد اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہے اور تحلیل و تسبیح میں مشغول تھے۔ یہ دیکھ کر بلوقیا حیران ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو ستاسیویں رات

جب چار سو ستاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سانپوں کی تسبیح و تحلیل جو سنی تو بلوقیا حیران رہ گیا۔ بلوقیا کو دیکھ کر سانپ اس کے ارد گرد

جمع ہو گئے اور ایک سانپ نے اس سے پوچھا تو کون ہے کہاں سے آیا ہے اور تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے اور میں بنی اسرائیل میں سے ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں نکل کھڑا ہوں اور انہیں ڈھونڈھ رہا ہوں مگر اے شریف بندو' تم کون ہو؟ سانپوں نے کہا ہم دوزخ کے رہنے والے ہیں' خدا نے ہمیں کافروں کو عذاب دینے کے پیدا کیا ہے۔ بلوقیا نے پوچھا تم یہاں کیسے آئے ہو؟ سانپوں نے کہا کہ ابال کی زیادتی کی وجہ سے دوزخ سال میں دو بار سانس لیتی ہے ایک بار جاڑوں میں اور بار گرمیوں میں۔ گرمی کی وجہ سے اسے ابال آتا ہے۔ جب وہ باہر کی طرف سانس کھینچ لیتی ہے تو ہمیں نکال پھینکتی ہے اور جب وہ اندر کی طرف سانس لیتی ہے تو ہمیں اپنی طرف کھینچ لیتی ہے۔ بلوقیا نے کہا دوزخ میں تم سے بڑے بھی سانپ ہیں؟ سانپوں نے جواب دیا ہم تو چھوٹے ہیں اور اسی لیے سانس باہر نکل پڑتے ہیں۔ دوزخ میں اتنے بڑے بڑے سانپ ہیں کہ اگر ہم سب سے بڑا ان کی ناک پر رینگنے تو انہیں خبر تک نہ ہو۔ بلوقیا نے کہا تم خدا کو یاد کرتے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہو مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم کہاں سے جانتے ہو۔ انہوں نے کہا اے بلوقیا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام جنت کے دروازے پر لکھا ہوا ہے۔ اگر وہ نہ ہوتے تو خدا نہ مخلوقات پیدا کرتا نہ جنت نہ دوزخ نہ آسمان نہ زمین۔ خدا نے تمام موجودات کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر پیدا کیا ہے اور ان کے نام کو ہر جگہ اپنے نام کے قریب رکھا ہے اس وجہ سے ہم

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتے ہیں۔
بلوقیا نے سانپوں سے یہ باتیں سنیں تو اس کی محبت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور

زیادہ بڑھ گئی اور اشتیاق زیادہ ہو گیا۔ اب بلوقیا ان سے رخصت ہو کر چل دیا اور سمندر کے کنارے پہنچا اس نے دیکھا کہ جزیرے کے کنارے ایک کشتی لنگر ڈالے کھڑی ہے وہ بھی اور لوگوں کے ساتھ اس میں سوار ہو گیا اور کشتی انہیں لے کر چل دی۔ چلتے چلتے وہ ایک دوسرے جزیرے پر پہنچے۔ بلوقیا اتر کا ایک طرف چلا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے وہاں بہت سے چھوٹے اور بڑے سانپ دکھائی دیئے جن کی گنتی سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ ان کے درمیان ایک سفید سانپ بیٹھا ہوا تھا اور سینی ایک دوسرے سانپ کی پیٹھ پر تھی جو ہاتھی کے برابر تھا۔ یہ سانپ تمام سانپوں کی ملکہ تھی اور اے حاسب وہ میں تھی۔ حاسب نے پوچھا کہ تو نے بلوقیا کو کیا جواب دیا۔

ملکہ نے کہا اے حاسب جب میں نے بلوقیا کو دیکھا تو اسے سلام کیا اور اس نے سلام کو جواب دیا۔ میں نے پوچھا' تو کون ہے' تیر کیا قصہ ہے' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اس نے کہا میں بنی اسرائیل میں سے ہوں' میرا نام بلوقیا ہے اور میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سفر کر رہا ہوں اور انہیں ڈھونڈھ رہا ہوں کیونکہ میں نے ان کی تعریف آسمانی کتابوں میں پڑھی ہے۔ اس کے بعد بلوقیا نے مجھ سے پوچھا تو کیا چیز ہے' تیرا ماجرا کیا ہے اور تیرے آس پاس یہ سانپ کیسے ہیں؟ میں نے کہا اے بلوقیا میں سانپوں کی ملکہ ہوں۔ جب تیری ملاقات محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہو تو انہیں میرا سلام کہیو۔ اس کے بعد بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر کشتی میں بیٹھ گیا اور چلتے چلتے بیت المقدس پہنچا۔ بیت المقدس میں ایک شخص جس کو تمام علوم پر دسترس تھی۔ ہندسہ' فلکیات' حساب سیمیا اور روحانی علوم اسے ازبر تھے اور تورایت' انجیل' زبور اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے پڑھا کرتا اس کا نام عفان

تھا۔ اس نے اپنے ہاں کی کتابوں میں پڑھا تھا کہ جو شخص سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی پہن لے تو جن و انس اور پرندے اور چرندے اور غرض کہ ساری خدائی اس کی فرمانبردار ہو جائے گی۔ اس نے کسی کتاب میں یہ پڑھا تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کا انتقال ہوا تو لوگ انہیں ایک تابوت میں رکھ کر سات سمندر پار لے گئے۔ انگوٹھی ان کی انگلی میں رہی' انسان اور جنات میں سے کسی کو یہ طاقت نہیں کہ وہ انگوٹھی اتار لے نہ کسی ملاح کی مجال ہے کہ اپنی کشتی اس جگہ تک لے جا سکے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھا دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھاسیویں رات

جب چار سو اٹھاسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ عفان نے کہا کہ کسی ملاح کی مجال نہیں کہ اپنی کشتی ساتوں سمندر پار وہاں لے جا سکے جہاں

ان کا تابوت ہے۔ ایک کتاب میں اس نے یہ بھی پڑھا تھا کہ کوئی ایسی جڑی بوٹی ہے کہ اگر کوئی اس کا تھوڑا سا عرق نکال کر اپنے تلووں میں لگا لے تو وہ خدا کے پیدا کیے ہوئے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے پاؤں ذرا بھی نہ بھیگیں اور کوئی شخص اس بوٹی کو نہیں پا سکتا جب تک اس کے ساتھ سانپوں کی ملکہ نہ ہو۔

جب بلوقیا بیت المقدس پہنچا تو وہ ایک جگہ بیٹھ کر خدا کی عبادت کرنے لگا ایک روز اسی حالت میں بیٹھا ہوا تھا کہ عفان نے آ کر اسے سلام کیا' اس نے سلام کا جواب دیا۔ عفان نے دیکھا کہ بلوقیا توریت پڑھ رہا ہے اور خدا کی عبادت میں مشغول ہے۔ اس نے آگے بڑھ کر کہا اے شخص تیرا کیا نام ہے' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس نے کہا میرا نام بلوقیا ہے' میں مصر کا رہنے والا ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ عفان نے بلوقیا سے کہا کہ گھر چل کر میرا مہمان بن۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ عفان بلوقیا کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گھر لے گیا' اس کی بڑی آؤ بھگت کی اور اس سے کہا اے میرے بھائی' اپنی داستان سنا اور یہ بتا کہ تجھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبر کہاں سے لگی کہ تو ان کی محبت میں گرفتار ہو گیا اور ان کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا اور یہاں تک تیری کس نے رہنمائی کی؟ بلوقیا نے اپنی ساری سرگزشت شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی۔

عفان نے اس کی باتیں سنیں تو قریب تھا کہ اس کے ہوش و حواس جاتے رہیں۔ وہ حیران و پریشان ہو کر رہ گیا اور اس نے بلوقیا سے کہا تو مجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دے میں تجھے محمد صلی علیہ وآلہ وسلم سے ملا دوں گا۔ مگر ان کے آنے کا زمانہ ابھی

دور ہے۔ اگر سانپوں کی ملکہ ہمارے ہتھے چڑھ گئی تو ہم اسے ایک پنجرے میں بند کر کے پہاڑی جڑی بوٹیوں کے پاس سے گزریں گے اس کے ساتھ ہم جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزریں گے وہ خدا کی قدرت سے بولنے لگے گی اور یہ بتا دے گی کہ اس میں کیا فائدہ ہیں کیونکہ میں نے اپنے ہاں کی ایک کتاب میں پڑھا ہے کہ ایک بوٹی ایسی ہے کہ اگر کوئی اسے لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں کے تلووں پر مل لے تو وہ خدا کے حکم سے ہر سمندر پر چل سکتا ہے اور اس کے تلوے تک تر نہ ہوں گے۔ اگر ہم سانپوں کی ملکہ کو اپنے ساتھ لے چلیں تو ہمیں اس کے ذریعے اس بوٹی کا پتہ چل جائے گا اور جب وہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے کر کوٹیں گے اور اس کا عرق نکال لیں گے پھر ملکہ کو جانے دیں گے اور اس عرق کو پاؤں کے تلووں پر مل کر سات سمندر طے کریں گے' سلیمان کے مدفن تک پہنچ کر ان کی انگلی سے انگوٹھی اتار لیں گے اور سلیمان کی طرح حکومت کریں گے اور ہمارا مقصد حاصل ہو جائے گا اس کے بعد بحر ظلمات میں جا کر زندگی کا پانی پیئں گے جس کی وجہ سے خدا ہمیں آخری زمانے تک زندہ رکھے گا اور ہم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کر سکیں گے۔

بلوقیا نے عفان کی یہ باتیں سنیں تو اس نے کہا اے عفان میں تجھے سانپوں کی ملکہ سے ملا دوں گا اور تجھے اس کی جگہ دکھا دوں گا۔ یہ سن کر عفان نے لوہے کا ایک پنجرہ بنایا اور ایک پیالے میں شراب اور ایک میں دودھ بھر کر بلوقیا کے ساتھ چل کھڑا ہوا۔ کئی دن رات چلنے کے بعد وہ اس جزیرے میں پہنچے جہاں سانپوں کی ملکہ رہتی تھی۔ وہاں پہنچ کر عفان اور بلوقیا تھوڑی دور چلے اور پنجرہ رکھا اس میں پھندا لگایا اور دودھ اور شراب کے دونوں پیالے رکھ کر پنجرے سے دور جا بیٹھے اور تھوڑی دیر چھپے بیٹھے رہے۔ اتنے میں سانپوں کی ملکہ پنجرے کی طرف آتی دکھائی دی۔ وہ دو پیالوں کے پاس آئی تو تھوڑی دیر تک انہیں غور سے دیکھتی رہی اور اسے دودھ کی خوشبو آئی تو وہ سانپ

کی پیٹھ پر سے اتر پڑی جس پر وہ سوار تھی' سینی میں سے نکل کر پنجرے کے اندر گئی اور شراب کے پیالے کے پاس جا کر اتنی پی کہ اس کے سر میں چکر آنے لگے اور وہ سو گئی۔ اب عفان پنجرے کی طرف بڑھا اور ملکہ کو اس میں بند کر کے قفل لگا دیا پھر عفان اور بلوقیا اسے لے کر چل دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے دیکھا کہ وہ ایک لوہے کے پنجرے میں بند ہے' پنجرے ایک آدمی کے سر پر ہے اور بلوقیا اس کے ساتھ ساتھ ہے۔

جونہی سانپوں کی ملکہ کی نظر بلوقیا پر پڑی اس نے کہا اس کی یہی سزا ہے جو انسانوں کو تکلیف نہیں پہنچاتا؟ بلوقیا نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا اے سانپوں کی ملکہ ہم سے ڈر نہیں' ہم تجھے ہر گز کوئی تکلیف نہ پہنچائیں گے۔ ہمارا مقصد محض یہ ہے کہ تو ہمیں اس بوٹی کا پتا بتا دے جسے اگر کوئی لے کر کوٹے اور اس کا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں مل لے تو خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اور اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں۔ جس وقت ہمیں یہ بوٹی مل جائے گی تو ہم اسے لے لیں گے اور تجھے تیرے گھر پہنچا کر آزاد کر دیں گے۔ یہ کہہ کر بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کو اس پہاڑ کی طرف لے چلے جہاں جڑی بوٹیاں تھی۔ وہ جس جڑی بوٹی کے پاس سے گزرے اس نے خدا کے حکم سے بولنا اور اپنا فائدہ بتانا شروع کیا۔ اسی طرح چلے جا رہے تھے اور جڑی بوٹیاں دائیں بائیں بولتی جاتیں اور اپنے فائدے بتاتی جاتی تھیں۔ اتنے میں ایک بوٹی بولی کہ میں وہ بوٹی ہوں کہ جو کوئی مجھے لے کر کوٹے اور میرا عرق نکال کر اپنے پاؤں میں چپڑ لے تو وہ خدا کے جس سمندر پر چاہے چلے اس کے پاؤں تک نہ بھیگیں گے۔ بوٹی کی یہ بات سن کی عفان نے پنجرے کو سر سے اتار کر زمین پر رکھ دیا اور دونوں نے اس بوٹی کی کافی مقدار لے لی۔ اسے کوٹ کر اس کا عرق نکالا اور دو کانچ کی بوتلوں میں بھر کر حفاظت سے رکھ لیا۔ جو بچ رہا اسے پاؤں پر مل لیا۔ اس کے بعد سانپوں کی ملکہ کو لے کر چل دیئے اور چلتے چلتے اس جزیرے پر پہنچے جہاں سے اسے لائے تھے۔ وہاں پہنچ کر عفان نے پنجرہ کھولا اور سانپوں کی ملکہ کو اس میں سے

نکال دیا۔
پنجرے سے نکل کر ملکہ نے پوچھا کہ تم اس عرق کا کیا کرو گے؟ انہوں نے کہا، اسے ہم اپنے پاؤں پر چپڑ کر سات سمندر پار جائیں گے۔ اور سلیمان کے مدفن پر جا کر ان کی انگوٹھی اتار لیں گے۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا تم ہرگز انگوٹھی نہیں لے سکتے۔ انہوں نے پوچھا، کیوں؟ ملکہ نے کہا خدا نے خاص طور پر سلیمان علیہ السلام کے لیے یہ انگوٹھی عطا کی تھی۔ ان کا قول ہے کہ "اے پروردگار مجھے ایسی حکومت عطا کر جو میرے بعد کسی دوسرے کو نہ مل سکے، تو بڑا بخشش کرنے والا ہے۔" اس لیے وہ انگوٹھی تو تمہارے ہاتھ آئے گی نہیں لیکن ان بوٹیوں کے درمیان ایک اور بوٹی تھی جس کا کھانے والا اس وقت تک نہیں مرے گا۔ جب تک پہلا صور نہ پھونکا جائے گا، اس کا لینا اس بوٹی کے لینے سے تمہارے لیے زیادہ مفید ہوتا۔ افسوس اس بوٹی سے تمہارا مقصد نہیں حاصل ہو گا۔ یہ سن کر وہ بہت پشیمان ہوئے۔ وہاں سے چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو نواسیویں رات

جب چار سو نواسیویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا اور عفان سانپوں کی ملکہ کی گفتگو سن کر بہت پشیمان ہوئے اور وہاں سے چل دیئے۔ ادھر جب سانپوں کی ملکہ اپنے لشکر میں پہنچی تو اس نے دیکھا کہ سب کی حالت ابتر ہے' قوی کمزور ہونے لگے ہیں اور ضعیف مر مٹے ہیں۔ سانپ اپنی ملکہ کو اپنے درمیان دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اس کے ارد گرد جمع ہو گئے۔ اور اس سے پوچھا کہ تو کہاں تھی اور تجھ پر کیا گزری؟ اس نے وہ سارا ماجرا بیان کر دیا جو اسے عفان اور بلوقیا کے ساتھ پیش آیا تھا اور اپنی فوج جمع کر کے وہ کوہ قاف چلی گئی کیونکہ وہ جاڑوں میں وہاں رہتی تھی اور گرمیوں میں اس جگہ جہاں حاسب کریم الدین نے اسے دیکھا تھا۔ اب سانپ نے کہا کہ اے حاسب' یہ ہے میری داستان اور سرگزشت حاسب کو سخت تعجب ہوا۔

حاسب نے کہا مجھ پر اتنی مہربانی کر اپنے کسی نوکر سے کہہ کر وہ مجھے زمین کے اوپر پہنچا دے تا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلا جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب تو ہمارے پاس سے اس وقت سے پہلے نہیں جا سکتا جب تک کہ جاڑوں میں تو ہمارے ساتھ کوہ قاف چل کر وہاں کے ٹیلوں' ریت درختوں اور چڑیوں کا تماشا جو خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور بھوتوں' دیوؤں اور جنوں کو نہ دیکھ لے جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں۔ سانپوں کی ملکہ کی یہ باتیں سن کر حاسب کریم الدین بہت غمگین ہوا اور اس سے کہنے لگا کہ اچھا یہ تو بتا کہ تجھ سے رخصت ہونے کے بعد عفان اور بلوقیا کا کیا حشر ہوا اور سات سمندر پار جا کر وہ سلیمان کے مدفن تک پہنچے یا نہیں اور اگر پہنچے تو انہیں انگوٹھی ملی؟ ملکہ نے کہا' سن! جب عفان اور بلوقیا مجھ سے رخصت ہو کر چل دیئے تو انہوں نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا اور سمندر پر

چلنے اور اس کی عجیب و غریب چیزوں کی سیر کرنے لگے۔ اسی طرح وہ ایک ایک سمندر کو پار کرتے کرتے ساتوں سمندروں کو پار کر کے گئے۔ ان سمندروں کو پار کرنے کے بعد انہیں ایک اونچا اور عالیشان پہاڑ ملا جو سبز زمرد کا تھا اور جہاں ایک چشمہ بہہ رہا تھا اور جس کی مٹی مشک تھی۔

اس جگہ پہنچ کر وہ بہت خوش ہوئے۔ کہنے لگے اب ہماری مراد بر آئی۔ چڑھتے چڑھتے وہ ایک اونچی چوٹی پر پہنچے اور انہیں دور سے ایک غار دکھائی دی جس پر ایک عالی شان گنبد تھا جہاں سے روشنی آ رہی تھی۔ وہ اس کی طرف چل کھڑے ہوئے' وہاں پہنچ کر اس کے اندر داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہاں سونے کا ایک تخت پڑا ہوا ہے' جس میں طرح طرح کے ہیرے' جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کے ارد گرد اتنی کرسیاں پڑی ہوئی تھیں جن کی تعداد سوائے خدا کے اور کسی کو معلوم نہیں' اور انہوں نے دیکھا کہ اس تخت پر سلیمان علیہ السلام سو رہے ہیں۔ ان کا لباس سبز ریشم کا ہے جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا ہے اور طرح طرح کے جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں' ان کا داہنا ہاتھ سینے پر رکھا ہوا ہے۔ انگلی میں انگوٹھی ہے اور اس کی روشنی ان جواہرات سے بڑھ کر ہے جو اس مکان میں ہے۔ عفان نے بلوقیا کو چند جادو منتر سکھا کر کہا جب تک میں انگوٹھی نہ لے لوں تو ان منتروں کو برابر پڑھتا رہو۔ اب عفان آگے بڑھ کر تخت کے پاس گیا ہی تھا کہ اس کے نیچے سے ایک بڑا سانپ نکلا اور اس زور سے پھنکارا کہ مکان ہلنے لگا۔ اس کے منہ سے چنگاریاں برسنے لگیں اور اس نے عفان سے کہا اگر تو یہاں سے چلتا نہ بنا تو ہلاک ہو جائے گا۔ عفان منتر پڑھتا رہا اور اس سانپ کی بالکل پروا نہ کی۔ اب سانپ نے ایسی پھنکار ماری دی کہ قریب وہ مکان جل جائے اور عفان سے کہنے لگا کم بخت اگر تو نہ بھاگا تو میں تجھے جلا ڈالوں گا۔ بلوقیا تو سانپ کی یہ باتیں سن کر غار میں سے نکل بھاگا لیکن عفان نے اس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف بڑھا اور ہاتھ بڑھا کر انگوٹھی چھو لی اور چاہتا ہی تھا کہ اسے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہاتھ اتار لے کہ اتنے میں سانپ نے پھنکار

ماری اور عفان کو جلا کر راکھ کر دیا۔ یہ تو اس کا حال ہوا' اب بلوقیا کی کہانی سن۔
وہ یہ کرشمہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو نوے ویں رات

چار سو نوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا کہ اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب عفان جل کر راکھ ہو گیا اور بلوقیا بے ہوش ہو کر گر پڑا تو خدا نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ قبل اس کے کہ سانپ بلوقیا پر پھنکار مارے تو زمین پر جا۔ جبریل علیہ السلام فوراً زمین پر اترے دیکھا کہ بلوقیا بے ہوش پڑا ہوا ہے اور عفان سانپ کی پھنکار سے جل گیا ہے۔ جبریل نے آ کر بلوقیا کو غشی سے اٹھایا۔ اسے ہوش آیا تو جبریل نے سلام کر کے پوچھا تم یہاں کیوں کر پہنچے؟ بلوقیا نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہنے لگا کہ سن میں اس جگہ محض محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سبب سے آیا ہوں کیونکہ عفان نے مجھ سے کہا تھا کہ وہ آخری زمانے میں بھیجے جائیں گے اور وہی ان سے مل سکتا ہے جو اس وقت تک زندہ رہے' اور اس وقت تک وہی زندہ رہ سکتا ہے جو زندگی کا پانی پئے اور یہ بغیر سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی کے ممکن نہیں۔ اس وجہ سے میں اس کے ساتھی یہاں آیا تھا اور اس کا جو حشر ہوا ظاہر ہے' دیکھ وہ جلا پڑا ہے اور میں نہیں جلا۔ اب میں تجھ سے پوچھتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہاں ملیں گے؟ جبریل علیہ السلام نے کہا' تو یہاں سے جا۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ابھی دور ہے۔

یہ کہہ کہ حضرت جبریل تو آسمان کی طرف چل دیئے اور بلوقیا اپنے کرتوت پر پشیمان ہونے اور رونے لگا اور سانپوں کی ملکہ کی باتوں پر کہ ہرگز کوئی شخص انگوٹھی نہیں لے سکتا' غور کرنے لگا۔ بلوقیا اپنے دل میں نہایت حیران پریشان ہوتا ہوا پہاڑ سے اتر کر چلا اور سمندر کے کنارے پہنچا' تھوڑی دیر وہاں بیٹھ کر پہاڑوں' سمندروں اور جزیروں پر تعجب کرتا رہا۔ اسی سوچ میں رات ہو گئی اور وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو اس نے وہ عرق اپنے پاؤں پر ملا جو انھوں نے اس بوٹی سے نکالا تھا اور سمندر میں اتر پڑا۔ دن رات

پانی پر چلتا اور سمندر کی ڈراؤنی چیزوں اور عجائبات کو اچنبھے کی نگاہ سے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے پر پہنچا جو جنت کی طرح تھا اور وہ اس کی خوبصورتی پر حیران ہو گیا۔ جزیرے کی سیر کرتے کرتے اس نے دیکھا کہ وہ بہت بڑا جزیرہ ہے' اس کی مٹی زعفران کی ہے اور کنکر پتھر یاقوت اور قیمتی معدنیات' جھاڑیاں' چنبیلی' نباتات' بہترین درخت' خوبصورت اور نہایت خوشبو دار' جا بہ جا پھول' چشمے بہہ رہے ہیں۔ اس کی لکڑی قماری اور قاقلی عود ہے' اس کے چھپر گنوں کے ہیں۔ چاروں طرف گلاب' نرگس' چنبیلی' لونگ' بابونہ' سوسن اور بنفشہ کھلی ہوئی ہے اور یہ سب پھول طرح طرح اور رنگ رنگ کے ہیں اور چڑیاں درختوں پر چہچہا رہی ہیں۔ جزیرہ خوش منظر اور وسیع اور زرخیز ہے اور تمام خوبیاں اس میں کوٹ کوٹ کر بھری ہیں۔ چڑیوں کا گانا باجوں سے زیادہ دلچسپ ہے۔ درخت سر سبز ہیں' زمین شاداب' پانی شیریں ہے۔ غزال چوکڑیاں بھر رہے ہیں' نیل گائیں ستا رہی ہیں' پرندے گا گا کر عاشق کو تسلی دے رہے ہیں۔

بلوقیا اس جزیرے کی بہار دیکھ کر حیران ہو گیا اور سمجھ گیا کہ میں غلط راستے پر پڑ گیا ہوں کیونکہ وہ پہلی مرتبہ عفان کے ساتھ اس راستے سے نہیں آیا تھا۔ دن بھر وہ جزیرے میں سیر کرتا پھرا۔ رات ہوئی تو وہ سونے کے لیے ایک اونچے درخت پر چڑھ گیا اور جزیرے کی خوبصورتی میں محو تھا کہ سمندر میں طوفان اٹھا اور اس میں سے ایک بڑا جانور نکل کر اس زور سے چلایا کہ جزیرے کے تمام جانوروں میں کھلبلی مچ گئی۔

بلوقیا نے درخت پر بیٹھے بیٹھے اس پر نظر ڈالی' وہ بہت بڑا جانور تھا اسے سخت حیرت ہوئی۔ دیکھتے دیکھتے اس جانور کے پیچھے سمندر میں سے اور جانور نکلے جو رنگ برنگ کے تھے ان کے ہاتھوں میں ایک ہیرا تھا ایسا درخشاں جیسے چراغ جس کی چمک سے جزیرہ دن کی طرح روشن ہو گیا۔ اس کے بعد جزیرے میں سے جانور نکل پڑے اتنے کہ جن کی تعداد سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ بلوقیا نے دیکھا کہ وہ سب جنگل کے جانور ہیں مثلاً شیر' چیتے اور تیندوے وغیرہ۔ وہ بڑھ کر سمندر کے جانوروں سے ملے' آپس میں صبح تک باتیں کرتے رہے اور صبح ہوتے ہی چلتے بنے۔ اس تماشے سے بلوقیا ڈرا' درخت سے

اتر کر سمندر کی طرف چل دیا اور اسی عرق کو تلووں پر مل کر دوسرے سمندروں میں داخل ہو گیا' چلا چل چلا ایک بڑے پہاڑ کے پاس پہنچا جس کے نیچے بہت لمبی گھاٹی تھی۔ اس گھاٹی کے سارے پتھر مقناطیس کے تھے اور اس میں شیروں' خرگوشوں اور چیتوں کا رہنا تھا۔ بلوقیا اس پہاڑ پر چڑھ کر ہر طرف کی سیر کرنے لگا اور جب رات ہوئی تو وہ ایک چوٹی کے نیچے بیٹھ گیا جو سمندر کی طرف تھی اور مچھلیوں سے پیٹ بھرنا شروع کر دیا جن کو سمندر کی لہروں نے خشکی پر پھینک دیا تھا اور جو سوکھ گئی تھیں۔ بیٹھا مچھلیاں کھا رہا تھا کہ ایک بڑا چیتا بلوقیا کی طرف لپکا کہ اسے شکار کرے۔ یہ دیکھتے ہی بلوقیا نے عرق اپنے پاؤں پر ملا اور چیتے کے ڈر کے مارے تیسرے سمندر میں اتر بھاگا۔ رات اندھیری اور ہوا تیز چل رہی تھی مگر وہ اندھا دھند چلا جاتا تھا۔ بھاگتے دوڑتے ایک جزیرے میں پہنچا دیکھا کہ وہاں خشک اور تر درخت ہیں۔ بلوقیا نے وہاں سے پھل توڑ کر کھائے' خدا کا شکر بجا لایا اور شام تک اس کی سیر کرتا رہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو اکیانوے ویں رات

جب چار سو اکیانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا اس جزیرے میں شام تک سیر کرتا وہیں سو گیا۔ صبح ہوئی تو وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ غرض وہاں دس دن تک سیر کرنے کے بعد سمندر کے کنارے پہنچا اور پاؤں پر عرق مل کر چوتھے سمندر میں اتر پڑا اور کئی دن رات چل کر پھر ایک جزیرے میں پہنچا جس کی زمین ریتیلی' نرم اور سفید تھی۔ وہاں کوئی درخت نہ تھا۔ باز اور شکرے اسی ریت میں گھر بنائے بیٹھے ہوئے تھے۔ اس کی سیر کر چکا تو پاؤں پر عرق مل کر پانچویں سمندر میں داخل ہو گیا اور ایک چھوٹے سے جزیرے کے پاس پہنچا جس کی زمین اور پہاڑیاں بلور کی طرح چمک رہی تھیں اور جہاں ایسی جڑی بوٹیاں تھیں جن سے سونا بنایا جا سکتا ہے۔ وہاں ایسے ایسے عجیب و غریب درخت تھے جو اس نے اپنے سفر میں کہیں نہ دیکھے تھے' جن کے پھول پتے سونے کے رنگ کے تھے۔ بلوقیا اس جزیرے میں جا کر شام تک سیر کرتا رہا۔ رات ہوئی تو اس کے پھول تاروں کی طرح چمکنے لگے۔ بلوقیا کو یہ تماشا بڑا عجیب معلوم ہوا وہ کہنے لگا کہ اسی جزیرے میں وہ پھول ہیں جو دھوپ سے سوکھ کر زمین پر گرتے ہیں۔ ہوا انہیں اڑا کر پتھروں کے نیچے لے جاتی ہے۔ وہ وہاں اکسیر بن جاتے ہیں اور لوگ انہیں لے جا کر ان سے سونا بناتے ہیں۔ بلوقیا اس جزیرے میں صبح تک سوتا رہا ہے اور سورج نکلنے پر اس نے اپنے پاؤں پر وہ عرق چپڑ کر چھٹے سمندر کی راہ لی اور ایک اور جزیرے پر پہنچ کر سیر کرنے لگا دیکھا کہ وہاں دو پہاڑ ہیں جن پر بہت سے درخت ہیں اور ان درختوں کے پھل آدمی کے سر کی طرح ہیں جو اپنے بالوں سے لٹکے ہوئے ہوں۔ یہاں اسے اور درخت بھی نظر آئے جن کے پھل ہری چڑیاں تھیں کہ اپنے پنجوں کے بل لٹکی ہوئی ہیں۔ وہاں ایسے درخت بھی تھے جو آگ کی طرح روشن تھے اور ان کے پھل ایلوے کی طرح کے تھے جن میں اگر ایک

قطرہ بھی کسی پر گر پڑے تو اسے جلا دے۔ ایسے پھل بھی دکھائی دیئے جو روتے تھے اور ایسے بھی جو ہنستے تھے۔ ان کے علاوہ بلوقیا نے وہاں اور بھی بہت سی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں۔ سمندر کے کنارے چلتے چلتے اس نے ایک بہت بڑا درخت دیکھا' وہ عشاء کے وقت تک وہیں بیٹھا رہا۔ اندھیرا ہوا' وہ اس درخت پر چڑھ گیا اور خدا کی بنائی ہوئی چیزوں پر غور کرنے لگا۔

اسی حالت میں تھا کہ سمندر میں جوش آیا اور اس میں سے پانی کی پریاں نکلیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ہیرا تھا جو سورج کی طرح چمکتا تھا۔ پریاں آتے آتے اس درخت کے نیچے آئیں اور بیٹھ کر کھیل کود اور ناچ میں مشغول ہو گئیں۔ انہیں دیکھ کر بلوقیا کو بڑا مزہ آیا۔ وہ صبح تک کھیل کو میں لگی رہیں اور دن نکلتے ہی سمندر میں چل گئیں۔ بلوقیا کو بڑا تعجب ہوا اور درخت سے اتر کر پاؤں میں عرق لگا کر ساتویں سمندر میں اتر گیا اور چلنے لگا۔ دو مہینے تک برابر چلتا رہا لیکن نہ اسے کوئی پہاڑ دکھائی دیا نہ جزیرہ نہ خشکی نہ گھاٹی نہ ساحل۔ جب بھوک سے تنگ آتا سمندر سے مچھلیاں نکال کر کچی کھا لیتا۔ اسی طرح چلتے چلتے وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت اور لبریز چشمے تھے۔ وہ اس جزیرے میں سیر کرنے اور دہنے بائیں تماشا دیکھنے لگا۔ یہ چاشت کا وقت تھا پھرتے پھرتے ایک سیب کے درخت کے پاس پہنچا اور ایک پھل توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ درخت پر سے کسی نے زور سے آواز دے کر کہا اگر تو اس درخت کے پاس آ کر کوئی چیز بھی توڑ کر کھائے گا تو میں تیرے دو ٹکڑے کر ڈالوں گا۔ بلوقیا نے اس آواز کی طرف نظر اٹھائی دیکھا کہ وہ ایک بڑا لمبا تڑنگا شخص ہے۔ اس کی لمبائی آج کل کے حساب سے چالیس گز ہو گی۔ بلوقیا اسے دیکھ کر سہم گیا' اپنا ہاتھ کھینچ لیا اور کہا' تو مجھے اس درخت کے پھل کھانے سے کیوں روکتا ہے؟ اس نے جواب دیا اس وجہ سے کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور آدم نے خدا کا عہد و پیمان بھول کر اس کی نافرمانی کی تھی اور اس درخت کا پھل کھایا تھا۔ بلوقیا نے

پوچھا' تو کیا مخلوق ہے' یہ جزیرہ اور درخت کس کے ہیں اور تیرا نام کیا ہے؟ اس شخص نے جواب دیا' میرا نام شراہیا ہے' یہ جزیرہ اور درخت بادشاہ صخر کے ہیں' میں اس کا کارندہ ہوں اور اس نے مجھے یہاں کا پاسبان بنایا ہے تو بتا کہ تو کون ہے اور کہاں سے اس ملک میں پہنچا ہے؟ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر آخر تک سنا دیا۔ شراہیا نے کہا ڈر نہیں اور وہ اس کے لیے کھانا لایا' اس نے پیٹ بھر کر کھایا اور رخصت ہو کر چل دیا اور برابر دس دن تک چلتا رہا۔ وہ پہاڑوں اور ریگستانوں میں چلا ہی جا رہا تھا کہ اس نے ایک جانب گرد اٹھتی دیکھی' اور اس گرد کی طرف چل کھڑا ہوا' اسے چیخ پکار کی آوازیں اور مار پیٹ کا شور و غل سنائی دیا۔ گرد کی طرف چلتے چلتے بلوقیا ایک بڑی گھاٹی میں پہنچا جس کی لمبائی دو مہینے کی راہ تھی اور آواز کی طرف کان دھر کر سننے لگا۔ دیکھا کہ لوگ گھوڑوں پر سوار آپس میں لڑ رہے ہیں۔ خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں اور وہ سوار بجلی کی طرح کڑک رہے ہیں' ان کے ہاتھوں میں بھالے' تلواریں' لوہے کے گرز اور تیر کمان ہیں اور آپس میں سخت لڑائی ہو رہی ہے۔ یہ دیکھ کر وہ بہت ڈرا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # چار سو بانوے ویں رات

جب چار سو بانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا ان لوگوں کو دیکھ کر ڈر گیا۔ اس کا خون خشک ہونے لگا۔ وہ اسی حالت تھا کہ سواروں کی نظر اس پر پڑی۔ انہوں نے آپس میں لڑنا بند کر دیا' ان میں سے بعض اس کے پاس آئے' دیکھا کہ اس کی شکل و صورت عجیب و غریب ہے۔ انہیں بڑا اچنبھا ہوا اور ایک سوار نے آ کر پوچھا' تو کیا چیز ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تجھے کس نے یہ راستہ بتایا کہ تو ہمارے ملک میں آ پہنچا؟ بلوقیا نے کہا' میں آدم کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں حیران و پریشان پھرتے پھرتے راستہ بھول کر ادھر نکل آیا ہوں۔ سوار بولا ہم نے آج تک آدم کی اولاد نہیں دیکھی تھی۔ ان میں سے کوئی اس ملک میں کبھی نہیں آیا اور اس کی صورت دیکھ کر اور باتیں سن کر انہیں بہت تعجب ہوا۔ اب بلوقیا نے ان سے پوچھا اے خدا کے بندو' تم کیا چیز ہو؟ سوار نے کہ ہم جن ہیں۔ بلوقیا نے کہا اے سوارو تو آپس میں لڑ کیوں رہے تھے اور تمہارا گھر کہاں ہے' یہ گھاٹی اور ملک کیا ہے؟ سوار نے کہا ہمارا گھر ارض بیضا ہے اور خدا ہمیں ہر سال حکم دیتا ہے کہ ہم یہاں آ کر کافر جنوں سے جنگ کریں۔ بلوقیا نے کہا ارض بیضا کہاں ہے؟ سوار نے کہا' کوہ قاف سے پچہتر سال کی مسافت پر ------ اور اس ملک کا نام شداد بن عاد کا ملک ہے' یہاں ہم لڑنے کی خاطر آئے ہیں اور ہمارا کام محض خدا کی پاکی بیان کرنا ہے۔ ہمارا ایک بادشاہ ہے جس کو بادشاہ صخر کہتے ہیں۔ تجھے ہمارے ساتھ اس کے پاس چلنا پڑے گا تا کہ وہ تجھے دیکھ کر خوش ہو۔ یہ کہہ کر وہ بلوقیا کو اپنے ساتھ لے چلے اور اپنے ملک میں پہنچے وہاں بلوقیا کو سبز ریشم کے بڑے بڑے خیمے دکھائی دیئے جن کا شمار سوائے خدا کے اور کوئی

نہ جان سکتا۔ ان کے درمیان ایک سرخ ریشم کا خیمہ دکھائی دیا جو سو گز کا ہو گا‘ اس کی رسیاں نیلے ریشم کی تھیں اور کھونٹیاں سونے اور چاندی کی۔ بلوقیا کو یہ خیمے دیکھ کر بڑا تعجب ہوا۔ وہ لوگ اسے لیے بیچ والے خیمے کے پاس پہنچے۔ یہی بادشاہ صخر کا خیمہ تھا۔ جب وہ اسے اندر لے گئے اور بادشاہ صخر کے سامنے حاضر ہوئے تو بلوقیا نے دیکھا‘ بادشاہ سرخ سونے کے ایک بڑے درخت پر بیٹھا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں‘ دہنی طرف جنوں کا بادشاہ بیٹھا ہے اور بائیں طرف حکما‘ امرا اور ملک کے بڑے بڑے لوگ کھڑے ہیں۔ بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے حکم دیا کہ اسے میرے پاس لاؤ۔ وہ اسے بادشاہ کے قریب لے گئے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر سلام کیا‘ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ صخر نے سلام کا جواب دیا اور کہا اے انسان میرے پاس آ۔ بلوقیا اس کے قریب جا کر بالکل روبرو کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ صخر نے حکم دیا اس کے لیے ایک کرسی بچھائی جائے۔ لوگوں نے اس کے بادشاہ کے برابر ایک کرسی لا بچھائی۔ بادشاہ نے بلوقیا کو اس پر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ بیٹھ گیا۔ اب بادشاہ صخر نے پوچھا تو کیا چیز ہے؟ اس نے جواب دیا میں آدم کی اولاد میں سے بنی اسرائیل کا ایک شخص ہوں۔ بادشاہ نے صخر سے کہا اپنی کہانی سنا‘ اپنی سرگزشت بیان کر اور یہ بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہہ سنائی۔ بادشاہ صخر کو بڑا تعجب ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## چار سو ترانوے ویں رات

جب چار سو ترانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ صخر کو بلوقیا کا حال سن کر بڑا تعجب ہوا۔ اس نے بکاولوں سے کہا' دستر خوان بچھاؤ۔ سرخ چاندی اور تانبے کی سینیاں آئیں جن میں سے بعض میں پچاس پچاس اونٹ تھے' بعض میں بیس بیس اونٹ اور بعض میں پچاس پچاس بھیڑیں۔ سینیوں کی تعداد ایک ہزار پانچ سو تھی۔ یہ دیکھ کر بلوقیا کی عقل چکر میں آ گئی۔ اب بلوقیا لوگ کے ساتھ کھانا کھایا اور پیٹ بھر کھایا' خدا کا شکر بجا لایا۔ اس کے بعد دستر خوان بڑھایا گیا۔ پھل لائے گئے۔ سب نے کھائے اور خدا کی پا کی بیان کرنے اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر سن کر بلوقیا کو تعجب ہوا۔ اس نے بادشاہ صخر سے کہا میں تجھ سے دو ایک باتیں پوچھنا چاہتا ہوں۔ بادشاہ صخر بولا جو تیرا جی چاہے پوچھ۔ بلوقیا نے کہا اے بادشاہ تم لوگ کون سی مخلوق ہو۔ کس کی اولاد ہو اور تمہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پتا کیسے چلا کہ تم ان پر درود بھیجتے اور ان سے محبت کرتے ہو؟ بادشاہ صخر نے جواب دیا اے بلوقیا خدا نے دوزخ کے سات طبقے پیدا کئے ہیں جو اوپر تلے ہیں اور ایک طبقے سے دوسرے تک ایک ہزار سال کی راہ ہے۔ پہلے کا نام اس نے جہنم رکھا ہے اور اسے نافرمان مومنوں کے لیے بنایا ہے جو بغیر توبہ کئے مر جاتے ہیں' دوسرے کا نام لظی ہے جو کافروں کے لیے ہے تیسرا جحیم ہے اور یہ یاجوج ماجوج کے لیے ہے۔ چوتھا طبقہ سعیر کہلاتا ہے وہ ابلیس کی اولاد کے لیے ہے' پانچویں طبقے کا نام سقر ہے جو خدا نے نماز چھوڑنے والوں کے لیے بنایا ہے' چھٹے کو حطمہ کہتے ہیں جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے بنایا ہے۔ ساتواں ہاویہ ہے جو منافقوں کے لیے ہے۔ یہ ہیں سات طبقے دوزخ کے۔

بلوقیا نے کہا غالباً جہنم سب سے کم عذاب والا ہے۔ کیونکہ وہ سب سے اوپر کا طبقہ

ہے۔ بادشاہ نے کہا ہاں وہ سب سے کم عذاب والا ہے اور باوجود عذاب کی کمی کے اس میں آگ کے ایک ہزار پہاڑ ہیں۔ ہر پہاڑ میں آگ کی ستر ہزار گھاٹیاں' ہر گھاٹی میں آگ کی ستر ہزار شہر' ہر شہر میں آگ کے ستر ہزار قلعے' ہر قلعے میں آگ کے ستر ہزار گھر' ہر گھر میں آگ کے ستر ہزار تخت اور ہر تخت پر ستر ہزار قسم کے عذاب ہیں۔ بلوقیا اس سے کم عذاب اور کسی دوزخ میں نہیں کیونکہ وہ اس کا پہلا طبقہ ہے' دوسرے طبقوں میں کسی قدر عذاب ہو گا' خدا ہی جان سکتا ہے۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر بلوقیا پر غشی طاری ہو گئی۔ غشی دور ہوئی تو رونے لگا اور کہا اے بادشاہ! آخر ہمارا کیا حشر ہو گا! بادشاہ صخر نے کہا اے بلوقیا ڈر نہیں اور جان لے کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کرتا ہے اسے دوزخ کی آگ نہیں جلاتی' وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طفیل بچ جاتا ہے اور جو کوئی ان کی امت میں ہو اسے دوزخ کی آگ کوسوں دور بھاگتی ہے۔ ہمیں تو خدا نے آگ ہی سے پیدا کیا ہے۔ پہلی مخلوق جو اس نے جنہم میں پیدا کی ہے اس کے دو لشکر والے تھے' ایک کا نام خلیت اور دوسرے کا ملیت تھا۔ خدا نے خلیت کی شکل شیر کی بنائی تھی اور ملیت کی شکل بھیڑیے کی۔ ملیت کی دم عورت سی تھی اور اک رنگ چتکبرا تھا۔ خلیت کی دم مرد جیسی تھی اور وہ کچھوے کی طرح تھے۔ خلیت کی دم کی لمبائی بیس سال کی راہ تھی پھر خدا نے حکم دیا کہ دونوں کی دمیں مل کر جفتی کھائیں۔ اس سے سانپ اور بچھو پیدا ہوئے اور انہیں دوزخ میں رکھا گیا تا کہ ان سے خدا دوزخیوں کو عذاب دے۔ جفتی کھاتے کھاتے سانپ اور بچھو بہت ہو گئے اس کے بعد خدا نے خلیت اور ملیت کی دموں کو حکم دیا کہ وہ دوبارہ جفتی کھائیں۔ انھوں نے مل کر پھر جفتی کھائی' ملیت کی دم خلیت کی دم سے حاملہ ہو گئی۔ اس سے سات لڑکے اور سات لڑکیاں پیدا ہوئیں' دونوں نے پال پوس کر انہیں بڑا کیا۔ جب وہ بڑے ہوئے تو لڑکیوں نے لڑکوں کے ساتھ نکاح کر لیا اور سوائے ایک کے سب اپنے باپ کے فرمانبردار رہے۔ اس ایک نے اپنے

باپ کے حکم کی نافرمانی کی اور وہ ایک کیڑا بن گیا۔ یہ کیڑا ابلیس ہے' خدا اس پر لعنت بھیجے! پہلے یہ ابلیس خدا کا مقرب تھا کیونکہ اس نے خدا کی اتنی عبادت کی تھی کہ وہ آسمان پر اٹھایا گیا' خدا کے پاس اسے جگہ دی گئی اور تمام مقربین کا سردار بنایا گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- **چار سو چورانوے ویں رات**

جب چار سو چورانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ابلیس نے خدا کی اتنی عبادت کی کہ وہ مقربین کا سردار بنایا گیا۔ جب خدا نے آدم کو پیدا کیا تو اس نے ابلیس کو حکم دیا کہ سجدہ کرے لیکن اس نے انکار کیا۔ خدا نے اسے نکال باہر کیا اور اس پر لعنت بھیجی۔ اس نے مجامعت کی تو شیطان پیدا ہوئے۔ باقی چھ لڑکے جن کو خدا نے مقبول کیا تھا ان سے مومن جن وجود میں آئے اور ہم انہی کی نسل سے ہیں۔ اے بلوقیا' یہ ہے ہمارا نسب۔ بادشاہ صخر کی باتیں سن کر بلوقیا کو تعجب اور اچنبھا ہوتا جاتا تھا۔ اس نے کہا اے بادشاہ! میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے میرے وطن پہنچوا دے۔ بادشاہ صخر بولا' یہ بات تو میری طاقت سے باہر ہے۔ جب تک ہمیں خدا اس بات کا حکم نہ دے۔ لیکن اے بلوقیا' اگر تو یہاں سے جانا چاہتا ہے تو میں اپنا ایک گھوڑا منگوا کر تجھے اس پر سوار کر دوں گا اور اسے حکم دے دوں گا کہ وہ تجھے میرے ملک کی سرحد پر پہنچا آئے۔ جب تو میرے ملک کی سرحد پر پہنچے گا تو تجھے براخیا نامی بادشاہ کے لوگ ملیں گے۔ وہ گھوڑے کو دیکھ کر پہچان لیں گے اور تجھے اتار کر گھوڑا میرے پاس بھیج دیں گے۔ بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ نہیں۔ بلوقیا مایوس ہو کر رونے لگا اور بادشاہ سے کہا جو تیری مرضی ہو کر۔

بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کے لیے گھوڑا لایا جائے۔ نوکروں نے گھوڑا لا کر اسے اس پر بٹھا دیا اور کہا خبردار' اس کی پیٹھ پر سے اتریو نہیں' نہ ماریو' نہ ڈانٹیو۔ اگر تو نے ایسا کیا تو وہ تجھے مار ڈالے گا' چپ چاپ بیٹھا رہیو جب تک وہ ٹھہر نہ جائے۔ جہاں یہ خود ٹھہرے وہاں اس کی پیٹھ سے اتر کر آگے چل دیجیو۔ بلوقیا گھوڑے پر سوار ہو گیا اور ایک مدت تک خیموں ہی خیموں کے درمیان چلتا رہا جدھر سے گزرتا' بادشاہ

صخر کا باورچی خانہ ہی باورچی خانہ دکھائی دیتا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ دیگیں لگی ہوئی ہیں اور ہر دیگ میں پچاس اونٹ پک رہے ہیں اور ان کے نیچے آگ جل رہی ہے۔ اس قدر اور اتنی بڑی دیگیں دیکھ کر وہ دنگ رہ گیا' انہیں غور سے دیکھتا' متعجب ہوتا' اتفاقاً بادشاہ صخر کی نظر اس پر پڑ گئی' اس نے دیکھا کہ بلوقیا باورچی خانے کو ٹکٹکی باندھے برابر گھور رہا ہے۔ اس نے اپنے دل میں خیال کیا کہ وہ بھوکا ہو گا' حکم دیا کہ دو تلے ہوئے اونٹ لے آئیں اور وہ دونوں تلے ہوئے اونٹ اس کے پیچھے گھوڑے پر باندھ دیئے۔ چلتے چلتے بلوقیا بادشاہ صخر کے ملک کی سرحد پر پہنچ گیا۔ وہاں پہنچ کر گھوڑا رکا اور بلوقیا اس پر سے اتر کر اپنے کپڑوں کی مٹی جھاڑ رہا تھا کہ چند آدمی آئے۔ قریب آ کر گھوڑے کو دیکھا' اسے پہچان لیا اور اس کی لگام پکڑ کر چلتے ہوئے۔ بلوقیا بھی ان کے ساتھ ہو گیا۔ جب وہ ان کے ساتھ بادشاہ براخیا کے پاس پہنچا تو سلام کیا۔ بادشاہ نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ ایک بڑے شامیانے میں بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے دائیں بائیں اور ارد گرد لشکر اور سردار اور جنوں کے بادشاہ کھڑے ہیں۔ بادشاہ نے بلوقیا سے کہا قریب آ۔ وہ بڑھ کر آگے گیا۔ بادشاہ نے اسے اپنے پاس بٹھایا اور دستر خوان منگوایا۔ بلوقیا نے دیکھا کہ بادشاہ براخیا کی صورت بالکل بادشاہ صخر کی سی ہے۔ کھانا آیا تو سب نے کھایا۔ بلوقیا نے کھا پی کر خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد پھل حاضر کئے۔ دسترخوان اور پھلوں کی سینیاں اٹھائی گئیں تو بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تو بادشاہ صخر کے پاس سے کب چلا ہے؟ اس نے جواب دیا دو دن ہوئے۔ بادشاہ براخیا نے کہا تجھے معلوم ہے کہ ان دو دنوں میں تو نے کتنے دن کی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ بادشاہ بولا ستر مہینے کی راہ -------

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو پچانوے ویں رات

جب چار سو پچانوے ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ براخیا نے بلوقیا سے کہا کہ ان دو دنوں میں تو نے ستر مہینے کی راہ طے کی ہے۔ جب تو گھوڑے پر سوار ہوا تو وہ تجھ سے ڈرتا تھا اسے خبر ہو گئی تھی کہ تو آدم کی اولاد میں سے ہے اور چاہتا تھا کہ تجھے پیٹھ پر سے پھینک دے اس لیے انہوں نے یہ دو اونٹ باندھ کر اسے بھاری کر دیا۔ بادشاہ براخیا کی یہ باتیں سن کر بلوقیا ششدر رہ گیا اور اپنی سلامتی پر خدا کا شکر بجا لایا۔ اب بادشاہ براخیا نے بلوقیا سے پوچھا تیرا قصد کیا ہے اور تو اس ملک میں کس طرح آیا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی سنائی کہ وہ کس طرح سفر کرتے کرتے اس ملک تک پہنچا۔ اس کی باتیں سن کر بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا' بلوقیا وہاں دو مہینے تک ٹھہرا رہا۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اس کے حواس جاتے رہے۔ اس نے پھر ملکہ سے کہا مجھ پر اتنی عنایت اور مہربانی کر کہ اپنے کسی نوکر سے کہہ کر مجھے زمین کے اوپر پہنچوا دے تا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس پہنچ جاؤں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب کریم الدین سن! اگر تو زمین کے اوپر گیا تو تو اپنے گھر والوں کے پاس جائے گا' حمام میں جا کر نہائے گا اور تیرے غسل سے فارغ ہوتے ہی میں مر جاؤں گی۔ حاسب نے کہا میں قسم کھاتا ہوں کہ کبھی عمر بھر بھی حمام میں نہ پہنچ جاؤں گا اور جب کبھی مجھے نہانے کی ضرورت پڑے گی' گھر میں ہی نہا لیا کروں گا۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اگر تو سو قسمیں بھی کھائے تو بھی مجھے یقین نہیں آ سکتا۔

تو آدم زاد ہے تیرے وعدے کا کیا اعتبار۔ تیرے باپ آدم نے خدا سے اقرار کیا تھا اور اسے توڑ ڈالا۔ خدا نے اس کی مٹی کا چالیس دن تک خمیرا اٹھایا اور فرشتوں کو اس کے آگے سجدہ کرایا' باوجود ان تمام باتوں کے اس نے اپنا عہد پورا نہ کیا اور

اس کے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ سن کر حاسب چپ ہو گیا پھر رونے لگا اور دس دن تک برابر روتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا خیر تیری مرضی اچھا یہ تو بیان کر کہ بادشاہ براخیا کے ساتھ دو مہینے ٹھہرنے کے بعد بلوقیا نے کیا کیا؟ ملکہ بولی اے حاسب سن! بادشاہ براخیا کے پاس ٹھہرنے کے بعد وہ اس سے رخصت ہوا اور جنگل میں رواں دواں پھرتے پھرتے ایک اونچے پہاڑ کے پاس پہنچا اور اس پر چڑھ گیا دیکھا کہ ایک فرشتہ اس پر بیٹھا خدا کی یاد کرتا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتا ہے۔ اس فرشتے کے آگے ایک تختی رکھی ہوئی ہے جس پر کچھ سفید اور کچھ سیاہ حرفوں میں لکھا ہوا ہے اور فرشتہ تختی کو دیکھ رہا ہے۔ اس کے دو بازو ہیں' ایک پورب کی طرف پھیلا ہوا ہے' اور دوسرا پچھم کی طرف۔ بلوقیا نے اس کے سامنے جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔

فرشتے نے اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم کی اولاد اور اسرائیل کے گھرانے سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں ادھر ادھر مارا مارا پھرتا ہوں اور میرا نام بلوقیا ہے۔ اس نے کہا اس ملک تک پہنچنے میں تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئیں؟ بلوقیا نے سارا ماجرا اور جو جو کچھ اس نے اس سفر میں دیکھا تھا بیان کر دیا۔ فرشتے کو سن کر بڑا تعجب ہوا۔ پھر بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا تو بھی مجھے بتا کہ یہ تختی کیسی ہے' اس پر کیا لکھا ہوا ہے' تو یہاں کام کرتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ فرشتے نے کہا میرا نام مخائیل ہے۔ میرا کام دن اور رات کو لانا اور لے جانا ہے۔ یہ کام قیامت تک میرے سپرد ہے۔ فرشتے کی باتیں اور اس کی صورت' اس کے دبدبے اور ڈیل ڈول کو دیکھ کر بلوقیا حیران رہ گیا اور اس سے رخصت ہو کر پھر اپنا راستہ لیا یہاں تک کہ وہ بڑے سبزہ زار پر پہنچا۔ دیکھا کہ اس میں سات ندیاں اور بہت سے درخت ہیں۔ اس وسیع سبزہ زار کو دیکھ کر بلوقیا پر حیرت چھا گئی۔ وہ سیر کرتا پھر رہا تھا کہ ایک نہایت گھنیرا درخت دکھائی دیا اس کے نیچے چار فرشتے نظر آئے۔ بلوقیا

ان کے پاس جا کر انہیں دیکھنے لگا۔ دیکھا کہ ایک انسان کی شکل کا ہے دوسرا شیر کی' تیسرا پرندے کی اور چوتھا بیل کی صورت کا' وہ چاروں خدا کی یاد میں لگے ہوئے ہیں اور ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ اے میرے اللہ' میرے آقا' میرے مولیٰ اپنی سچائی اور اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عزت کے صدقے ان سارے بندوں کی معاف کر دے جو میری شکل و صورت کے ہیں اور ان پر مہربانی کر' تو ہر چیز پر قادر ہے۔

ان کا کلام سن کر بلوقیا کو سخت اچنبھا ہوا اور وہ وہاں سے چل دیا اور منزلیں طے کرتے کرتے کوہ قاف کے پاس پہنچا اس کے اوپر چڑھ دیکھا کہ وہاں ایک بڑے ڈیل ڈول والا فرشتہ بیٹھا خدا کی پاکی بیان کر رہا ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیج رہا ہے اور پکڑنے چھوڑنے کھولنے اور لپیٹنے میں لگا ہوا ہے۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا۔ فرشتے نے سلام کا جواب دیا اور اس سے پوچھا کہ تو کون سی مخلوق ہے' کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ بلوقیا نے کہا اسرائیل کے گھرانے اور آدم کی اولاد میں سے ہوں۔ میرا نام بلوقیا ہے۔ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں پھر رہا ہوں اور راہ بھول گیا ہوں۔ بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو اس نے فرشتے سے پوچھا تو کون ہے' یہ پہاڑ کیا ہے اور تو کس کام مشغول ہے؟ فرشتے نے کہا اے بلوقیا' یہ پہاڑ کوہ قاف ہے جو دنیا کے چاروں طرف ہے اور جتنے ملک خدا نے دنیا میں پیدا کئے ہیں ان کی رسی میرے ہاتھ میں ہے۔ اگر خدا ان ملکوں میں زلزلہ یا قحط یا بہتات یا قتل یا صلح چاہتا ہے تو وہ مجھے اس کا حکم دیتا ہے اور میں یہیں بیٹھے بیٹھے اسے کہہ دیتا ہوں کیونکہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو چھیانویں رات

جب چار سو چھیانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک بادشاہ! فرشتے نے کہا کہ ساری دنیا کی جڑیں میرے ہاتھ میں ہیں۔ بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا خدا نے سوا اس سر زمین کے جس پر تو ہے کوئی اور بھی ملک بنایا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں' اس نے ارض بیضا بنایا ہے جو چاندی کی طرح ہے۔ اس کی لمبائی چوڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں۔ اس میں خدا نے فرشتے بسائے ہیں جن کا کھانا اور پینا خدا کی پاکی بیان کرنا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کثرت سے درود بھیجنا ہے۔ ہر جمعرات کو وہ اس پہاڑ پر آتے ہیں اور سب اکٹھے ہو کر ساری رات خدا سے دعا مانگتے ہیں اور اپنی تسبیح اور عبادت کا ثواب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے گہنگاروں اور جمعے کے روز نہانے والے لوگوں کو بخشتے ہیں۔ یہ ان کی حالت قیامت تک رہے گی۔ اس کے بعد بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے کوہ قاف کے پیچھے بھی کوئی اور پہاڑ پیدا کیا ہے؟ فرشتے نے کہا ہاں کوہ قاف کے پیچھے ایک پہاڑ ہے جس کی لمبائی پانچ سو سال کی مسافت ہے اور اس پر ہمیشہ برف اور سردی پڑتی رہتی ہے جس کی وجہ سے جہنم کی گرم دنیا تک نہیں پہنچ سکتی۔ اگر وہ پہاڑ نہ ہوتا دنیا جہنم کی آگ کی گرمی سے جل بھن جاتی۔ کوہ قاف کے پیچھے چالیس زمینیں ہیں جن میں سے ہر ایک اس زمین سے چالیس گنا بڑی ہے۔ بعض ان میں سے سونے کی ہیں۔ بعض چاندی کی' بعض یاقوت کی اور ہر زمین کا رنگ جدا ہے۔ ان زمینوں میں خدا نے فرشتے لا کر بسائے ہیں جن کا کام سوائے اس کے کچھ نہیں کہ وہ خدا کی تسبیح و تحلیل' تقدیس و تکبیر کریں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کے لیے دعائیں مانگیں۔ انہیں نہ تو حوا کی خبر ہے اور نہ آدم کی۔ نہ دن کا پتہ چلتا ہے نہ رات کا۔

اے بلوقیا' یہ بھی سن رکھ کہ زمین کے سات طبقے ہیں جو اوپر تلے ہیں۔ خدا نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے جس کی تعریف اور بڑائی سوائے خدا کے کسی کو معلوم نہیں' وہ ساتوں زمینوں کو اپنے کندھے پر لیے ہوئے ہے۔ اس فرشتے کے نیچے خدا نے ایک چٹان پیدا کی ہے اور چٹان کے نیچے سانڈ' سانڈ کے نیچے ایک مچھلی اور مچھلی کے نیچے بہت بڑا سمندر۔

جب خدا نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اس مچھلی کی خبر دی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ اے پروردگار مجھے اس مچھلی کی زیارت کرا دے۔ ان کی التجا پر خدا نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ انہیں مچھلی کے پاس لے جائے تاکہ وہ اسے دیکھیں۔ وہ فرشتہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور انہیں لے کر اس سمندر میں گیا جہاں وہ مچھلی تھی اور ان سے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام مچھلی کو دیکھ۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مچھلی کی طرف دیکھا لیکن وہ انہیں دکھائی نہ دی کیونکہ وہ ان کے سامنے سے بجلی کی طرح گزر گئی۔ یہ دیکھ کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو گئے جب انہیں ہوش آیا تو خدا نے ان پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ تو نے مچھلی دیکھی اور تجھے معلوم ہوا کہ اس کی لمبائی چوڑائی کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ نے جواب دیا "اے پروردگار' قسم ہے تیری عزت اور جلال کی میں نے اسے نہیں دیکھا لیکن میرے پاس سے ایک بہت بڑا سانڈ گزرا جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی مجھے معلوم نہیں کہ یہ کیسا سانڈ تھا۔" خدا نے کہا اے عیسیٰ علیہ السلام جو چیز تیرے پاس سے گزری اور جس کی لمبائی تین دن کی راہ تھی وہ مچھلی کا سر تھا۔ سن اے عیسیٰ "علیہ السلام" میں ہر روز اس مچھلی کی طرح کی چالیس مچھلیاں پیدا کرتا ہوں۔ یہ سن کر انہیں خدا کی قدرت پر اچنبھا ہوا۔ اب بلوقیا نے فرشتے سے پوچھا کہ خدا نے اس سمندر کے نیچے کیا پیدا کیا ہے۔ جس میں مچھلی ہے؟ فرشتے نے کہا سمندر کے نیچے خدا نے ہوا پیدا کی ہے۔ ہوا کے نیچے آگ اور آگ کے نیچے بڑا بھاری سانپ جس کا نام فلق ہے۔ اگر اس سانپ کو خدا کا ڈر نہ ہوتا تو وہ ہوا' آگ فرشتہ اور جو کچھ وہ اٹھائے ہوئے ہے' سب کو نگل جاتا اور فرشتے کو

خبر تک نہ ہوتی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- چار سو ستانویں رات

جب چار سو ستانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ فرشتے نے بلوقیا سے کہا اور فرشتے کو خبر تک نہ ہوتی۔ جب خدا نے اس سانپ کو پیدا کیا تو اس کے پاس وحی بھیجی کہ میں تیرے پاس ایک امانت رکھنا چاہتا ہوں' اسے حفاظت سے رکھیو۔ سانپ نے کہا جو تیرا جی چاہے کہہ۔ خدا نے اس سانپ سے کہا اپنا منہ کھول۔ اس نے منہ کھولا اور خدا نے جہنم کو اس کے پیٹ کے اندر رکھ دیا اور اسے سے کہا کہ جہنم کو قیامت کے دن تک حفاظت سے رکھیو۔ قیامت کے دن خدا فرشتوں کو حکم دے گا کہ جہنم کو زنجیروں سے باندھ کر محشر میں لے آؤ اور جہنم کو حکم دے گا کہ اپنے دراوزے کھول دے' وہ دروازے کھول دے گی اور پہاڑ کے برابر انگارے اس میں سے اڑنے لگیں گے۔

فرشتے کی یہ باتیں سن کر بلوقیا دھاڑیں مار مار کر رونے لگا اور اس سے رخصت ہو کر پچھّم کی طرف چل دیا۔ چلتے چلتے دو شخصوں کے پاس پہنچا جو بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے قریب ایک بڑا سا دروازہ تھا جس میں قفل پڑا ہوا تھا۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ ان میں سے ایک کی صورت شیر کی ہے اور دوسرے کی سانڈ جیسی۔ بلوقیا نے انہیں سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا اور اس سے مخاطب ہو کر پوچھا تو کیا چیز ہے' کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ بلوقیا نے کہا میں آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں سرگرداں ہو کر راہ بھول گیا ہوں۔ پھر بلوقیا نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کہا تم لوگ کون ہو اور تمہارے قریب یہ دروازہ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا ہم اس دروازے کے پہرے دار ہیں اور ہمارا کام خدا کی پاکی بیان کرنا اور محمد صلی علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنا ہے۔ بلوقیا نے یہ باتیں سنیں تو حیران ہو کر ان سے پوچھنے لگا کہ اس دروازے کے اندر کیا ہے؟ وہ بولے

ہمیں معلوم نہیں۔ اس نے کہا میں تمہیں پرورگار کی قسم دیتا ہوں کہ اس دروازے کو کھولو تاکہ میں دیکھو کہ اس کے اندر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہمیں اس کے کھولنے کی طاقت نہیں۔ جبرئیل امین کے سوا اسے کوئی نہیں کھول سکتا۔

بلوقیا نے یہ سنا خدا کے آگے گڑگڑانے لگا کہ اے پرورگار جبریل امین کو میرے پاس بھیج کہ وہ اس دروازے کو کھول دے اور میں دیکھوں کہ اس کے اندر کیا ہے۔ خدا نے اس کی دعا قبول کر لی اور جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ زمین پر اتر کر مجمع البحرین کا دروازہ کھول دے کہ بلوقیا اسے دیکھ لے۔ جبریل علیہ السلام بلوقیا کے پاس آئے' اسے سلام کیا اور بلوقیا سے کہا' دروازے میں جا۔ خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اسے تیرے لیے کھول دوں۔

بلوقیا اس کے اندر داخل ہوا اور جبریل علیہ السلام دروازہ بند کر کے آسمان کی طرف چلے گئے۔ بلوقیا نے دیکھا کہ اس میں ایک بہت بڑا سمندر ہے۔ آدھا کھاری آدھا میٹھا اور اس سمندر کے ارد گرد سرخ یاقوت کے دو پہاڑ ہیں۔ بلوقیا ان دونوں پہاڑوں کے قریب پہنچا۔ وہاں فرشتے خدا کی پاکی بیان کر رہے تھے انہیں دیکھ کر بلوقیا نے سلام کیا اور انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ بلوقیا نے پوچھا یہ سمندر اور پہاڑ کیسے ہیں؟ فرشتون نے کہا یہ جگہ ٹھیک عرش کے نیچے ہے اور یہ سمندر دنیا کے تمام سمندروں کو پانی پہنچاتا ہے۔ ہم اس پانی کو تقسیم کر کے زمین پر لے جاتے ہیں' کھاری پانی کو کھاری زمین اور میٹھے پانی کو میٹھی زمین پر اور خدا نے ان دونوں پہاڑوں کو اس پانی کی حفاظت کے لیے پیدا کیا ہے۔ قیامت تک ہمارا یہی کام رہے گا۔

اب فرشتوں نے اسے سے پوچھا کہ تو کہاں سے آیا ہے' کہاں جا رہا ہے؟ بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنائی اور کہا کہ مجھے راستے پر لگا دو۔ انہوں نے کہا سمندر پر سوار ہو جا۔ بلوقیا نے وہ ست نکالا جو اس کے پاس تھا۔ پاؤں پر چپڑا اور ان سے رخصت ہو کر سمندر پر چلنے لگا اور دن رات چلتا رہا۔ چلتے چلتے اسے ایک خوبصورت جوان نظر آیا جو پانی پر بڑی تیزی کے ساتھ چل رہا تھا۔ بلوقیا نے اس

کے پاس جا کر سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ آگے بڑھا تو چار فرشتے دیکھے جو پانی پر چلے جا رہے تھے اور اتنے تیز جیسے بجلی۔ بلوقیا ان کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا' وہ پاس آئے تو انہیں سلام کیا اور کہا خدا کے واسطے یہ بتاؤ کہ تمہارا نام کیا ہے اور تم کہاں سے آئے ہو اور کہا جاتے ہو؟ ان میں سے ایک بولا میرا نام جبریل ہے دوسرے کا نام اسرائیل' تیسرے کا نام میکائیل اور چوتھے کا عزرائیل۔ پورب کی طرف ایک بہت بڑا اژدھا نکلا ہے جس نے ایک ہزار شہر غارت کر دیئے ہیں۔ وہاں کے آدمیوں کو کھا گیا ہے۔ خدا نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم وہاں جائیں اور پکڑ کر جہنم میں ڈال آئیں۔ بلوقیا ان کا ڈیل ڈول دیکھ کر دنگ رہ گیا اور پھر چلنا شروع کر دیا۔ کئی دن بعد ایک جزیرے میں پہنچا اور تھوڑی دیر تک سیر کرتا رہا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• چار سو اٹھانویں رات

جب چار سو اٹھانویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا جزیرے میں سیر کرنے لگا۔ سیر کر رہا تھا کہ اسے ایک حسین جوان نظر آیا۔ جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا۔ بلوقیا اس کے پاس پہنچا دیکھا کہ وہ دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا رو پیٹ رہا ہے۔ بلوقیا نے اس کے پاس آ کر سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔

بلوقیا نے پوچھا تیرا کیا حال ہے' کیا نام ہے' یہ قبریں کیسی ہیں جن کے درمیان تو بیٹھا ہوا ہے اور تو رو کیوں رہا ہے؟ جوان بلوقیا کی طرف دیکھ کر اتنا رویا کہ آنسوؤں اس کے کپڑے بھیگ گئے اور وہ بلوقیا سے کہنے لگی بھائی سن' میری کہانی بہت نرالی ہے' میں چاہتا ہوں کہ تو میرے پاس ٹھہر اور جو کچھ تو نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے پہلے مجھے سنا اور بتا کہ تو یہاں کیوں آیا ہے' تیرا نام کیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ اس کے بعد میں بھی اپنی کہانی سناؤں گا۔ بلوقیا جو ان کے پاس بیٹھ گیا اور جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا شروع سے لے کر آخر تک کہہ سنایا اور یہ بھی کہا کہ اس کا باپ کس طرح مرا تھا اور وہ کس طرح اس کے بعد بادشاہ بنا' کس طرح اس نے خزانہ کھول کر اس میں صندوق دیکھا اور وہ کتاب پائی جس میں محمد صلی علیہ وآلہ وسلم کی تعریف تھی اور اسے کس طرح ان سے محبت ہو گئی اور محبت کے مارے وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ الغرض اس نے جوان سے ملنے تک کے سارے حالات کہہ سنائے اور کہا کہ یہ ہے میری ساری کہانی اور خدا بہتر جانتا ہے۔ معلوم نہیں آگے چل کر مجھ پر کیا گزرے گی۔

اس کی باتیں سن کر جوان نے ایک ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا کہ اے بد نصیب تو نے اپنی زندگی میں کیا دیکھا کچھ بھی نہیں دیکھا' میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے۔ ایسی ایسی اور اتنی چیزیں دیکھی ہیں جن کی نظیر ہے نہ شمار۔

میری کہانی بڑی عجیب ہے تو یہاں ٹھہر جا پھر میں تجھے اپنی کہانی سناؤں اور یہ بتاؤں گا کہ میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں۔

حاسب نے سانپوں کی ملکہ سے یہ باتیں سنیں تو اسے اچنبھا ہوا اور کہنے لگا اے سانپوں کی ملکہ! میں تجھے خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ مجھے آزاد کر دے اور اپنے کسی نوکر کو حکم بھیج دے کہ مجھے زمین کے اوپر نکال دے اور میں تیرے آگے قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیتے جی کبھی حمام میں نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے کہا یہ تو نہیں ہو سکتا' مجھے تیری قسم کا اعتبار نہیں۔

یہ سن کر حاسب رونے لگا۔ اس کے رونے سے سارے سانپ رو پڑے اور ملکہ سے اس کی سفارش کرنے لگے اور کہا ہم میں سے کسی کو حکم دے کہ وہ اسے زمین سے اوپر نکال آئے اور وہ قسم کھا لے کہ جیتے جی کبھی حمام نہ جائے گا۔ سانپوں کی ملکہ کا نام یملیخا تھا۔ کو بھی آخر رحم آ گیا۔ اس نے حاسب کو قسم دلائی اور اس نے قسم کھائی۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ وہ اسے زمین کے اوپر نکال آئے۔ سانپ اسے اوپر لے جانے کے لیے آیا تو اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا اچھا اس جوان کی کہانی تو سنا دے جس کے پاس بلوقیا ٹھہرا تھا اور جسے اس نے دو قبروں کے بیچ میں بیٹھا دیکھا تھا' بے سنے چلا گیا تو حسرت رہ جائے گی۔ ملکہ نے کہا اے حاسب! بلوقیا نے جوان کے پاس بیٹھ کر اپنی کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی تا کہ جوان بھی اپنی کہانی سنائے جو کچھ اس نے اپنی زندگی میں دیکھا ہے بیان کرے اور دو قبروں کے بیچ میں بیٹھنے کا سبب بتائے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• چار سو نناویں رات

جب چار سو ننانوی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بلوقیا اپنی ساری کہانی سنا چکا تو جوان نے کہا اے قسمت کے بیٹے' تو نے کیا خاک نرالی بات دیکھی۔

میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں۔ میں نے تو حضرت سلیمان علیہ السلام کو ان کے زمانے میں دیکھا ہے اور اتنی انوکھی باتیں دیکھی ہیں جن کی گنتی نہیں۔ بھائی سن! میرا باپ بادشاہ تھا اسے طیغموس کہتے تھے۔ اس کی حکومت کابل اور بنی شہلان پر تھی۔ دس ہزار پہلوان اس کے ماتحت تھے اور ہر پہلوان کی حکومت سو شہروں اور سو قلعوں پر تھی جن کے ارد گرد شہر پناہیں تھیں۔ اس کے زیر نگیں سات سلطان تھے۔ پورب کے ملکوں سے اس کے پاس خراج آتا تھا اور وہ بڑا انصاف پسند تھا۔ خدا نے اسے ساری چیزیں دے رکھی تھیں اور اتنی بڑی حکومت دی تھی لیکن وہ لاولد تھا۔ اسے بڑی تمنا تھی کہ کوئی بیٹا ہوتا جو اس کے بعد حکومت کرتا۔

ایک دن اس نے عالموں' نجومیوں اور زائچے کھینچنے والوں کو بلا کر کہا کہ میری قسمت کا لکھا دیکھو اور بتاؤ کہ خدا مجھے زندگی میں کوئی بیٹا بھی دے گا جو میرے بعد بادشاہت کرے۔ نجومیوں نے کتابیں کھولیں' اس کے ستاروں پر غور کیا اور کہنے لگے اے بادشاہ تیرے ہاں ایک بیٹا پیدا ہو گا مگر خراسان کے بادشاہ کی بیٹی سے۔ یہ سن کر بادشاہ بہت خوش ہوا اور نجومیوں اور حکیموں کو بے حد مال و دولت دے کر رخصت کیا۔ بادشاہ طیغموس کا ایک بڑا وزیر تھا جو بہت بڑا پہلوان اور ایک ہزار سواروں کا سردار تھا۔ اس کا نام عین زار تھا۔ بادشاہ نے اس سے کہا اے وزیر میں چاہتا ہوں کہ تو خراسان جانے کی تیاری کر اور میرے نکاح کا پیغام خراسان کے بادشاہ بہروان کی بیٹی کے لیے لے جا' اس نے وزیر سے وہ تمام باتیں بیان کر دیں جو نجومیوں نے کہیں تھیں۔ بادشاہ

کا حکم پاتے ہی، وزیر فوراً اٹھ کر کھڑا ہوا، سفر کی تیاری کرنے لگا۔ لشکر بہادروں اور فوجوں کو لے کر شہر کے باہر ڈیرے ڈنڈے ڈال دیئے۔

ادھر وزیر یہ کہہ رہا تھا۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے ایک ہزار پانچ سو صندوق، ریشم جواہرات، موتیوں، یاقوت، سونے چاندی اور قیمتی معدنیات کے اور بہت سا عروسی کا ساز و سامان تیار کر کے اونٹوں اور خچروں پر لدوا کر وزیر عین زار کے سپرد کر دیا اور خراسان کے بادشاہ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا: حمد و ثناء کے بعد بہروان کو سلام پہنچے۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میں نے نجومیوں، حکیموں اور زائچے کھینچنے والوں کو جمع کیا تھا۔ انہوں نے مجھ سے یہ کہا کہ میرے ہاں ایک لڑکا پیدا ہو گا مگر تیری بیٹی سے۔ اس لیے میں اپنے وزیر عین زار کو بہت سا عروسی کا ساز و سامان دے کر بھیج رہا ہوں اس معاملے میں وزیر میرا وکیل ہے۔ میں اس کو اجازت دیتا ہوں کہ وہ میری طرف سے نکاح قبول کرے۔ مجھے تیری مہربانی سے امید ہے کہ تو اس کی درخواست منظور کرے گا، وہ میری درخواست ہو گی اور اس میں دیر نہ کرے گا۔ تیری نیکی کا میں شکر گزار ہوں گا۔ اس بات میں میری مخالفت ہرگز نہ کیجیو کیونکہ اے بادشاہ بہروان تجھے معلوم ہے کہ خدا نے مجھے کابل اور بنی شہلان کا بادشاہ بنایا ہے اور میرے قبضے میں بہت بڑا ملک ہے اگر تو نے اپنی بیٹی کا بیاہ میرے ساتھ کر دیا تو حکومت کے معاملے میں ہم تم دونوں ایک ساتھ ہوں گے اور میں تجھے ہر سال اتنی دولت بھیجا کروں گا جو تیرے لیے کافی ہو۔ یہی میری تجھ سے خواہش ہے اور بس۔"

اس خط پر بادشاہ طیغموس نے مہر لگائی اور وزیر عین زار کو دے کر اسے خراسان جانے کا حکم دے دیا۔ وزیر چلتے چلتے بادشاہ بہروان کے شہر کے قریب پہنچ گیا۔ لوگوں نے اسے خبر پہنچائی کہ بادشاہ طیغموس کا وزیر آ رہا ہے۔ یہ خبر سن کر بادشاہ بہروان نے اپنے امراء کو اس کی ملاقات کے لیے بھیجا اور ان کے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں، گھوڑوں کا چارا، دانہ روانہ کیا اور تاکید کر دی کہ وزیر عین زار سے بہت سلوک سے ملیں۔ امراء دعوت کا سامان لے کر چل دیئے اور وزیر کے پاس پہنچ کر انہیں اتارا،

سارا لاؤ لشکر اترا' سب نے ایک دوسرے کو سلام کیا اور دس روز وہیں ٹھہر رہے۔
گیارہویں دن شہر کی طرف روانہ ہوا۔

بادشاہ بہروان نکل کر بادشاہ طیغموس کے وزیر سے ملا۔ وزیر نے سلام کیا۔ بادشاہ نے اسے گلے لگایا اور اپنے ساتھ قلعے کے اندر لے گیا۔ قلعے میں جا کر وزیر نے تمام تحفے تحائف اور ساز و سامان بادشاہ بہروان کے آگے پیش کیا اور اپنے بادشاہ کو خط دیا۔
بادشاہ بہروان نے پڑھا اس کا مطلب سمجھا اور بہت خوش ہوا۔ وزیر کی خاطر و مدارت کے بعد اس سے کہا خوش ہو' تیری آرزو پوری ہو گئی۔ اگر بادشاہ طیغموس میری جان بھی مانگے تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔ یہ کہہ کر بادشاہ بہروان فوراً اپنی بیٹی کے پاس گیا۔ اس کی ماں اور دوسرے کنبے والوں کو بلایا اور انہیں یہ خبر سنا کر ان کی رائے دریافت کی۔ انہوں نے کہا جو تیری مرضی وہی ہماری خوشی۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سوویں رات

جب پانچ سوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بہروان شاہ نے لڑکی اس کی ماں اور کنبے والوں سے مشورہ کیا۔ ان کی رائے لے کر باہر آیا اور وزیر عین زار سے کہا تیری آرزو پوری ہو گئی۔ وزیر بادشاہ بہروان کے پاس دو مہینے ٹھہرا اس کے بعد اس سے کہنے لگا مہربانی فرما کر اب ہمیں با مراد رخصت کر دے کہ ہم اپنے وطن چلے جائیں۔ بادشاہ نے شادی کی خوشیاں منانے کا حکم دے دیا اور جہیز تیار کرایا۔ یہ سارے کام ہو گئے تو اس نے وزیروں اور ملک کے تمام بڑے بڑے امراء کو جمع کیا اور راہبوں کو بلوا کر شہزادی کا نکاح بادشاہ طیغموس سے کرا دیا۔ پھر سفر کی تیاری ہونے لگی۔ رخصت کے وقت اس نے اپنی بیٹی کو اتنے ہدیے' تحفے اور جواہرات دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ شہر کے گلی کوچوں میں فرش بچھوایا' بازاروں کو آراستہ کیا اور وزیر عین زار بادشاہ بہروان کی بیٹی کو لے کر وطن روانہ ہو گیا۔

یہ خبر بادشاہ طیغموس کو ملی تو اس نے حکم دیا کہ جشن کیا جائے اور شہر میں چراغاں ہو۔ دھوم دھام ہو چکی تو طیغموس بادشاہ بہروان کی بیٹی کے ساتھ ہم بستر ہوا۔ تھوڑے ہی دنوں میں وہ حاملہ ہو گئی اور حمل کے دن پورے ہونے کے بعد لڑکا پیدا ہوا جو بڑا خوبصورت تھا۔ بادشاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا' اس نے حکیموں' نجومیوں اور زائچے بنانے والوں کو بلوا کر کہا میں چاہتا ہوں کہ تم اس بچے کے ستاروں پر غور کرو اور بتاؤ کہ اس کی زندگی میں کیا پیش آنے والا ہے۔ حکیموں اور نجومیوں نے ستاروں کا حساب لگا کر دیکھا کہ وہ نیک بخت ہو گا لیکن ابتدائی زندگی میں اسے کچھ تکلیفیں پہنچیں گی اور یہ خطرات پندرہ سال کی عمر تک ہیں۔ پندرھواں سال اگر گزر گیا اور لڑکا جیتا رہا تو اسے بہت ملے گا اور وہ بہت بڑا بادشاہ ہو گا' اپنے باپ سے بھی بڑا اور اسے بڑی کامیابی ہو گی' اس کے دشمن ہلاک ہوں گے اور وہ بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر

کرے گا اور اگر مر گیا تو مر گیا‘ آئندہ خدا بہتر جاننے والا ہے۔ بادشاہ یہ سن کر کچھ متفکر ہوا‘ کچھ خوش اور اس کا نام جان شاہ رکھا۔ اناٸیں اور دایاں بلائیں اور بچہ پلنے

لگا اور بڑی احتیاط کے ساتھ پرورش ہونے لگی جب اس کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو باپ نے اسے لکھنا پڑھنا سکھایا اور وہ انجیل پڑھنے لگا۔ سات برس کے اندر اس نے فنون حرب‘ نیزہ اندازی اور شمشیرزنی میں مہارت حاصل کر لی۔ سیر و شکار کے لیے جانے لگا۔ شہ سواری میں طاق اور پورا پہلوان ہو گیا۔ جب اس کا باپ سنتا کہ لڑائی کے ہر انداز میں وہ پورا سورما ہے تو بہت خوش ہوتا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ بادشاہ طیغموس نے لشکر کو سیر و شکار کے لیے چلنے کا حکم دیا۔ لشکر اور فوجیں نکلیں۔ بادشاہ اور اس کا بیٹا جان شاہ بھی سوار ہوا۔ سب لوگ جنگل بیابان میں نکل گئے اور تیسرے دن عصر کے وقت تک سیر و شکار میں مصروف رہے۔ اتفاقاً ایک عجیب و غریب رنگ کا ہرن جان شاہ کے پاس سے نکل کر بھاگا۔ جونہی جان شاہ نے ہرن کو اپنے پاس بھاگتا ہا دیکھا اس کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا اور بڑی تیزی سے بھاگتے ہوئے ہرن کا پیچھا کیا۔ بادشاہ طیغموس کے غلاموں میں سے سات غلام جان شاہ کے پیچھے پیچھے چلے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان کا آقا ہرن کے پیچھے بہت تیزی کے ساتھ جا رہا ہے تو انہوں نے بھی اپنے گھوڑوں کو سرپٹ چھوڑ دیا۔ چلے جا رہے تھے کہ سامنے سمندر آ گیا۔ سمجھے کہ اب ہرن کہاں جائے گا۔ گھیرا ڈال کر لپکے کہ اسے پکڑ لیں مگر ہرن چوکڑی بھر کر سمندر میں کود پڑا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد پہلی رات

جب پانچ کے سو کے بعد پہلی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! ہرن چوکڑی بھر کر سمندر میں کود پڑا۔ سمندر میں ایک ماہی گیر کی کشتی پڑی ہوئی تھی۔ ہرن نے اس میں پناہ لی۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی گھوڑوں سے اتر کشتی میں پہنچ گئے اور ہرن کو پکڑ لیا۔ واپسی پر سمندر سے نکل کر وہ خشکی میں اترنا چاہتے ہی تھے کہ جان شاہ کی نظر ایک بہت بڑے جزیرے پر پڑی' اس نے غلاموں سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس جزیرے میں چلیں۔ کسی کو کیا عذر ہوتا' کشتی کو جزیرے کی طرف کھینچنے لگے اور تھوڑی دیر میں وہاں پہنچ گئے۔ جزیرے میں سیر کرتے کرتے وہ جب لوٹے اور ہرن کو لے کر کشتی میں سوار ہو کر اس خشکی کی طرف روانہ ہوئے جہاں سے وہ آئے تھے تو شام ہو گئی۔ ہر طرف اندھیرا ہو گیا۔ راستہ بھول گئے اور ہوا نے کشتی کو سمندر میں لے جا کر ڈال دیا۔ جان شاہ پڑ کر سو گیا اور صبح تک سوتا رہا۔ آنکھ کھلی تو وہ سب پریشان۔
راستہ گم' وہ سمندر کے چکر لگاتے رہے۔ ادھر بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کو بہت ڈھونڈا' کچھ پتہ نہ چلا تو اس نے لشکر کو حکم دیا کہ ٹولیاں بنا کر ایک راستے پر روانہ ہو جائیں۔ لشکری حکم کے مطابق جان شاہ کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ ایک ٹولی سمندر کی طرف بھی جا نکلی اور انہوں نے اس غلام کو دیکھا جسے وہ گھوڑوں کے پاس چھوڑ گئے تھے۔ اس سے شہزادے اور چھ غلاموں کے متعلق دریافت کیا۔ غلام نے سارا ماجرا بیان کر دیا۔ تلاش کرنے والی ٹولی غلام اور گھوڑوں کو لے کر بادشاہ کے پاس گئی اور قصہ سنایا۔ بادشاہ سن کر رونے پیٹنے لگا اور اپنے سر سے تاج پھینک دیا۔ غم و غصے کے مارے انگلیاں کاٹنے لگا اور فوراً خط لکھوا کر سمندر میں پھر کر میرے بیٹے کو

ڈھونڈو۔ یہ حکم دے کر بادشاہ رنج میں منہ لپیٹ پڑ گیا۔ جان شاہ کی ماں کو یہ خبر ملی تو اس نے الگ اپنا برا حال کر لیا' رونے پیٹنے لگی اور سوگ میں بیٹھ گئی۔

ادھر تو یہ ہوا' ادھر جان شاہ کا حال سنو۔ وہ اور اس کے ساتھ والے غلام سمندر میں بھٹکتے اور ڈھونڈنے والے انہیں رہے۔ دس دن جب کوئی کھوج نہ لگا تو انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر اسے خبر کی اور جان شاہ کی کشتی طوفان میں پڑ گئی۔ موجیں اسے ایک جزیرے کے پاس لے پہنچیں' جان شاہ اور چھنوں غلام کشتی سے اتر کر وہاں سیر کرنے لگے۔ پھرتے پھراتے جزیرے کے بیچ میں ایک پانی کا چشمہ نظر آیا' چشمے کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا دکھائی دیا۔ قریب جا کر انہوں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا اور ان سے چڑیوں کی سی بولی میں باتیں کرنے لگا۔ اس شخص کی باتیں سن کر جان شاہ کو بڑا اچنبھا ہوا۔ اس کے بعد اس شخص نے دائیں بائیں دیکھا۔ یہ اس شخص کو ابھی اچنبھے سے دیکھ ہی رہے تھے کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے اور ہر ٹکڑا ایک طرف چلتا ہوا۔ پھر انہیں بے شمار لوگ پہاڑ کی طرف سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ آتے آتے وہ چشمے کے پاس پہنچے اور ان میں سے ہر ایک دو ٹکڑوں میں ہو گیا اور سب جان شاہ اور غلاموں کی طرف بڑھے کہ انہیں کھا جائیں۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھاگے' انہوں نے ان کا پیچھا کیا اور تین غلاموں کو ہڑپ کر لیا۔ جان شاہ کے ساتھ اب فقط تین غلام باقی رہ گئے۔

ان تینوں غلاموں کو لے کر جان شاہ کشتی میں سوار ہو گیا اور کشتی کو کھینچ کر سمندر کے بیچ لے گئے۔ رات دن چلاتے تھے مگر یہ نہ معلوم ہو سکا کہ کشتی انہیں کہاں لیے جا رہی ہے۔ بھوک لگی تو انہوں نے ہرن کو ذبح کر کے کھانا شروع کیا۔ ہوا نے انہیں اڑا کر ایک جزیرے میں لا پھینکا۔ انہوں نے دیکھا کہ اس جزیرے میں درخت' نہریں' پھل اور باغ ہیں۔ طرح طرح کے میوے اور درختوں کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں۔ جزیرہ کیا ہے جنت ہے۔ جان شاہ اس جزیرے کو دیکھ کر حیران ہو گیا اور اس

نے غلاموں سے کہا تم میں سے کون جا کر اس جزیرے کی خبر لائے گا؟ ایک غلام نے کہا میں ابھی خبر لے کر آتا ہوں۔ جان شاہ نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا بلکہ تم تینوں جا کر اس جزیرے کی خبر لاؤ اور جب تک تم لوٹ کر نہ آؤ' میں یہاں کشتی میں بیٹھا تمہاری راہ دیکھوں گا۔ جان شاہ نے تینوں غلاموں کو اتار دیا تا کہ وہ جزیرے کی خبر لائیں اور غلام جزیرے میں چل دیے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو کے بعد دوسری رات

جب پانچ سو کے بعد دوسری رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------- غلام جزیرے میں اتر کر پورب پچھم چکر لگانے لگے لیکن انہیں وہاں کوئی انسان حوان دکھائی نہ دیا۔

اب وہ اس کے وسط میں چلے۔ انہیں دور سے سفید مرمر کا ایک قلعہ دکھائی دیا۔ اس کے اندر چمک دار بلور کے گھر تھے اور قلعے کے بیچ میں ایک باغ تھا جس میں خشک و تر پھل اس بہتات سے تھے جس کا بیان نہیں ہو سکتا اور طرح طرح کی خوشبوئیں تھیں۔ قلعے کے اندر بہت سے درخت میووں سے لدے ہوئے دیکھے اور چڑیاں درختوں پر بیٹھی چہچہا رہی تھیں۔ وہاں ایک بڑا حوض بھی تھا اور حوض کے پہلو میں ایک بڑا چبوترا جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ کرسیوں کے بیچ میں ایک سرخ سونے کا تخت تھا جس میں طرح طرح کے ہیرے اور یاقوت جڑے ہوئے تھے۔ اس قلعے کی خوبصورتی دیکھ کر غلام ادھر ادھر گھومنے لگے لیکن جب انہیں وہاں کوئی دکھائی نہ دیا تو وہ قلعے سے نکل کر جان شاہ کے پاس گئے اور جو کچھ دیکھا تھا کہہ سنایا۔ شہزادے جان شاہ نے ان کی باتیں سن کر کہا میں ضرور اس قلعے کی سیر کروں گا وہ غلاموں کو لے کر کشتی سے اترا۔ قلعے پہنچا' اس کے اندر گیا اور وہاں کی خوبصورتی دیکھ کر دنگ ہو گیا۔ یہ سب دیر تک اس کی سیر کرتے اور میوے کھاتے رہے۔ شام ہوئی تو اس جگہ پہنچے جہاں کرسیاں لگی ہوئی تھیں۔ جان شاہ اس تخت پر بیٹھا تو وہ سوچ میں پڑ گیا۔ باپ کے تخت' وطن اور گھر والوں کی جدائی پر رونے لگا اور جو غلام اس کے آس پاس تھے وہ بھی رو پڑے۔

یہ اس حالت میں تھے کہ سمندر کی طرف سے ایک شور اٹھا۔ وہ ادھر متوجہ ہوئے دیکھا کہ بندر ٹڈیوں کی طرح پھیلے ہوئے ہیں۔ یہ قلعہ اور جزیرہ انہی بندروں کا تھا۔ جب ان بندروں نے وہ کشتی دیکھی جس میں جان شاہ آیا تھا تو انہوں نے اسے سمندر کے

کنارے چھپا دیا اور جان شاہ کے پاس وقت پہنچے جب وہ قلعے میں بیٹھا ہوا تھا۔
اب سانپوں کی ملکہ کہنے لگی اے حاسب' یہ ساری باتیں بلوقیا سے اس جوان نے کہیں

جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ حاسب نے اس سے کہا پھر جان شاہ نے بندروں کے ساتھ کیا کیا؟ سانپوں کی ملکہ بولی جب جان شاہ تخت پر چڑھ کر بیٹھ گیا اور غلام اس کے دہنے بائیں کھڑے ہو گئے تو بندروں نے ان کے پاس آ کر انہیں بہت ڈرایا پھر کچھ بندر آگے بڑھ کر اس تخت کے پاس آئے جس پر جان شاہ بیٹھا ہوا تھا' اس کے سامنے زمین چومنے لگے اور ہاتھ سینے پر باندھ کر تھوڑی دیر تک اس کے سامنے کھڑے رہے۔ اس کے بعد بندر کئی ہرن پکڑ لائے اور انہیں ذبح کر کے ان کی کھالیں اتار لیں۔ گوشت کی بوٹیاں کیں اور انہیں اتنا تلا کہ وہ کھانے کے قابل ہو گئیں۔ پھر انہیں سونے چاندی کی سینیوں میں رکھا اور دسترخوان بچھا کر جان شاہ اور اس کے ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا کہ کھاؤ۔ جان شاہ تخت سے نیچے آیا اور کھانے لگا۔ بندروں اور غلاموں نے بھی اس کے ساتھ کھایا۔ یہاں تک کہ ان کا پیٹ بھر گیا۔ اب بندروں نے دستر خوان بڑھایا اور پھل لائے۔ سب نے پھل کھا کر خدا کا شکر کیا۔ جان شاہ نے بڑے بندروں کی طرف اشارہ کر کے کہا تم کون لوگ ہو اور یہ جگہ کس کی ہے؟
بندروں نے اشارے سے جواب دیا کہ اس جگہ ہمارے مالک ہمارے آقا سلیمان بن داؤد علیہ السلام تھے اور وہ یہاں ہر سال ایک بار سیر کرنے آتے اور پھر لوٹ جاتے تھے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## پانچ سو کے بعد تیسری رات

جب پانچ سو کے بعد تیسری رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بندروں نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام ہمارے ہاں سال میں ایک بار آتے اور پھر چلے جاتے تھے۔ اس کے بعد بندروں نے کہا اے بادشاہ سن اب تو ہمارا بادشاہ ہے' ہم تیری خدمت کریں گے' کھا پی اور جو کچھ تو ہمیں حکم دے گا ہم اسے مانیں گے اور سب بندر اٹھے' اس کے آگے زمین چوم کر چلتے بنے اور جان شاہ تخت پر سو گیا۔ غلام بھی ان کرسیوں پر جو آس پاس پڑی تھیں' سو گئے۔ سویرے جب وہ اٹھے تو بندروں کے چار سردار اور ان کا لشکر آیا۔ سارا قلعہ ان سے بھر گیا اور جان شاہ کے آس پاس صفیں باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سرداروں نے اشارے سے کہا کہ ہمارے اوپر ٹھیک طرح سے حکومت کر۔ بعد ازاں ایک دوسرے پر غرائے اور چلتے بنے۔

تھوڑے سے بندر جان شاہ کی خدمت کے لیے اس کے پاس ٹھہرے رہے۔ پھر کچھ اور بندر آئے جن کے ساتھ گھوڑوں کی شکل کے کتے تھے اور ان کی گردنوں میں زنجیریں پڑی ہوئی تھیں۔ جان شاہ کو ان کتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر بڑا اچنبھا ہوا۔ بندروں کے سرداروں نے اشارے سے جان شاہ سے کہا کہ سوار ہو کر ہمارے ساتھ چل۔ جان شاہ اور تینوں غلام اور بندر سوار ہو گئے۔ بندر اس افراط سے تھے جیسے ٹڈی دل۔ ان میں سے بعض سوار تھے بعض پیدل۔ سب کے سب چلتے چلتے سمندر کے کنارے پہنچے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ وہ کشتی جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا' نوارد ہے تو اس نے بندروں کے سرداروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھا یہاں جو کشتی تھی وہ کیا ہوئی؟ انہوں نے کہا اے بادشاہ سن' جب تم لوگ ہمارے ٹاپو میں آئے تو ہمیں معلوم ہو گیا کہ تو ہمارا بادشاہ بنے گا' اس لیے ہمیں یہ ڈر لگا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب ہم تمہارے پاس نہ ہوں تو تم کشتی پر چڑھ کر بھاگ جاؤ۔ اس لیے ہم نے اسے چھپا

دیا۔
جان شاہ نے یہ باتیں سنیں تو وہ غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر کہنے لگا کہ اب ان بندروں کے پاس سے جانے کی کوئی تدبیر باقی نہ رہی' تقدیر پر صبر کرنا چاہیے۔ آخر چلتے چلتے وہ ایک ندی کے پاس پہنچے جس کے پاس ایک اونچا پہاڑ تھا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس پہاڑ پر بہت سے بھوت ہیں۔ وہ بندروں کی طرف مخاطب ہو کر پوچھنے لگا۔ یہ بھوت کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ کیسے ہیں؟ بندروں نے کہا اے بادشاہ سن' یہ بھوت ہمارے دشمن ہیں اور ہم انہی سے لڑنے کے لیے آئے ہیں۔ جان شاہ ان بھوتوں اور ان کے ڈیل ڈول کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ وہ گھوڑوں پر سوار تھے۔ بعضوں کے سر بیل کی طرح تھے اور بعضوں کے اونٹوں جیسے نظر آئے۔ بندروں کا لشکر دیکھتے ہی بھوت آگے بڑھے اور ندی کے کنارے کھڑے ہو کر ان پر پتھر برسانے لگے جو ڈنڈوں کی شکل کے تھے اور سخت لڑائی ہونے لگی۔ جب جان شاہ نے دیکھا کہ بھوت جیتتے جا رہے ہیں تو اس نے غلاموں کو للکار کر کہا کہ تیر کمان نکالو اور ان پر تیر برساؤ اور مارو اور بھگاؤ۔ غلاموں نے جان شاہ کے کہنے پر عمل کیا۔ یہاں تک کہ بھوت مصیبت میں پھنس گئے۔ ان میں سے بہت سے مارے گئے باقی پیٹھ پھیر کر بھاگے۔
بندروں نے جان شاہ کی یہ کاروائی دیکھی تو انہوں نے ندی میں جان شاہ کے ساتھ اتر کر بھوتوں کو اتنا مارا کہ وہ بھاگ کر نظروں سے غائب ہو گئے اور ہزاروں کھیت رہے۔
جان شاہ اور بندر وہاں سے آگے چلے اور ایک دوسرے اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے جہاں جان شاہ نے مرمر کی ایک تختی دیکھی جس کے اوپر یہ لکھا ہوا تھا:
"اے اس سر زمین میں آنے والے سن' تو ان بندروں کا بادشاہ ہو کر رہے گا اور ان سے تیرا پیچھا اس وقت تک نہیں چھوٹ سکتا جب تک تو پہاڑ کی پورب والی گھاٹی سے نہ نکلے جس کی لمبائی تین مہینے کی راہ ہے اور جنگلی جانوروں' بھوتوں' کافر جنوں اور دیوؤں میں سے ہو کر نہ جائے۔ پھر تو اس سمندر میں پہنچے گا جو دنیا کو گھیرے ہوئے ہے یا اگر تو پچھم کی گھاٹی سے جائے تو اس کی لمبائی چار مہینے کی راہ ہے اور اس

کے آخر میں وادی النمل ہے۔ جب تو وہاں پہنچ کر وادی النمل میں داخل ہو تو چیونٹیوں سے بچ کر چلیو حتیٰ کہ تو ایک اونچے پہاڑ کے پاس نہ پہنچ جائے جو آگ کی طرح

جل رہا ہو گا اور وہ دس دن کی راہ ہے۔" جان شاہ نے یہ تختی دیکھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو کے بعد چوتھی رات

پانچ سو کے بعد چوتھی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب جان شاہ نے یہ تختی دیکھی اور اسے پڑھا تو اس کے آخر میں یہ لکھا ہوا تھا کہ "اس کے بعد تو ایک بڑے دریا کے پاس پہنچے گا جس کے بہاؤ کی تیزی کی وجہ سے آنکھیں چکا چوند ہو جائیں گے۔ یہ دریا ہر سنیچر کو سوکھ جاتا ہے اس کے کنارے ایک شہر بسا ہوا ہے جس میں صرف یہودی رہتے ہیں جو محمد جحود کی اولاد میں سے ہیں۔ وہاں کوئی مسلمان نہیں رہتا۔ علاوہ اس شہر کے وہاں کوئی اور بستی نہیں لیکن اگر تو بندروں کے ساتھ رہے گا تو ان کی بھوتوں پر جیت رہے گی اور یہ بھی تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اس تختی کو سلیمان بن داؤد علیہ السلام نے لکھا ہے۔" یہ پڑھ کر جان شاہ بہت رویا اور اپنے غلاموں کی طرف مخاطب ہو کر انہیں بتایا کہ تختی پر کیا لکھا ہوا ہے۔ بعد ازاں وہ سوار ہو گیا' بندروں کا لشکر اس کے ارد گرد تھا۔ بندر اس بات پر خوش تھے کہ دشمن ہار گئے۔ اب وہ اپنے قلعے میں پہنچے اور جان شاہ قلعے میں بیٹھ کر ڈیڑھ سال تک بندروں پر حکومت کرتا رہا۔ ایک دن جان شاہ نے بندروں کو حکم دیا کہ سب سیر و شکار کے لیے چلیں۔ بندر سوار ہو گئے۔ جان شاہ اور اس کے غلام بھی ساتھ ساتھ سوار ہو کر جنگلوں اور بیابانوں میں چل کھڑے ہوئے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے کرتے وہ اس جگہ پہنچے جہاں وادی النمل تھی۔ اس نے وہاں وہ تمام نشانیاں پائیں جو مرمر کی تختی پر لکھی ہوئی تھیں۔ حکم دیا کہ یہاں قیام کرو۔ غلام اور بندروں کا لشکر اتر پڑا۔ دس دن تک کھانے پینے میں مشغول رہے۔ اس کے بعد جان شاہ نے اپنے غلاموں سے تنہائی میں کہا میں چاہتا ہوں کہ ہم بھاگ کر وادی النمل میں چلے جائیں اور وہاں سے یہودیوں کے شہر میں' ممکن ہے کہ ان بندروں سے ہمارا پیچھا چھوٹے اور

ہم اپنے گھر جا سکیں۔ انہوں نے کہا سر آنکھوں پر۔
چنانچہ جان شاہ اس بات کی راہ دیکھنے لگا کہ ذرا رات ہو جائے۔ رات آئی تو وہ اٹھا' اس کے غلام بھی اٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے ہتھیار باندھے' کمر میں تلواریں خنجر لگائے' غرض کہ لڑائی کو پورا سامان لے جا کر جان شاہ اور اس کے غلام چل نکلے اور صبح تک برابر چلتے رہے۔ اتنے میں بندروں کی آنکھ کھل گئی' انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کے غلام۔ انہیں یقین ہو گیا کہ وہ بھاگ گئے۔ یہ معلوم کر کے بندروں کی ایک ٹولی اٹھی اور سوار ہو کر پورب والی گھاٹی کی طرف چلی اور دوسری ٹولی وادی النمل کی طرف روانہ ہوئی۔ یہ دوسری ٹولی زیادہ دور نہیں گئی تھی کہ ان کی نظر جان شاہ اور اس کے غلام ساتھیوں پر پڑی کہ وہ وادی النمل کی طرف چلے جا رہے ہیں۔ بندر اور تیز دوڑنے لگے۔ جان شاہ نے انہیں دیکھا تو وہ اس کے غلام بھاگ کر وادی النمل چلے گئے۔ تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ بندر ان پر ٹوٹ پڑے اور چاہتے تھے کہ جان شاہ اور اس کے غلاموں کو مار ڈالیں۔ زمین کے نیچے سے ٹڈیوں کی طرح چیونٹے نکل پڑے۔ ہر چیونٹا کتے کے برابر تھا۔ بندروں کو دیکھ کر چیونٹے ان پر پل پڑے اور بہت سے بندروں کو کھا گئے۔ چیونٹے بھی بہت مارے گئے لیکن جیت چیونٹیوں کی ہی رہی۔ ایک ایک چیونٹا ایک ایک بندر کے پاس جاتا اور کاٹ کر اسے دو ٹکڑے کر دیتا۔ اس طرح دس دس بندر ایک چیونٹے پر چڑھ بیٹھتے اور اسے پکڑ کر دو ٹکڑے کر ڈالتے۔ شام تک دونوں میں سخت لڑائی رہی۔ جب شام ہو گئی تو جان شاہ اور غلام وادی النمل کے اندر جا پہنچے۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو پانچویں رات

جب پانچ سو پانچویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب شام ہوئی تو جان شاہ اور اس کے غلام وادی النمل کے اندر بھاگ گئے۔ صبح کو بندر پھر جان شاہ کے پاس جا پہنچے۔ اس نے انہیں دیکھا تو اپنے غلاموں کو للکار کر کہا انہیں تلواروں سے مارو۔ غلاموں نے تلواریں کھینچ کر انہیں مارنا شروع کیا۔ اب ایک بندر ان کی طرف بڑھا جس کے ہاتھی کے سے دانت تھے اور ایک غلام کے پاس آ کر اس نے اس زور سے حملہ کیا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ بہت سے بندروں نے جان شاہ کو گھیر لیا' وہ جوں توں کر کے وہاں سے بھاگا اور گھاٹی کے نیچے کی طرف پہنچ کر دیکھا کہ ایک دریا بہہ رہا ہے اور اس کے پاس ایک چیونٹا کھڑا ہے۔ چیونٹے نے جان شاہ کو تو اس پر حملہ کر دیا لیکن غلام نے تلوار کا ایسا ہاتھ مارا کہ اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ یہ دیکھ کر چیونٹیوں کی فوج نے ایک دم غلام پر ہلہ بول دیا اور اسے مار ڈالا۔

اسی اثناء میں بندر بھی پہاڑ پر سے آ کر جان شاہ پر ٹوٹ پڑے۔ جان شاہ نے دیکھا کہ بندر کسی طرح پیچھا نہیں چھوڑتے تو وہ کپڑے اتار کر دریا میں کود پڑا۔ اس غلام نے بھی جو بچ رہا تھا اس کے ساتھ پانی میں چھلانگ ماری اور دونوں تیر کر دریا کے بیچ میں پہنچ گئے۔ جان شاہ کو دریا کے دوسرے کنارے ایک درخت دکھائی دیا۔ وہ اس کی ٹہنی پکڑ کر لٹک گیا اور خشکی میں جا پہنچا۔ مگر غلام لہروں میں پھنس رہا اور پہاڑ سے ٹکراتے ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ جان شاہ خشکی پر اکیلا کھڑا ہو کر کپڑے نچوڑنے اور انہیں دھوپ میں سکھانے لگا۔ ادھر بندروں اور چیونٹیوں میں سخت لڑائی ہوئی اور آخر کار بندر ہار کر اپنے ملک میں واپس چلے گئے۔

ادھر تو بندروں اور چیونٹیوں کا یہ حال تھا اور ادھر جان شاہ شام تک بیٹھا رویا پھر ایک غار میں جا کر آرام کیا۔ ہزاروں خوف اسے گھیرے ہوئے تھے اور سخت گھبراہٹ

تھی کہ اس کے سارے غلام مر مٹے۔ بہر حال وہ اسی غار میں سو گیا اور صبح کو آگے روانہ ہوا۔ گھاس پات کھاتا' ندی نالوں کا پانی پیتا چلا چل اس پہاڑ کے پاس پہنچا جو آگ کی طرح روشن تھا اور وہاں اس کے دامن میں چلنے لگا یہاں تک کہ اس چشمے کے پاس جا پہنچا جو ہر سنیچر کو سوکھ جاتا ہے۔ وہاں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ وہ ایک بہت بڑا چشمہ ہے اور اس سے ملا ہوا ایک عالی شان شہر ہے۔ یہ وہی یہودیوں کی بستی تھی جس کا ذکر تختی میں تھا۔ جان شاہ وہاں ٹھہر کر منتظر رہا کہ سنیچر آئے اور چشمہ سوکھے۔ جب سنیچر آیا اور چشمہ سوکھ گیا تو وہ اسے پار کر کے یہودیوں کے شہر میں پہنچا مگر وہاں اسے کوئی آدمی نہ دکھائی دیا۔ پھرتے پھرتے آخر وہ ایک گھر کے دروازے پر رکا اور اسے کھول کر اندر چلا گیا' دیکھا کہ گھر والے چپ چاپ بیٹھے ہیں۔ بات تک نہیں کرتے۔ جان شاہ ان سے کہنے لگا میں پردیسی ہوں اور بھوکا۔

انہوں نے اشارے سے کہا کھا اور پی مگر بات نہ کر۔ وہاں ٹھہر گیا اور کھا پی کر رات کو آرام کیا۔ صبح کو گھر کے مالک نے اسے سلام کیا اور پوچھا' تو کہاں سے آیا ہے اور کہاں جا رہا ہے؟ یہودی کی باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا' اسے اپنا سارا حال سنا دیا اور اپنے باپ کے شہر کا نام بتایا۔ یہودی کو اس پر بڑا اچنبھا ہوا' وہ کہنے لگا اس شہر کا نام تو ہم نے آج تک نہیں سنا۔ سوداگروں کے قافلوں سے صرف یمن کا نام سنا کرتے ہیں کہ وہ بھی کوئی ملک ہے۔ جان شاہ نے یہودی سے پوچھا یہ ملک جس کا سوداگر ذکر کرتے ہیں۔ یہاں سے زیادہ دور تو نہیں؟ یہودی نے کہا سوداگر کہتے ہیں کہ اس ملک سے یہاں تک دو سال اور تین مہینے کا سفر ہے۔ جان شاہ نے پوچھا کہ وہ قافلہ کب آئے گا؟ یہودی نے جواب دیا' اگلے سال۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- **پانچ سو چھٹی رات**

جب پانچ سو چھٹی رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہودی نے کہا کہ قافلہ اگلے سال آئے گا۔ یہ سن کر شاہ رونے اور اپنے غلاموں' ماں باپ کی جدائی اور جو کچھ اس سفر میں اس پر گزری تھی اس پر افسوس کرنے لگا۔ یہودی نے اس سے کہا اے جوان ڈر نہیں' قافلے کے آنے تک ہمارے ہاں ٹھہرا رہ۔ ہم تجھے ان کے ساتھ تیرے وطن پہنچا دیں گے۔ یہ سن کر جان شاہ یہودی کے گھر دو مہینے تک ٹھہرا رہا اور ہر روز شہر کی گلیوں' کوچوں' بازاروں میں جا کر سیر کیا کرتا۔

ایک دن جب وہ عادت کے موافق گھر سے نکل کر شہر کی سڑکوں پر ادھر ادھر پھر رہا تھا اس نے کسی کو یہ ڈھنڈورا پیٹتے سنا کہ ------- ہے کوئی جو مجھ سے ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز لے اور میرے لیے صبح سے دوپہر تک ایک کام کر دے؟" مگر کوئی اس کی ہامی نہ بھرتا۔ جان شاہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ اگر وہ کام مشکل نہ ہوتا تو ڈھنڈورا پیٹنے والا ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز صبح سے دوپہر تک کام کرنے کے بدلے نہ دیتا' بہرحال ہمت تو کرنی چاہیے۔ وہ ڈھنڈورا پیٹنے والے کے پاس جا کر کہنے لگا کہ میں اس کام کو کروں گا۔ ڈھنڈورا پیٹنے وال جان شاہ کو مکان کے پاس لے گیا اور دونوں اندر گئے۔ جان شاہ نے مکان کو خوب آراستہ پایا اور دیکھا کہ ایک یہودی سوداگر آبنوس کی کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے نے اس سے جا کر کہا اے سوداگر تین مہینے سے میں شہر میں ڈھنڈورا پیٹ رہا ہوں لیکن سوائے اس جوان کے کسی نے ہامی نہیں بھری۔ یہ سن کر سوداگر جان شاہ کو مرحبا کہتا ہوا ایک خوبصورت کمرے میں لے گیا اور اپنے غلاموں سے کہا اس کے لیے کھانا لاؤ۔ غلاموں نے دستر خوان بچھا کر طرح طرح کے کھانے چن دیئے' سوداگر اور جان شاہ نے کھانا کھایا' ہاتھ دھوئے' پھر پینے کی چیزیں آئیں اور دونوں نے پیں۔ اس کے بعد سوداگر جا کر ہزار

دینار کا ایک توڑا اور ایک نہایت حسین کنیز لے آیا اور کہنے لگا یہ کنیز اور یہ مال اس کام کے بدلے میں ہے جو تو کرے گا' انہیں لے۔ جان شاہ نے دینار اپنے پاس رکھے اور کنیز کو اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔ سوداگر نے کہا اب کل میرا کام کیجیو۔

یہ کہہ کر سوداگر اس کے پاس چلا گیا اور اس رات جان شاہ کنیز کے ساتھ سویا۔ صبح ہوئی تو وہ حمام گیا' سوداگر نے اپنے غلاموں کو حکم دیا کہ اس کے پاس ریشمی لباس لے جائیں۔ غلام ایک نفیس ریشمی لباس لے کر پہنچے' جب وہ حمام سے نکلا تو اسے پہنایا اور اسے گھر لائے۔ پھر سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا رباب' عود اور شراب لاؤ۔ سب چیزیں حاضر کی گئیں اور دونوں آدھی رات تک پیتے اور کھیلتے کودتے رہے۔

اس کے بعد سوداگر زنان خانے میں چلا گیا اور جان شاہ کنیز کے ساتھ سو رہا۔ دوسرے دن بھی صبح کو وہ حمام گیا۔ وہاں سے لوٹا تو سوداگر اس کے پاس آ کر کہنے لگا میں چاہتا ہوں کہ تو ہمارا کام کرے۔ جان شاہ نے کہا سر آنکھوں پر' سوداگر نے اپنے غلاموں سے کہا دو خچر لاؤ۔ خچر آگئے تو ایک پر وہ خود سوار ہوا اور جان شاہ سے کہا کہ دوسرے پر سوار ہو جائے۔ چنانچہ سوداگر اور جان شاہ دونوں سوار ہو کر چلے۔ صبح سے دوپہر تک چلتے چلتے ایک ایسے اونچے پہاڑ پر پہنچے جس کی اونچائی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہاں پہنچ کر سوداگر خچر سے اتر پڑا اور جان شاہ سے کہا کہ تو بھی اتر آ۔ جان شاہ اترا تو سوداگر نے ایک چھری اور ایک رسی دے کر کہا کہ اس خچر کو ذبح کر ڈال۔ جان شاہ آستینیں

چڑھا کر خچر کے پاس آیا۔ اس کی چاروں ٹانگیں رسی سے باندھ کر اسے زمین پر گرا دیا۔ چھری لے کر ذبح کیا' اس کی کھال کھینچی اور چاروں ٹانگیں اور سر کاٹ کر اسے گوشت کا لوتھڑا بنا دیا۔ اب سوداگر نے اس سے کہا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ تو اس کا پیٹ پھاڑ کر اس کے اندر گھس جا۔ میں تجھے اس کے اندر سی دوں اور تھوڑی دیر تک اس کے اندر بیٹھا رہ پھر جو کچھ تو اس کے پیٹ کے اندر دیکھے مجھ سے کہیو۔

جان شاہ نے خچر کا پیٹ پھاڑا اور اس کے اندر چلا گیا۔ سوداگر نے ٹانکے لگا دیئے اور اسے چھوڑ کر دور جا بیٹھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ساتویں رات

جب پانچ سو ساتویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سوداگر اسے چھوڑ کر دور جا کر پہاڑ کے دامن میں چھپ گیا۔ اتنے میں اس خچر پر ایک بڑا پرندہ گرا' جھپٹا مار کر اسے لے اڑا' پہاڑ کے اوپر جا کر اسے اتارا اور کھانا ہی چاہتا تھا کہ جان شاہ کو پرندے کی آہٹ معلوم ہوئی اور وہ خچر کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ جان شاہ کو دیکھ کر پرندہ ڈر گیا اور اڑ گیا۔ جان شاہ کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا مگر سوا مردوں کے جو دھوپ سے سوکھ گئے تھے اسے کچھ نہ دکھائی دیا۔ اس نے اپنے دل میں لاحول پڑھی۔ پہاڑ کے نیچے جو نگاہ ڈالی تو سوداگر کھڑا اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سوداگر کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا' اپنے آس پاس کے پتھر میری طرف پھینک دے پھر میں تجھے نیچے اترنے کا راستہ بتا دوں گا۔ جان شاہ ان پتھروں میں سے کم و بیش دو سو پتھر پھینک دیئے۔ یہ پتھر یاقوت' زبرجد اور قیمتی ہیرے تھے۔

اب جان شاہ نے کہا اے تاجر مجھے راستے بتا اور میں تیری طرف دوبارہ پتھر پھینکتا ہوں۔ تاجر نے وہ پتھر اٹھا کر خچر پر لاد دیئے جس پر وہ سوار ہو کر آیا تھا اور چل دیا۔ کوئی جواب نہ دیا۔ جان شاہ پہاڑ پر اکیلا رہ گیا تو وہ مدد مانگنے اور رونے لگا۔

تین دن تک پہاڑ پر رہنے کے بعد وہ چل کھڑا ہوا۔ پہاڑ کی چوڑائی کی طرف دو مہینے تک چلتا رہا' اس کی خوراک محض پہاڑ کی جڑی بوٹیاں تھیں۔ چلتے چلتے وہ پہاڑ کے دامن میں پہنچا۔ وہاں اسے دور سے ایک گھاٹی دکھائی دی جہاں پھلوں کے لدے ہوئے درخت تھے اور چڑیاں خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس گھاٹی کو دیکھ کر جان شاہ خوش ہو گیا اور اس کی طرف روانہ ہوا۔ تھوڑی دیر چلنے کے بعد اسے پہاڑ میں ایک درہ دکھائی دیا جہاں سے ایک آبشار گرتی تھی' وہ وہاں سے اترتا ہوا ایک گھاٹی میں جا پہنچا جو اس نے پہاڑ پر سے دیکھی تھی۔

گھاٹی میں آ کر وہ ادھر ادھر پھرنے لگا۔ پھرتے پھرتے وہ ایک بلند محل کے اس طرف جا نکلا اور قریب پہنچتے پہنچتے وہ اس کے دروازے پر آ گیا۔ وہاں اس نے ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو نہایت خوبصورت تھا جس کے چہرے پر نور چمک رہا تھا اور ہاتھ میں یاقوت کا سونٹا لیے محل کے دروازے پر کھڑا تھا۔ جان شاہ بڑھتے بڑھتے اس کے پاس جا پہنچا اور اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا۔ کہنے لگا بیٹا بیٹھا جا۔ جان شاہ محل کے دروازے پر بیٹھ گیا۔ بوڑھے نے پوچھا تو کہاں سے اس ملک میں آیا ہے کیونکہ کسی آدم زاد نے آج تک یہاں قدم نہیں رکھا اور تو کہاں جا رہا ہے؟ جان شاہ کا دل بوڑھے کی باتوں سے بھر آیا اور اپنی تکلیفوں کو یاد کر کے اتنا رویا کہ اس کا گلا گھٹنے لگا۔ بوڑھے نے کہا بیٹا رونا دھونا جانے دے تیرے رونے سے میرا دل کڑھتا ہے۔ یہ کہہ کر بوڑھا اٹھا اور کچھ کھانا لا کر اس کے آگے رکھ دیا اور کہا کھا۔ جان شاہ نے کھایا اور خدا کا شکر کیا۔ اس کے بعد بوڑھے نے جان شاہ سے کہا بیٹا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے اپنا حال سنا تجھ پر کیا گزری ہے۔ جان شاہ نے شروع سے لے کر آخر تک اس بوڑھے سے ملنے تک کا سارا ماجرا کہہ سنایا۔ بوڑھا سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔ جان شاہ نے پوچھا کہ یہ گھاٹی کس کی ہے اور اس عالی شان محل کا مالک کون ہے؟ بوڑھے نے کہا بیٹا سن! یہ گھاٹی اور جو کچھ اس کے اندر ہے یہ محل اور جو چیزیں اس کے آس پاس ہیں حضرت سلیمان بن داؤد کی ہیں۔ میرا نام شیخ نصر ہے۔ میں پرندوں کا بادشاہ ہوں اور حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کر رکھی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو آٹھویں رات

جب پانچ سو آٹھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا کہ حضرت سلیمان نے اس محل کی حفاظت میرے سپرد کی ہے اور مجھے پرندوں کی بولیاں سکھا کر دنیا کے سارے پرندوں کا حاکم بنا دیا ہے۔ ہر سال پرندے اس محل میں آتے ہیں اور مجھے اپنی صورت دکھا کر چلے جاتے ہیں۔ یہ ہے سبب میرے اس جگہ رہنے کا۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا' اے میرے باپ کسی تدبیر سے میں اپنے وطن بھی پہنچ سکتا ہوں؟ بوڑھے نے جواب دیا۔ بیٹا سن تو اس وقت کوہ قاف کے قریب ہے اور یہاں سے جانے کی سوا اس کے اور کوئی تدبیر نہیں کہ جب پرندے آئیں تو میں ان میں سے کسی ایک سے کہہ دوں کہ وہ تجھے تیرے وطن پہنچا دیں۔ اس وقت تک میرے پاس اس محل میں ٹھہر' کھا اور پی اور جب تک چڑیاں نہ آئیں تو ان کوٹھریوں کی سیر کی۔

جان شاہ بوڑھے کے پاس ٹھہر گیا' وہ اس گھاٹی کے چکر لگاتا' وہاں کے میوے کھاتا' سیر کرتا اور ہنستا کھیلتا۔ ایک مدت تک عیش و عشرت سے رہنے کے بعد وہ وقت آ گیا کہ پرندے اپنے اپنے وطنوں سے شیخ نصر سے ملنے آئے۔ جس وقت شیخ نصر کو معلوم ہوا کہ اب پرندے آنے والے ہیں تو اس نے جان شاہ سے کہا اے جان شاہ' یہ کنجیاں لے اور اس محل کی کوٹھریاں کھول اور ان کی سیر کر مگر خبردار فلاں کوٹھری کو نہ کھولیو اور اگر قسم کھانے کے بعد اسے کھول کر اس کے اندر گیا تو کبھی کوئی بھلائی تجھے نہ پہنچے گی۔ جان شاہ کو تاکید کے ساتھ یہ نصیحت کر کے وہ پرندوں سے ملنے روانہ ہوا۔ پرندوں نے شیخ نصر کو دیکھا تو ان کی ایک ایک جنس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ چومے۔

یہ تو شیخ نصر کا حال تھا۔ اب جان شاہ کہ کہانی سنئے۔ وہ اٹھ کر محل کے اندر گیا۔

ادھر ادھر سیر کرنے لگا اور محل کی ساری کوٹھریاں کھولیں یہاں تک کہ وہ اس کوٹھری کے پاس پہنچا جسے کھولنے کو شیخ نصر نے منع کیا تھا۔ جب اس کی نظر اس کوٹھری کے دروازے پر پڑی تو وہ اسے بہت بھلا معلوم ہوا' اس نے دیکھا کہ دروازے میں سونے کا قفل پڑا ہوا ہے' وہ اپنے دل میں کہنے لگا کہ یہ کوٹھری میں کون سی ایسی چیز ہے کہ شیخ نصر نے مجھے اس کے اندر جانے سے منع کیا ہے! میں ضرور جا کر دیکھوں گا کہ اس کے اندر کیا ہے۔ قسمت کا لکھا ہو کر رہتا ہے' اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ کوٹھری کھول دی' اندر جا کر دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا تالاب ہے اور اس کے پاس ایک چھوٹا سا محل جو سونے' چاندی اور بلور کا بنا ہوا ہے جس کے جھروکے یاقوت کے ہیں اور اینٹیں ہیرے' زبرجد' بلخش' زمرد اور ہیروں کی جو فرش میں جڑی ہوئی ہیں۔

محل کے بیچوں بیچ سونے کا ایک حوض ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے' حوض کے ارد گرد سونے اور چاندی کے جانور اور چڑیاں بیٹھی ہیں جن کے پیٹ میں سے پانی نکلتا ہے اور جب ہوا چل کر ان کے کانوں میں جاتی ہے تو ہر مورت اپنی اپنی بولی بولتی ہے۔ حوض کے ایک طرف ایک بڑا چبوترا ہے' اس پر یاقوت کا ایک تخت رکھا ہوا ہے جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے ہیں۔ تخت کے اوپر شامیانہ لگا ہوا ہے جو سبز ریشم کا ہے اور اس میں نگ اور قیمتی جواہرات ٹنکے ہوئے ہیں۔ اس کی لمبائی پچاس گز ہے۔ شامیانے کے اندر ایک حجرہ ہے جس میں حضرت سلیمان کا بوریا ہے۔ محل کے چاروں طرف ایک بڑا باغ ہے جس میں بہت سے درخت اور میوے ہیں' نہریں بہہ رہی ہیں۔ محل کے چاروں طرف گلاب' ریحان' نسرین اور دوسرے خوشبودار پھولوں کی کیاریاں ہیں' ہوا چلتی ہے تو شاخیں جھک جھک جاتی ہیں۔ جان شاہ نے دیکھا کہ اس باغ میں تر اور خشک ہر طرح کے میوے ہیں اور یہ تمام چیزیں اس کوٹھری کے اندر ہیں۔ انہیں دیکھ کر وہ حیران ہو گیا اور اس باغ' محل اور ان میں عجیب و غریب چیزیں تھیں' ان کی سیر کرنے لگا۔ دیکھا کہ تالاب کی کنکریاں نفیس ہیرے' قیمتی جواہرات اور نایاب

معدنیات ہیں۔ غرض کہ اس نے کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے

اجازت ملی تھی۔

○○○

- ## پانچ سو نوویں رات

جب پانچ سو نوویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ نے اس کوٹھری میں بہت سی چیزیں دیکھیں اور اسے بڑی حیرت ہوئی۔ سیر کرتے کرتے اس محل کے اندر پہنچا جو اس کوٹھری میں تھا پھر اس تخت کے قریب چلا جو حوض کے کنارے چبوترے پر پڑا ہوا تھا۔ شامیانے میں داخل ہوا جو تخت پر تنا ہوا تھا اور تخت پر لیٹ کر سو رہا دیر تک سوتا رہا۔ سونے کے بعد آنکھ کھلی تو وہ اٹھ کر ٹہلنے لگا۔ ٹہلتے ٹہلتے محل کے دروازے کے باہر آ گیا جو وہاں کرسی پڑی تھی اس پر بیٹھ گیا۔

وہ بیٹھا بیٹھا مناظر کی خوبصورتی کا خیال کر ہی رہا تھا کہ اس کے پاس سے تین چڑیاں جو کبوتروں کی طرح تھیں اڑتی ہوئی گزریں اور تالاب کے کنارے اتر پڑیں۔ تھوڑی دیر تک کھیلنے کودنے کے بعد انہوں نے اپنے پر اتار دیئے اور چاند سی تین لڑکیاں ہو گئیں جن کا جواب دنیا بھر میں نہیں۔ وہ تالاب میں اتر کر تیرنے' کھیلنے کودنے اور ہنسی مذاق کرنے لگیں۔ جان شاہ ان کی خوبصورتی اور ان کے تناسب اعضا کو دیکھ کر پھڑک اٹھا۔ اس کے بعد وہ تالاب سے نکل کر باغ میں گھومنے اور سیر کرنے لگیں۔ جان شاہ نے انہیں خشکی پر آتے دیکھا تو اس کے ہوش اڑ گئے۔ اٹھ کر ٹہلتا ہوا ان کے پاس پہنچا۔ انہیں سلام کیا' انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ اس نے کہا اے عالی مرتبہ آقا تم کون ہو اور کہاں سے آئی ہو؟ سب سے چھوٹی نے جواب دیا ہم ملکوت کے کے عالم سے یہاں سیر کرنے آئے ہیں۔ جان شاہ ان کے حسن پر فریفتہ ہو گیا اور چھوٹی لڑکی سے کہا مجھ پر رحم کر اور مہربانی کر' میرے پراگندہ احوال اور میری زندگی کو افتادوں پر ترس کھا۔ لڑکی نے کہا' ایسی باتیں جانے دے اور اپنا راستہ لے۔

اس کی بے اعتنائی پر جان شاہ رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ لڑکیاں اس پر ہنسنے'

اسے بنانے لگیں اور اپنے کھیل کود' گانے بجانے اور چہلیں کرنے میں مشغول ہو گئیں۔
جان شاہ ان کے لیے کچھ پھل لایا۔ انھوں نے کھائے اور وہ رات جان شاہ کے ساتھ گزاری۔ صبح ہوئی تو لڑکیوں نے اپنے پروں کا لباس پہن لیا اور کبوتر بن کر اڑ گئیں۔
وہ کبوتریاں اڑ کر نظروں سے غائب ہوئیں تو جان شاہ کے ہوش و حواس بھی ان کے ساتھ اڑ گئے۔ وہ ایک چیخ مار کر بے ہوش ہو گیا۔ دن بھر اور رات بھر اسی بے ہوشی کی حالت میں پڑا رہا۔ وہ اسی عالم میں پڑا تھا کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر اسے ڈھونڈنے آیا کہ اس کو چڑیوں کے ساتھ اس کے وطن بھیج دے' مگر اسے کہیں نہ پایا' اس نے سمجھ لیا کہ جان شاہ ضرور اسی کوٹھری میں گیا ہو گا۔ شیخ نصر چڑیوں سے کہہ چکا تھا کہ میرے پاس ایک چھوٹا لڑکا ہے جسے قسمت بہت دور سے یہاں لے آئی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ تم اسے اس کے وطن پہنچا دو اور چڑیوں نے ہامی بھر لی تھی۔ اس لیے وہ جان شاہ کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس کوٹھری کے دروازے پر پہنچا جس کے کھولنے سے اس نے منع کیا تھا۔ دیکھا کہ کوٹھری کھلی پڑی ہے۔ اندر گیا تو جان شاہ کو ایک درخت کے نیچے بے ہوش پڑا ہوا پایا۔ اس نے خوشبودار پانی لا کر اس کے منہ پر چھڑکا۔ جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ چاروں طرف دیکھنے لگا۔
اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو دسویں رات

پانچ سو دسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب جان شاہ کی غشی دور ہوئی تو وہ دائیں بائیں نظر دوڑانے لگا۔ اس نے دیکھا کہ سوا شیخ نصر کے اس کے پاس کوئی نہیں۔ اس کی آنکھوں سے حسرتیں برسنے لگیں۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا! میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اس کوٹھری کو نہ کھولیو اور اس کے اندر نہ جائیو۔ اچھا بتا تو نے یہاں کیا دیکھا اور تجھ پر کیا گزری؟ سچ سچ ساری کہانی سنا۔ جان شاہ نے جو کچھ اس پر گزرا تھا کہہ سنایا۔ سارا قصہ سن کر شیخ نصر کہنے لگا بیٹا سن! یہ لڑکیاں پریاں ہیں اور ہر سال یہاں آ کر کھیلتی کودتی ہیں۔ اور صبح تک دل بہلا کر اپنے وطن چلی جاتی ہیں۔ جان شاہ نے پوچھا ان کا وطن کہاں ہے؟ شیخ نصر نے کہا بیٹا واللہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ان کا وطن کہاں ہے لیکن اب اپنا دل مضبوط کر کے میرے ساتھ چل تا کہ میں چڑیوں کے ساتھ تجھے تیرے وطن بھیج دوں اور اس محبت کو گولی مار۔ شیخ نصر کی باتیں سن کر جان شاہ نے زور سے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر گیا۔ ہوش آیا تو اس نے کہا واللہ اے میرے باپ میں اس وقت تک اپنے وطن نہیں جانا چاہتا کہ ان لڑکیوں سے نہ مل لو' اگر میں ابھی تیرے آگے مر بھی جاؤں تو بھی اپنے گھر والوں کو یاد نہیں کروں گا۔ پھر وہ بولا مجھے منظور ہے کہ میں سال میں ایک ہی بار اس کا چہرہ دیکھوں جس سے مجھے عشق ہے اور شیخ نصر کے قدموں پر گر کر لوٹنے اور دہاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ ساتھ ہی کہتا جاتا تھا کہ مجھ پر رحم کر خدا تجھ پر رحم کرے گا اور میری مصیبت میں میری مدد کر خدا تیری مدد کرے گا۔ شیخ نصر نے کہا بیٹا نہ تو میں ان لڑکیوں کو جانتا ہوں نہ مجھے ان کے گھر کا پتہ معلوم ہے لیکن بیٹا اگر تو ان میں سے کسی پر عاشق ہے تو میرے پاس ایک سال اور ٹھہر جا' وہ اگلے برس

آج ہی کے دن آئیں گے۔ ان کے آنے کا دن ہو تو باغ میں کسی درخت کے نیچے چھپ جائیو۔ جونہی وہ کپڑے اتار کر تالاب میں اتریں اور تیرنے اور چہلیں کرنے لگیں تو اس لڑکی کے کپڑے اٹھا لیجیو جسے تو چاہتا ہے۔ جب ان کی نظر تجھ پر پڑے گی' وہ باہر نکل آئیں گی تا کہ کپڑے پہن لیں اور جس لڑکی کے تو نے کپڑے لئے ہوں گے وہ نہایت میٹھی زبان سے اور مسکرا کر تجھ سے کہے گی' بھائی میرے کپڑے مجھے دے دے میں انہیں پہن کر اپنا بدن ڈھانک لوں۔ اگر تو نے اس کا کہنا مان لیا اور اس کے کپڑے دے دیئے تو جان لیجیو کہ تیری مراد اس سے کبھی پوری نہیں ہو گی کیونکہ وہ کپڑے پہن کر اپنے گھر چلتی بنے گی' اس کے بعد تو اسے کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ لہٰذا اگر اس کے کپڑے تیرے ہاتھ آ جائیں تو انہیں حفاظت سے اپنی بغل میں دبائے رکھیو' اسے ہرگز نہ دے دیجیو جب تک میں چڑیوں سے مل کر لوٹ نہ آؤں۔ تیری اور اس کی صلح نہ کرا دوں اور اس کے ساتھ تجھے تیری وطن نہ بھیج دوں۔ بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو گیارہویں رات

جب پانچ سو گیارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا' اے نیک نہاد بادشاہ ------- شیخ نصر نے کہا بیٹا بس اتنا ہی میں کر سکتا ہوں' اس سے زیادہ میرا بس نہیں۔ اس کی باتیں سن کر جان شاہ کے دل کو اطمینان ہوا۔ ایک سال اور ٹھہرنے کا ارادہ کیا اور چڑیوں کے آنے کے دن گننے لگا۔ چڑیوں کے آنے کا دن آیا تو شیخ نصر نے جان شاہ سے کہا میں تو چڑیوں سے ملنے جاتا ہوں تو لڑکیوں کی پوشاک کے متعلق جو میں نے کہا وہی کیجیو۔ سمجھا بجھا کر شیخ نصر تو چڑیوں سے ملنے چلا گیا' جان شاہ کوٹھری کے اندر باغ میں جا پہنچا اور اس طرح ایک درخت کے نیچے چھپ بیٹھا کہ اسے کوئی دیکھ نہ سکے۔ ایک دن گزرا' دو دن گزرے پھر تیسرا دن آیا اور گزر گیا لیکن لڑکیاں نہ آئیں وہ بہت رنجیدہ ہوا' رونے اور ٹھنڈے سانس بھرنے لگا۔ اتنا صدمہ ہوا کہ غشی کی نوبت آ گئی۔ بڑی دیر تک نڈھال پڑا رہا۔ جب ذرا حالت سنبھلی تو کبھی آسمان کی طرف دیکھتا' کبھی زمین کی طرف' کبھی تالاب میں گھورتا' کبھی خشکی کو دیکھتا' محبت اور مایوسی سے اس کا دل دھڑک رہا تھا۔ جان شاہ کی یہی کیفیت تھی کہ تین کبوتر اڑتے ہوئے آئے' ہر کبوتر شاہین کے برابر تھا۔ تالاب کے پاس اتر کر وہ دائیں بائیں دیکھنے لگے۔ جب انہوں نے دیکھا کہ وہاں کوئی جن ہے نہ آدم زاد تو انہوں نے اپنے کپڑے اتار ڈالے۔ یہ وہی پریاں تھیں اور برہنہ ہو کر تالاب میں نہانے' پانی سے کھیلنے' آپس میں ہنسی مذاق کرنے اور دل خوش کرنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ چاندی کی ڈھلی ہوئی پتلیاں ہیں۔ سب سے بڑی لڑکی نے کہا' بہنو! مجھے ڈر ہے کہ ہماری تاک میں کہیں کوئی اس محل میں چھپا نہ ہو۔

منجھلی بولی بہن' حضرت سلیمان کے زمانے سے آج تک اس محل میں نہ کسی انسان کا

گزرا ہوا نہ جن کا۔ چھوٹی نے ہنس کر کہا بہنو' خدا کی قسم اگر کوئی اس جگہ چھپا بھی ہے تو وہ سوا میرے کسی کو لینے نہ آیا ہو گا۔ ادھر وہ چہلیں کر رہی تھیں' ادھر جان شاہ کو دل مارے محبت کے دھک دھک کر رہا تھا۔ درختوں میں چھپا ہوا برابر انہیں دیکھے جاتا اور وہ اسے نہ دیکھ سکتیں۔ جب تینوں لڑکیاں تیرتے تیرتے تالاب کے بیچ میں پہنچ گئیں اور اپنے کپڑوں سے دور جا پڑیں تو جان شاہ بجلی کی سرعت سے اٹھا اور چھوٹی لڑکی کے کپڑے بغل میں دبا لئے۔ کیونکہ وہی اس کی معشوقہ تھی' اس کا نام شمسہ تھا۔ اتنے میں لڑکیوں نے پھر دیکھا جان شاہ پر نظر پڑی تو ان کا کلیجا کانپنے لگا' اپنے بدنوں کو پانی میں چھپائے حوض کے کنارے آئیں۔ دیکھا کہ چودھویں رات کا چاند چمک رہا ہے۔ انہوں نے جان شاہ سے پوچھا تو کون ہے' یہاں کیسے آیا ہے اور شمسہ کے کپڑے کیوں اٹھا لیے؟ اس نے جواب دیا میرے پاس آؤ تو میں اپنی ساری کہانی تمہیں سناؤں۔ شمسہ بولی تو نے میرے کپڑے کیوں چرائے اور میری بہنوں کو چھوڑ کر مجھ پر کیسی عنایت کی؟

جان شاہ نے کہا اے میری آنکھوں کی روشنی' پانی سے نکل تو سہی میں تجھے اپنی کہانی سناؤں' اپنا ماجرا بیان کروں اور بتاؤں کہ میں تجھے کہاں سے جانتا ہوں۔ لڑکی بولی' اے میرے آقا' میری آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرے دل کے ٹکڑے' میرے کپڑے تو مجھے واپس دے میں انہیں پہن کر اپنے بدن کو ڈھانکوں اور پانی سے نکل کر تیرے پاس آؤں۔ جان شاہ نے کہا اے حسینوں کی سردار' یہ کیسے ہو سکتا ہے میں تجھے کپڑے دے کر کیا اپنی جان جوکھوں میں ڈال دوں۔ جب تک چڑیوں کا بادشاہ شیخ نصر نہ آ جائے میں تجھے تیرے کپڑے نہیں دوں گا۔

شمسہ نے جان شاہ کی باتیں سنیں تو اس سے کہا اچھا اگر تو' میرے کپڑے نہیں دیتا تو ذرا ہٹ جا کہ ہماری بہنیں باہر آ کر کپڑے پہن لیں اور مجھے بھی بدن ڈھانکنے کے لیے کوئی چیز دے دیں۔ جان شاہ نے کہا یہ مانا اور ان کے سامنے سے ہٹ کر محل

کے اندر چلا گیا۔ شمسہ اور اس کی بہنیں پانی میں سے نکلیں۔ اپنے اپنے کپڑے پہنے۔ بڑی بہن نے اپنے کپڑوں میں سے ستر پوشی کے لیے کچھ اسے بھی دے دیا مگر اس سے اڑنا ممکن نہ تھا۔ شمسہ چاند یا غزال معلوم ہوتی تھی' خراماں خراماں جان شاہ کے پاس پہنچی۔ دیکھا کہ وہ تخت پر بیٹھا ہے' سلام کر کے اس کے برابر جا بیٹھی اور کہنے لگی اے حسین تو ہی وہ شخص ہے جس نے مجھے بھی تباہ کیا اور اپنے آپ کو بھی۔ خیر اب اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے؟ شمسہ کو مہربان دیکھ کر رونے لگا اور اتنا رویا کہ آنسوؤں سے اس کے تمام کپڑے بھیگ گئے۔ لڑکی کو یقین ہو گیا کہ جان شاہ اس کی محبت کا مارا ہوا ہے تو وہ اٹھی اور ہاتھ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا' اپنی آستین سے اس کے آنسو پونچھنے اور کہنے لگی۔ اے حسین ہلکان نہ ہو' اپنی کہانی مجھے سنا۔ جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی جو کچھ اس پر گزرا بیان کیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بارہویں رات

جب پانچ سو بارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جان شاہ نے اسے اپنی کہانی سنائی اور جو کچھ واقعات گزرے تھے بیان کیے۔ اس کا قصہ سننے کے بعد شمسہ نے ٹھنڈا سانس بھرا اور کہا اے میرے آقا' اگر تو مجھے سچ مچ مجھے چاہتا ہے تو میرے کپڑے مجھے دے دے تا کہ انہیں پہن کر میں اپنی بہنوں کے ساتھ اپنے ماں باپ کے پاس جاؤں اور ان سے کہوں کہ میری محبت میں تجھ پر کیا گزر رہی ہے اور پھر تیرے پاس آ کر تجھے تیرے وطن پہنچا دوں۔ جان شاہ رو پڑا اور کہنے لگا' کیا خدا نے تجھ پر یہ حلال کر دیا ہے کہ تو مجھے زبردستی مار ڈالے؟ لڑکی نے پوچھا اے میرے آقا' اس میں مار ڈالنے کی کیا بات ہے؟ اس نے جواب دیا جب تو اپنے کپڑے پہن کر میرے پاس سے چلتی بنے گی میں تو فوراً جان دے دوں گا۔ جان شاہ کی باتوں پر شمسہ کہ بہنیں ہنس پڑیں۔ شمسہ بولی بے چین نہ ہو' میں تجھ سے ضرور بیاہ کروں گی۔ یہ کہہ کر اس کی طرف جھکی اسے گلے لگایا سینے سے سینہ ملا کر اس کے ماتھے اور رخساروں کے بوسے لیے۔ دیر تک دونوں ہم آغوش رہے۔ اس کے بعد وہ جدا ہو کر تخت پر بیٹھ گئے۔

اس عرصے میں شمسہ کی دونوں بہنیں محل سے باہر جا کر کچھ پھل اور پھول توڑ لائیں۔ سب نے کھایا پیا' لطف اٹھایا۔ خوش ہوئے اور ہنسی مذاق کیا۔ جان شاہ نہایت حسین تھا چھریرا' رنگ اجلا اور بدن سڈول۔ شمسہ نے اس سے کہا پیارے' خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں' کبھی تجھ سے جدا نہ ہوں گی۔ جان شاہ کا دل باغ باغ ہو گیا۔ اتنا ہنس کہ باچھیں کھل گئیں اور سب آپس میں ہنسی مذاق کرتے رہے۔

یہی چہچے' قہقہے تھے کہ شیخ نصر چڑیوں سے مل کر ان کے پاس پہنچا۔ جونہی وہ ان کے سامنے آیا۔ سب کے سب کھڑے ہو گئے۔ اسے سلام کیا' اس کے ہاتھ چومے۔ شیخ

نصر نے انہیں بڑے تپاک اور پیار سے بٹھایا۔ بیٹھ گئے تو شمسہ سے کہا یہ جوان تجھے بہت چاہتا ہے' خدا کے لیے اس پر رحم کر۔ وہ بڑا شخص ہے۔ شہزادہ ہے۔ اس کا باپ کابل کا بادشاہ ہے جس کے ماتحت بہت بڑا ملک ہے۔ شمسہ نے شیخ نصر کی باتیں سنیں تو اس نے کہا کہ تیرا حکم سر آنکھوں پر اور اس کے ہاتھ چوم کر سامنے کھڑی ہو گئی۔ شیخ نصر بولا اگر تو سچ کہتی ہے تو میرے سامنے خدا کی قسم کھا کہ تو اسے کبھی دھوکہ نہ دے گی اور اس کے ساتھ شادی کر لے گی۔ لڑکی نے قسم کھائی اور کہا اے شیخ نصر میں اسے کبھی نہ چھوڑوں گی۔ جب شمسہ نے قسم کھا لی تو شیخ نصر کو اس کا یقین آ گیا اور اس نے جان شاہ سے کہا شکر ہے اس خدا کا جس نے تم دونوں کے دل ملا دیئے۔ جان شاہ کی خوشی کا کیا پوچھنا۔ اس سے زیادہ اسے اور کیا مسرت ہوتی۔ پھر وہ اور شمسہ شیخ نصر کے ہاں تین مہینے تک کھاتے پیتے اور ہنستے بولتے رہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تیرہویں رات

جب پانچ سو تیرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ تین مہینے کے بعد شمسہ نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ اب ہم تیرے وطن چلیں اور

تو میرے ساتھ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے بعد جان شاہ بیاہ کرے اور ہم تیرے وہاں رہیں۔ وہ بولا جیسی تیری خوشی۔ اس کے بعد جان شاہ نے شیخ نصر سے مشورہ کیا اور کہا میرا ارادہ وطن جانے کا ہے اور جو کچھ شمسہ نے کہا تھا وہ اس سے بیان کیا۔ شیخ نصر نے کہا بہت اچھی بات ہے۔ جا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئیو۔ شیخ نصر نے اجازت دے دی تو لڑکی نے اپنے کپڑے مانگے اور شیخ نصر سے کہا کہ جان شاہ سے کہہ کر وہ میرے کپڑے دے دے تا کہ میں انہیں پہن لوں۔ اس نے جان شاہ سے کہا کہ وہ میرے کپڑے دے دے۔ جان شاہ جلدی سے اٹھ کر محل میں گیا اور کپڑے لا کر اسے دے دیئے۔ اس نے کپڑے پہن کر جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا اور آنکھیں اور کان بند کر لے تا کہ آسمان کے چکر کی آواز تجھے سنائی نہ دے اور جب تک تو میری پیٹھ پر رہے میرے پروں کو زور سے پکڑے رہیو۔ خبردار گریو نہیں۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ وہ اڑنے ہی والی تھی کہ شیخ نصر نے کہا ذرا ٹھہر جا کہ میں تجھے کابل کے ملک کا پتہ بتا دوں' کہیں ایسا نہ ہو کہ بھٹک جائے۔ وہ ٹھہر گئی اور شیخ نصر نے اسے اس ملک کا پتہ اچھی طرح سے سمجھا دیا اور کہا میں جان شاہ کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ اور وہ اس سے رخصت ہوا۔ وہ بھی اپنی بہنوں سے رخصت ہوئی اور بولی گھر جا کر میرا اور جان شاہ کا سارا قصہ سنا دینا۔ وہ پھر اڑی اور بجلی کی طرح اوپر پہنچ گئی۔ بعد ازاں دونوں بہنیں بھی اڑ گئیں اور گھر پہنچ کر انہوں نے شمسہ اور جان شاہ کی ساری کہانی کہہ سنائی۔

ادھر شمسہ جان شاہ کو پیٹھ پر بٹھائے صبح سے لے کر تیسرے پہر تک اڑتی رہی۔ تیسرا پہرا ہوا تو شمسہ کو دور سے ایک وادی دکھائی دی جس میں بہت سے درخت اور میوے تھے۔ اس نے جان شاہ سے کہا میں چاہتی ہوں کہ یہاں اتر کر آج رات کو اس وادی کے درختوں اور سبزہ زار کی سیر کریں۔ جان شاہ نے کہا جیسے تیری مرضی۔ وہ ہوا سے اتر کر اس وادی میں پہنچی اور جان شاہ اس کی پیٹھ پر سے اتر کر اس کے ماتھے کو چومنے لگا۔ دونوں دیر تک ایک چشمے کے کنارے بیٹھے رہے۔ اس کے بعد وہ اٹھ کر گھاٹی کی سیر کرنے لگے۔ خوب سیر کی اور پھل کھائے۔ شام تک سیر کرتے کرتے ایک درخت کے نیچے پہنچے اور وہاں سو گئے۔ جب صبح ہوئی تو شمسہ اٹھی اور جان شاہ سے کہا میری پیٹھ پر سوار ہو جا۔ جان شاہ اس کی پیٹھ پر سوار ہو گیا اور وہ اسے لے کر اڑی۔ صبح سے دوپہر تک اڑتی رہی۔ اب انہیں وہ نشانیاں دکھائی دینے لگیں جو شیخ نصر نے بتائی تھیں۔ یہ نشانیاں دیکھتے ہی شمسہ ہوا سے ایک ہرے سبزہ زار میں اتر پڑی جہاں نہایت خوش نما سبزہ تھا' ہرن چوکڑیاں مار رہے تھے اور چشمے بہہ رہے تھے' پکے پکے پھل لگے ہوئے اور چوڑے دریا جاری۔ جب وہ اس سبزہ زار میں اتری تو جان شاہ نے اس کی پیٹھ سے اتر کر اس کی پیشانی چومی۔ لڑکی نے کہا' اے میرے پیارے آنکھوں کے تارے' تجھے معلوم ہے کہ ہم نے کتنی راہ طے کی ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ لڑکی نے کہا تیس مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے کہا شکر ہے خدا کا کہ اس نے ہمیں صحیح و سلامت پہنچا دیا۔ یہ کہہ کر وہ بیٹھ گیا۔ لڑکی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ دونوں کھانے پینے اور ہنسی مذاق کرنے لگے۔ اسی حالت میں تھے کہ ان کے پاس دو غلام پہنچے۔ ایک تو وہ تھا جو گھوڑوں کے ساتھ جب کہ جان شاہ اتر کر ماہی گیری کی کشتی میں سوار ہوا تھا اور دوسرا وہ تھا جو اس کے ساتھ سیرو شکار میں تھا۔ جب دونوں غلاموں نے جان شاہ کو دیکھا تو وہ اسے پہچان گئے۔ سلام کیا اور کہا اگر تو اجازت دے تو ہم تیرے باپ کے پاس جا کر اسے تیرے آنے کی خوش خبری دیں۔ جان شاہ نے کہا ہاں میرے باپ کے پاس جا کر اسے خبر دو اور ہمارے لیے خیمے لے کر آؤ۔ ہم یہاں

سات دن تک ٹھہر کر ستائیں گے۔ اس وقت تک جلوس بھی ہمارے لیے آ جائے گا اور ہم جلوس میں شامل ہو جائیں گے

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی

○○○

• جب پانچ سو چودھویں رات

جب پانچ سو چودھویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جان شاہ نے غلاموں سے کہا کہ جب جلوس آ جائے گا تو ہم اس میں شامل ہو جائیں گے۔ غلام گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے باپ کے پاس روانہ ہو گئے اور جا کر کہا' جہاں پناہ' مبارک ہو! غلاموں کی یہ باتیں سن کر بادشاہ طیغموس نے پوچھا تم کس بات کی مبارک باد دیتے ہو؟ کیا میرا بیٹا جان شاہ آ گیا۔ انہوں نے کہا ہاں تیرا کھویا ہوا بیٹا آ گیا ہے اور وہ اس وقت تیز قریب کرانی سبزہ زار میں ہے۔ غلاموں کی زبان سے بادشاہ نے یہ خوش خبری سنی تو مارے خوشی کے بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے وزیر کو حکم دیا دونوں غلاموں کو خلعت اور بہت سا مال عطا کرے۔ وزیر نے فوراً غلاموں کو وہ چیزیں دیں جو بادشاہ کو حکم تھا۔ بادشاہ نے ان سے کہا کہ خوش خبری کے بدلے یہ مال لو' خواہ تم سے نے سچ کہا ہو یا جھوٹ۔ غلاموں نے کہا ہم نے جھوٹ نہیں کہا بلکہ ہم اس کے پاس بیٹھ کر اسے سلام کر کے اور اس کے ہاتھ چوم کر آئے ہیں۔ اس نے ہمیں یہ بھی حکم دیا ہے کہ ہم اس کے لیے خیمے لے کر جائیں اور وہ کرانی سبزہ زار میں بیٹھ کر سات دن تک انتظار کرے گا یہاں تک کہ تو وزیروں اور امیروں اور بڑے لوگوں کو اس سے ملنے کے لیے بھیجے۔ بادشاہ نے پوچھا میرا بیٹا کس حالت میں ہے؟ انہوں نے کہا تیرے بیٹے کے ساتھ ایک حور ہے گویا وہ اسے جنت سے لے کر آیا ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ بجیرے اور شہنائیاں بجائی جائیں۔ اسی وقت خوشی کے باجے بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس سے شہر کے ہر طرف خوشبخری دینے والے بھیجے تاکہ وہ جان شاہ کی ماں' امیروں' وزیروں اور بڑے لوگوں کی بیویوں کو جا کر خوش خبری دیں۔ خوش خبری دینے والے چاروں طرف پھیل گئے اور سب کو جان شاہ کے آنے کی خوشخبری دی۔

اس کے بعد بادشاہ طیغموس لشکر اور فوجیں تیار کر کے کرانی سبزہ زار کی طرف روانہ ہو گیا۔ جان شاہ اور شمسہ پاس پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ لشکر آ پہنچا۔ جان شاہ اٹھ کر ان کی طرف بڑھا۔ لشکر والوں نے اسے دیکھا تو پہچان لیا اور گھوڑوں سے اتر کر اس کی طرف پیدل چلے اور سلام کر کے اس کے ہاتھ چومے۔ اب جان شاہ لشکر کے ساتھ روانہ ہو کر اپنے باپ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کو دیکھتے ہی گھوڑے سے کود پڑا اور اس سے لپٹ کر رونے لگا۔ وہ بیٹے کو لے کر سوار ہوا اور لشکر ان کے دائیں بائیں ہو لیا۔ چلتے چلتے دریا کے کنارے پہنچے۔ لشکر اتر پڑا' خیمے شامیانے اور جھنڈے لگا دیئے۔ ڈھول' بانسریاں' مجیرے اور بگل بجنے لگے۔ بادشاہ طیغموس نے فراشوں نے حکم کی تعمیل کی۔ شمسہ نے انے پروں کا لباس اتار دیا اور اس خیمے کی طرف گئی اور جا کر اس کے اندر بیٹھی۔ وہ بیٹھی ہی تھی کہ بادشاہ طیغموس اور اس کا بیٹا جان شاہ ساتھ ساتھ اس کے پاس پہنچے۔ شمسہ بادشاہ طیغموس کو دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ اس کے آگے زمین چومی۔ بادشاہ بیٹھ گیا اور اپنے بیٹے جان شاہ کو دائیں طرف اور شمسہ کو بائیں بٹھا کر ان خیر مقدم کیا اور اپنے بیٹے جان شاہ سے پوچھا کہ پردیس میں تیرے ساتھ کیا گزری؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ شہزادے کی کہانی سن کر بادشاہ کو سخت تعجب ہوا اور اس نے شمسہ کی طرف مخاطب ہو کر کہا شکر ہے خدا کا جس نے تیری وجہ سے مجھے اور میرے بیٹے کو ملا دیا' یہ خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پندرہویں رات

جب پانچ سو پندرہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ طیغموس نے شمسہ سے کہا شکر ہے خدا کا جس کے طفیل تو نے مجھے میرے بیٹے سے ملایا' یہ

خدا کی بہت بڑی مہربانی ہے۔ میری خوشی ہے کہ تو مجھ سے کوئی ایسی چیز مانگے جو تیرا دل چاہتا ہو تاکہ میں اسے پورا کر کے تیرا احترام کروں۔ شمسہ نے کہا میں چاہتی ہوں کہ تو میرے لیے ایک باغ کے بیچ میں ایسا محل بنوا دے جس میں نہریں بہ رہی ہوں۔ اس نے کہا سر آنکھوں پر۔ وہ یہی باتیں کر رہے تھے کہ جان شاہ کی ماں' امیروں' وزیروں اور شہر کے بڑے لوگوں کی بیویوں کے ساتھ آ پہنچی۔ جان شاہ اسے دیکھ کر خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس کے پاس پہنچ کر دیر تک اس کے گلے سے لگا رہا۔ مارے خوشی کے ماں کے آنسو بہنے لگے۔ دونوں نے اپنا اپنا سارا ماجرا بیان کیا جو انہیں جدائی کے غم میں پیش آیا تھا۔ اس کے بعد اس کا باپ اپنے خیمے میں چلا گیا اور وہ اپنی ماں کے ساتھ اپنے خیمے میں جا کر اس سے باتیں کرنے لگا۔ وہ بیٹھے ہی آ رہی ہے۔ یہ سن کر جان شاہ کی ماں اٹھ کھڑی ہوئی۔ شمسہ دوسری عورتوں کو لے چل کر کھڑی ہوئیں۔ شمسہ کے خیمے میں پہنچیں اور وہاں بیٹھ کر باتیں کرنے لگیں۔

بادشاہ طیغموس نے اپنے بیٹے کے آنے کی خوشی میں رعایا کو بہت انعام و اکرام دیا۔ دس دن وہاں عیش و عشرت کے ساتھ گزارنے کے بعد بادشاہ نے اپنی فوجوں کو حکم دیا کہ وہ شہر کی طرف کوچ کریں اور خود سوار ہو کر روانہ ہوا۔ اس کا لشکر اس کے ارد گرد تھا۔ وزیر اور حاجب دائیں بائیں' بڑی دھوم سے وہ لوگ شہر میں پہنچے۔ جان شاہ کی ماں اور شمسہ اپنے محل میں گئیں۔ شہر بڑے سلیقے سے آراستہ کیا تھا۔ ان کے شہر میں داخل ہوتے ہی خوشی کے باجے اور مجیرے بجنے لگے۔ گھوڑوں کے سموں کے نیچے زربفت بچھایا گیا اور حکومت کے بڑے لوگوں نے خوش ہو کر تحفے تحائف دیئے

جنہیں دیکھ کر تماشائی دنگ رہ گئے۔ فقیروں اور مسکینوں کو کھانے کھلائے گئے اور دس دن تک بڑی چہل پہل رہی۔ یہ دیکھ کر شمسہ بڑی خوش ہوئی۔

اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے معماروں اور مستریوں کو بلا کر حکم دیا فلاں باغ میں ایک محل تیار کریں۔ محل بننا شروع ہو گیا اور چند روز میں ایک نہایت عالی شان عمارت بن کر کھڑی ہو گئی۔ محل جب بننے لگا تو جان شاہ نے کاریگروں سے کہا کہ وہ ایک سفید مرمر کا کھمبا بنائیں اور اسے اندر سے کھوکھلا کر کے صندوق کی طرح کر دیں۔ اس حکم کی تعمیل ہو گئی تو جان شاہ نے شمسہ کو وہ لباس جس سے وہ اڑتی تھی اس کھمبے میں رکھ کر اسے محل کی نیو میں گاڑ دیا اور معماروں سے کہا کہ اس کے اوپر وہ ڈاٹیں رکھیں جن پر محل بنایا جائے گا۔ غرض کہ محل بن کر تیار ہو گیا تو اس کی آرائش کی گئی اور وہ محل ہر طرح سے اپنی نظیر آپ ہی تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے جان شاہ کا ولیمہ کیا اور یہ اتنا بڑا جشن ہوا جس کا جواب نہیں۔ پھر لوگ شمسہ کو شادی کی پہلی رات کے لیے وہاں پہنچا کر اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی تو اسے اپنے پروں والے لباس کی بو آنے لگی۔

اور شہرزاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سولھویں رات

جب پانچ سو سولھویں رات ہوئی تو اس نے کہا نیک نہاد بادشاہ ------ جونہی شمسہ اس محل میں داخل ہوئی اسے انے پروں والے لباس کی بو آنے لگی جسے پہن کر وہ اڑتی تھی۔ اسے معلوم ہو گیا کہ وہ کہاں ہے اور وہ اسے لینے پر تل گئی۔ لیکن وہ آدھی رات تک ٹھہری رہی۔ جب آدھی رات ہوئی اور جان شاہ نیند میں بے خبر ہو گیا تو وہ اٹھ کر اس کھمبے کے پاس پہنچی جس کے اوپر محرابیں تھیں اور ایک طرف سے کھودتے کھودتے وہ کھمبے تک پہنچ گئی جس کے اندر اس کی پوشاک تھی۔ اس پر سے وہ سیسہ دور کیا جو پگھلا کر لگایا گیا تھا۔ اس میں سے کپڑے نکال لیے اور انہیں پہن فراٹا بھر محل کی چھت پر جا بیٹھی اور لوگوں سے کہا کہ جان شاہ کو میرے پاس بلا لاؤ تا کہ میں اس سے رخصت ہو لوں۔

جان شاہ کو یہ خبر پہنچی تو وہ اس کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ اپنے پروں کا لباس پہنے محل کی چھت پر بیٹھی ہے اس نے کہا یہ تو نے کیا کیا' شمسہ نے جواب دیا اے میرے پیارے' آنکھوں کے تارے اور دل کے ٹکڑے' خدا کی قسم میں تجھے بہت چاہتی ہوں اور مجھے بے حد خوشی ہے کہ میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر ماں باپ سے ملا دیا۔ اب اگر تجھے بھی مجھ سے اتنی محبت ہے جتنی مجھے تجھ سے تو میرے پاس قلعہ جوہر تکنی میں آ جائیو۔ یہ کہہ کر وہ اڑ گئی اور اپنے ماں باپ کے پاس چل دی۔

جب جان شاہ نے محل کی چھت پر سے شمسہ کی یہ باتیں سنیں تو قریب تھا کہ مارے رنج کے اس کی جان نکل جائے۔ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے جا کر اس کے باپ کو خبر دی۔ وہ سوار ہو کر محل میں آیا۔ بیٹے کو زمین پر پڑا ہوا پایا۔ رونے لگا اور یقین ہو گیا کہ اس کا بیٹا شمسہ کی محبت میں گرفتار ہے۔ منہ پر گلاب کا عرق چھڑکا۔ اسے ہوش آیا تو دیکھا کہ باپ سرہانے بیٹھا ہے۔ وہ اپنی بیوی کی جدائی پر

رونے لگا۔ باپ نے کہا بیٹا تجھ پر کیا مصیبت آئی ہے؟ بیٹا بولا سن شمسہ پری ہے اور جنوں کی اولاد میں سے۔ میں اسے چاہتا ہوں' اس کی محبت میں گرفتار' اس کے حسن پر شیدا ہوں۔ میرے پاس اس کے وہ کپڑے تھے جن کے بغیر وہ اڑ نہ سکتی تھی۔ میں نے ان کپڑوں کو لے کر صندوق کی شکل کے ایک کھمبے میں چھپا دیا تھا اور اس پر سیسہ پگھلا کر اسے محل کی نیو میں رکھ دیا تھا۔ اس نے نیو کھود کر وہ کپڑے نکال لیے۔ انہیں پہن کر اڑ گئی۔ محل کی چھت پر جا بیٹھی اور مجھ سے کہا میں تجھے چاہتی ہوں' میں نے تجھے تیرے وطن پہنچا کر تیرے ماں باپ سے ملا دیا ہے۔ اگر تجھے بھی مجھ سے محبت ہے تو میرے پاس قلعہ جوہر تکنی میں آئیو۔ یہ کہہ کر وہ محل کی چھت پر سے اڑی اور چلتی ہوئی۔

بادشاہ طیغموس نے کہا' بیٹا غم نہ کھا میں ابھی سوداگروں اور سیاحوں کو بلا کر ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھتے ہیں۔ ہمیں پتہ معلوم ہو جائے گا تو ہم خود وہاں چل کر شمسہ کے گھر والوں سے ملیں گے۔ خدا سے امید ہے کہ وہ تجھے شمسہ کو عطا کرے گا اور تیرا گھر بس جائے گا۔

بادشاہ نے باہر آ کر اپنے چاروں وزیروں کو طلب کیا اور ان سے کہا کہ شہر میں جتنے سوداگر اور سیاح ہوں انہیں بلوا کر ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتا پوچھا جائے۔ جو کوئی اس کا پتا بتائے گا۔ میں اسے پچاس ہزار دینار دوں گا۔ فوراً حکم کے مطابق کے تمام سفر کرنے والے سوداگروں سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا لیکن کوئی اس کا پتا نہ بتا سکا پھر انہوں نے بادشاہ کے پاس آ کر خبر دی۔ بادشاہ اسی وقت اٹھ کھڑا ہو اور اس نے حکم دیا کہ جان شاہ کے لیے ایسی ایسی خوبصورت اور گانے بجانے والی کنیزیں لائی جائیں جو سوائے بادشاہوں کے اور کسی کے پاس نہ جاتی ہوں تاکہ شمسہ کی محبت اس کے دل سے نکل جائے۔ لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کر دی۔ اس کے بعد بادشاہ نے تمام ملکوں' جزیروں اور اقلیتوں میں جاسوس اور کھوج لگانے والے بھیجے کہ قلعے جوہر تکنی

کا پتا چلائیں۔ جاسوس دو مہینے تک پوچھتے پھرے انہیں کسی سے اس کا پتہ نہ لگا۔ انہوں نے واپس آ کر بادشاہ سے اپنی ناکامی بیان کی۔ بادشاہ بہت رویا اور اپنے بیٹے کے پاس گیا۔ دیکھا کہ وہ خوبصورت کنیزوں کے ساتھ جو رباب اور بربط پر گا بجا رہی ہیں بیٹھا ہوا ہے تاہم اس کے دل سے شمسہ کی محبت نہیں جاتی۔ باپ نے کہا بیٹا کسی ایسے شخص کا پتہ نہیں لگتا جو اس قلعے کو جانتا ہو۔ بس یہی تمام خبروں کا خلاصہ ہے۔ باپ کی یہ باتیں سن کر جان شاہ رونے لگا اور اس کے آنسو بہنے لگے۔ بادشاہ نے طیغموس اور ہندوستان کے راجا کے درمیان سخت دشمنی تھی۔ بادشاہ طیغموس نے ایک بار اس پر چڑھائی کر کے اس کے ملک والوں کو قتل کیا تھا' اس کے خزانے چھین لیے تھے۔ ہندوستان کے اس راجا کا نام کفید تھا۔ اس کے پاس بہت سی فوجیں' بہت سامان جنگ اور بڑے بڑے سورما تھے۔ اس کی سلطنت میں ایک ہزار پہلوان تھے۔ ہر پہلوان کے ایک ہزار قبیلے میں چار ہزار سوار تھے۔ راجا کے چار وزیر تھے۔ اس کے زیر اقتدار بہت سے بادشاہ' رئیس' امیر اور بڑی بڑی فوجیں تھیں۔ اس کے راج میں ایک ہزار شہر تھے اور ہر شہر میں ایک ہزار گڑھیاں۔ الغرض وہ بہت بڑا اور طاقتور راجا تھا۔ اس کی فوجیں دنیا کے ہر حصے میں تھیں۔

جب ہندوستان کے بادشاہ راجا کفید کو معلوم ہوا کہ بادشاہ طیغموس اپنے بیٹے کے عشق کے سلسلے میں پھنسا ہوا ہے' حکومت اور ملک کے کاروبار چھوڑ رکھے ہیں' لشکر کم ہوتا جاتا ہے اور غم و مصیبت نے اس کی طاقتیں منتشر کر دی تو اس نے وزیروں' امیروں اور سرداروں کو جمع کیا اور ان سے کہا تمہیں معلوم ہے کہ بادشاہ طیغموس نے ہمارے ملک پر حملہ کر کے میرے باپ اور بھائیوں کو مار ڈالا تھا۔ ہماری دولت لوٹ لی تھی' تم میں سے کوئی ایسا نہیں جس کے کسی نہ کسی رشتے دار کو اس نے قتل نہ کیا ہو' اس کا مال نہ چھینا ہو' اس کی روزی نہ لوٹی ہو اور اس کے گھر والوں کو قید نہ کیا ہو۔ آج کل میں سنتا ہوں کہ اپنے بیٹے جان شاہ کے عشق کے سلسلے میں وہ پریشان ہے۔ اس کی فوجیں کم ہو گئی ہیں۔ بس یہی وقت بدلہ لینے کا ہے۔ لہٰذا اس پر دھاوا

بولنے کے لیے تیار ہو جاؤ اور لڑائی کا سامان ٹھیک کر لو۔ اس میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ موقع ہے کہ وہاں پہنچ کر فوراً اس پر ٹوٹ پڑیں' اسے اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سترہویں رات

جب پانچ سو سترہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ہندوستان کے راجا کفید نے کہا ہم بادشاہ طیغموس اور اس کے بیٹے کو قتل کر کے اس کے ملک پر قبضہ کر لیں۔ یہ سن کر وہ سب کھڑے ہو گئے اور ہر ایک اپنا سامان تیار کرنے لگے۔ پورے تین مہینے تک لشکر جمع اور سامان جنگ تیار ہوتا رہا۔ فوجوں' لشکروں اور سرماؤں کی تعداد پوری ہو چکی تو ڈھول اور نفیریاں بجنے لگیں' جھنڈے اور نشان گاڑے گئے۔ اس کے بعد راجا کفید نے کوچ بول دیا اور چلتے چلتے کابل کے ملک کے پاس پہنچ گیا جو بادشاہ طیغموس کا ملک تھا۔ وہاں پہنچتے ہی انہوں نے لوٹ مار شروع کر دی' رعایا کو تباہ کیا' بڑوں کو قتل اور چھوٹوں کو قید کیا۔ یہ خبر بادشاہ طیغموس تک پہنچی تو اسے طیش آ گیا' ملک کے سرداروں' وزیروں اور امیروں کو جمع کر کے اس نے کہا کفید ہمارے ملک میں آ گیا ہے اور ہم سے لڑنا چاہتا ہے۔ اس کے ساتھ اتنا لشکر' اتنے سورما اور اتنی فوجیں ہیں کہ خدا ہی جانے' تمہاری کیا رائے ہے؟ انہوں نے کہا جہاں پناہ' ہماری رائے یہ ہے کہ ہم نکل کر میدان میں اس سے لڑیں اور اسے اپنے ملک سے نکال باہر کریں۔ بادشاہ طیغموس نے کہا اچھا تو پھر لڑائی کی تیاری کرو۔ یہ کہہ کر اس نے زرہ بکتر' جوشن' خود' تلواریں اور تمام ایسے ہتھیار نکال کر انہیں دیئے جو بہادروں کو ہلاک کر دیں اور سورماؤں کو نیچا دکھائیں۔ چنانچہ لشکر' فوجیں اور سورما جمع ہوئے' لڑائی کی تیاری ہونے لگی اور جھنڈے گاڑے گئے' مجیرے' نفیریاں' ڈھول اور جھانجھ بجنے لگے اور بادشاہ طیغموس' راجا کفید کے مقابلے میں چل کھڑا ہوا' غنیم کے قریب پہنچ گیا تو ایک گھاٹی میں ڈیرے ڈال دیئے جس کا نام زہران تھا جو کابل کے ملک کے قریب تھی۔

اب بادشاہ طیغموس نے ایک خط لکھا اور اسے اپنے لشکر کے ایک ایلچی کے ہاتھ راج

کفید کے پاس بھیجا۔ اس کا مضمون یہ تھا: خدا اور رسول کی تعریف کے بعد ہم راجا کفید کو یہ جتانا چاہتے ہیں کہ تو نے لچے لفنگوں کی سی حرکت کی ہے۔ اگر تو بادشاہوں کے نطفے سے ہوتا تو ایسا نہ کرتا' میرے ملک میں گھس کر لوگوں کو مال نہ لوٹتا اور رعایا کو تباہ نہ کرتا۔ تجھے معلوم نہیں کہ یہ تیرا ظلم ہے۔ اگر میں جانتا کہ تو میرے ملک پر ظلم کرے گا تو میں تیرے آنے سے کہیں پہلے تیرے پہنچ چکا ہوتا اور تجھے اپنے ملک میں گھسنے بھی نہ دیتا۔ ابھی کچھ نہیں گیا اگر تو لوٹ جائے اور ہمارے ساتھ لڑائی پر آمادہ نہ ہو تو اچھا ہے ورنہ نکل کر میرے مقابلے میں میدان آ اور دل مضبوط کر کے لڑائی اور نیزہ بازی کر۔

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگائی اور اسے اپنے ایلچی کے حوالے کیا' اس کے ساتھ اس نے جاسوس بھی روانہ کئے تا کہ وہ جا کر خبر لائیں۔ ایلچی خط لے کر چل دیا۔ جب وہ راجا کفید کی لشکر گاہ کے قریب پہنچا تو اسے دور ریشم اور اطلس کے خیمے اور نیلے ریشم کے جھنڈے دکھائی دیے۔ اس نے دیکھا کہ ان خیموں کے بیچ میں ایک بہت بڑا سرخ ریشم کا خیمہ ہے اجس کے ارد گرد بڑا لشکر جمع ہے۔ وہ اس خیمے کے پاس گیا اور لوگوں سے اس کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے کہا یہ راجا کفید کا خیمہ ہے۔ جونہی ایلچی کی نظر خیمے پر پڑی تو اس نے دیکھا کہ راجا کفید ایک کرسی پر بیٹھا ہوا ہے جس میں ہیرے جڑے ہوئے ہیں' وزیر امیر اور سردار اس کے پاس کھڑے ہیں۔ یہ دیکھ کر ایلچی نے خط نکالا اور اسے اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ راجا کفید کے چند سپاہی اس کی طرف بڑھے اور خط لے کر راجا کو پہنچا دیا۔ راجا نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا پھر جواب لکھا جس کا مضمون یہ تھا: ”حمد و ثناء کے بعد ہم بادشاہ طیغموس پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں کہ ہم اس بات پر تلے ہوئے ہیں کہ بدلہ لیں' اپنی ذلت دور کریں' ملکوں کو تباہ کریں' پردوں کو پھاڑیں' بڑوں کو ماریں اور چھوٹوں کو گرفتار کریں۔ کل میں میدان میں آ کر لڑوں گا اور تجھے لڑائی اور نیزہ بازی کا مزہ چکھاؤں گا۔“

یہ خط لکھ کر اس نے اس پر مہر لگا دی اور بادشاہ طیغموس کو ایلچی کو دے دیا۔ وہ اس خط کو لے کر چل دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اٹھارہویں رات

جب پانچ سو اٹھارہویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ طیغموس کا ایلچی خط کا جواب لے کر واپس آیا۔ بادشاہ کے سامنے زمین چومی‘ اسے خط دیا‘ جو

کچھ دیکھا تھا بیان کیا اور کہا جہاں پناہ‘ میں نے اتنے سوار اور سورما سپاہی دیکھے ہیں جن کی گنتی نہیں اور جن کے پیچھے اور کمک برابر چلی آ رہی ہے۔ بادشاہ نے خط پڑھا اور اس کا مطلب سمجھا تو وہ طیش میں آ گیا۔ اس نے اپنے وزیر عین زار کو حکم دیا کہ سوار ہو جائے اور ایک ہزار سوار لے کر آدھی رات کے وقت راجا کفید کے لشکر پر چھاپا ماریں اور سوار اندر گھس کر انہیں قتل کر ڈالیں۔ وزیر عین زار حکم پاتے ہی لشکر لے کر راجا کفید کی طرف روانہ ہو گیا۔ راجا کفید کا ایک وزیر تھا جس کا نام غطرفان تھا‘ راجا نے اسے حکم دیا کہ اپنے ساتھ پانچ ہزار سوار لے کر بادشاہ طیغموس پر حملہ کر دے اور ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر ڈال۔ وزیر غطرفان‘ راجا کفید کے حکم کے مطابق سوار ہو گیا اور لشکر لے کر بادشاہ طیغموس کی طرف چلا۔ آدھی رات کا وقت تھا کہ آدھے راستے پر دونوں وزیروں کی مڈبھیڑ ہو گئی اور تمام رات کشت و خون ہوتا رہا۔ صبح ہوتے ہوتے راجا کفید کی فوج کے قدم اکھڑ گئے اور وزیر غطرفان بھاگ کھڑا ہوا۔

یہ بھاگا ہوا لشکر راجا کے پس پہنچا تو اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا‘ وہ ان سے کہنے لگا تف ہے تم پر! تمہیں کون سی ایسی مصیبت کا سامنا پڑا جو تم اپنے سورما کھو بیٹھے؟ انہوں نے کہا مہاراج‘ جب وزیر غطرفان سوار ہوا اور ہم بادشاہ طیغموس پر شب خون مارنے چلے تو آدھی رات تک آدھی راہ طے کی ہو گی کہ بادشاہ طیغموس کے وزیر عین زار سے ہمارا مقابلہ ہو گیا۔ وہ اپنے لشکر اور سورماؤں کے ساتھ ہم پر ٹوٹ پڑا۔

یہ واقعہ زہران گھاٹی کے پہلو میں ہوا۔ ہم یک بہ یک اس کے لشکر کے بیچ میں آ گئے اور دست بہ دست لڑائی ہونے لگی' ہم آدھی رات سے لے کر صبح تک خوب لڑے اور بہت لوگ مارے گئے۔ وزیر عین زار ہاتھیوں کے آگے للکارتا وار اس زور سے حملہ کرتا کہ ہاتھی چوٹ کھا کر مچل جاتے' الٹے' اپنے ہی لشکر کو روندنے لگتے۔ پھر وہ سواروں پر ٹوٹ پڑتا اور انہیں مار کر بھگا دیتا۔ گرد کی زیادتی کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتا اور لہو سمندر کی لہروں بہتا اگر ہم بھاگ نہ کھڑے ہوتے تو سب کے سب مارے جاتے۔ راجا کفید نے یہ باتیں سنیں تو کہنے لگا سورج دیوتا تمہیں بھی کبھی برکت نہ دے بلکہ تم سے سخت ناراض ہو!

ادھر جب وزیر عین زار نے جا کر بادشاہ طیغموس کی خبر سنائی تو اس نے اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دی' بہت خوش ہوا اور حکم دیا کہ مجیرے اور نفریاں بجائیں جائیں۔ لشکر کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ دو سو بہادر کام آئے ہیں۔

دوسری طرف راجا کفید اپنا لشکر اور فوجیں تیار کر کے میدان میں اترا اور آگے پیچھے پندرہ صفیں باندھیں جن میں دس دس ہزار سوار تھے۔ راجا کے ساتھ تین سو پہلوان تھے جو ہاتھیوں پر سوار تھے۔ جن میں ایک ایک منتخت سورما تھا۔ جھنڈے گاڑ دیئے ڈھول اور تاشے بجنے لگے اور بہادر لڑائی کے لیے نکلے۔ بادشاہ طیغموس نے بھی صف بندی کی۔ دس صفوں میں دس دس ہزار سورما کھڑا کیئے' اس کے ساتھ سو پہلوان تھے جو اس کے دائیں اور بائیں تھے۔ صف بندی ہو چکی تو ہر مشہور سوار نکل پڑا اور دونوں لشکر ایک دوسرے پل پڑے۔ لڑائی کا میدان گرم ہو گیا۔ ڈھول اور مجیرے' تاشے' شہنائیاں اور نفیریاں بجنے لگیں۔ گھوڑوں کی ہنہناہٹ سے کان بہرے ہو گئے۔ لڑنے والے نعرے مارنے لگے' گرد ان کے سروں پر چھا گئی اور صبح سے اندھیرا چھانے تک سخت لڑائی ہوتی رہی۔ اس کے بعد دونوں لشکر جدا ہو کر اپنی جگہ چل دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو انیسویں رات

جب پانچ سو انیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ لشکر جدا ہو کر اپنی اپنی جگہ چل دیے۔ راجا کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ پانچ ہزار سپاہی مارے گئے اور وہ غصے کے مارے دانت پیسنے لگا۔ ادھر جب بادشاہ طیغموس انے اپنے لشکر کی گنتی کی' اس کے خاص بہادروں میں سے تین ہزار سورما کام آ چکے تھے۔ اسے بھی بڑا طیش آیا۔ دوسرے دن راجا کفید دوبارہ میدان میں آیا اور دونوں طرف صف بندیاں ہونے لگیں۔ راجا اور بادشاہ دونوں یہ چاہتے تھے کہ میری جیت ہو۔

راجا کفید نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا۔ ہے کوئی تم میں سے جو میران میں نکل کر لڑائی اور نیزہ بازی کی ابتدا کرے۔ یہ سن کر ایک سورما برکیک نام نکلا جو ہاتھی پر سوار تھا اور جس کی بڑی دھاک تھی۔ آگے بڑھ کر ہاتھی سے اترا' راجا کفید کے آگے زمین چومی اور اس سے میدان میں نکلنے کی اجازت چاہی۔ راجا نے اجازت دے دی۔
وہ میدان میں آیا اور چلا کر کہا' ہے کوئی مرد مرنے مارنے والا' جو میرے مقابلے میں آئے۔ بادشاہ طیغموس نے یہ سنا تو اپنے لشکر کی طرف مخاطب ہو کر کہا اس بہادر کے مقابلے میں کون جائے گا؟ ایک سوار جو ایک بڑے اصیل گھوڑے پر سوار تھا' صفیں چیرتا ہوا نکلا' بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا' زمین چومی اور اس سے اجازت لے کر برکیک کی طرف بڑھا۔ دونوں کا آمنا سامنا ہوا تو برکیک نے کہا' تو کون ہے کہ اکیلا میرے مقابلے میں آ کر میرا مذاق اڑانا چاہتا ہے اور تیرا نام کیا ہے؟ اس نے جواب دیا میرا نام غضنفربن کمخیل ہے۔ برکیک نے کہا میں نے اپنے وطن میں تیرا نام سنا تھا: آ بہادروں کی صفوں کے بیچ میں اور اپنے جوہر دکھا۔
یہ سن کر غضنفر نے اپنی ران کے نیچے سے لوہے کا گرز نکالا۔ برکیک نے اپنے ہاتھ میں تلوار لے لی اور دونوں میں چوٹیں ہونے لگیں۔ برکیک نے اس پر تلوار کا ہاتھ مارا' تلوار

خود پڑی اور اچٹ گئی، لیکن اسے کچھ نقصان نہ پہنچا۔ اب پلٹ کر غضنفر نے گرز کا وار کیا، برکیک پر اس زور سے گرز پڑا کہ اس کا بدن ہاتھی سے چپک گیا۔ اتنے میں ایک اور شخص وہاں پہنچا اور کہنے لگا، تو کون ہے کہ تو نے میرے بھائی کو مار ڈالا؟ یہ کہتے ہی اس نے اپنے ہاتھ میں تیر لیا اور غضنفر پر ایسی طاقت سے چلایا کہ اس کی ران میں پوست ہو گیا۔ غضنفر نے تاؤ کھا کر تلوار کھینچ لی اور ایک ہی ہاتھ میں اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ تیر کھا کر خود بھی لہو میں تر بہ تر ہو گیا تھا۔ زمین پر اتر پڑا اور دوڑ کر بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچا۔ راجا کفید نے یہ دیکھا تو اس نے اپنے لشکر کو للکار کر کہا، کیا دیکھتے ہو دشمن سے گتھ جاؤ۔ بادشاہ طیغموس بھی اپنی فوجیں اور لشکر لے کر میدان میں آ گیا، جنگ مغلوبہ شروع ہو گئی، گھوڑے گھوڑوں پر ہنہنانے لگے، سوار سواروں کو للکارتے، تلواریں کھنچ گئیں۔ ہر بہادر سوار آگے بڑھا، جی دار ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے، ڈرپوک بھاگے اور تاشے اور بگل کی آوازوں، مرنے مارنے والوں کے شور و غل وار ہتھیاروں کی جھنکار کے سوا کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ بہت سے بہادر مارے گئے اور یہ لڑائی اس وقت تک بند نہ ہوئی جب تک کہ سورج آسمان کے گنبد میں چھپ نہ گیا۔ اب بادشاہ طیغموس اپنے لشکر کو لے کر خیمے میں گیا اور راجا کو کفید نے بھی ایسا ہی کیا۔ جائزہ لینے پر بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ اس کے پانچ ہزار سوار کام آئے اور چار جھنڈے ٹوٹے اور اس پر اسے سخت غصہ آیا۔ جب راجہ کفید نے اپنی فوج کا جائزہ لیا تو اسے معلوم ہوا کہ اس کے خاص بہادروں میں سے چھ ہزار سوار مارے گئے اور نو جھنڈے بے کار ہو گئے۔ تین دن تک یہ لڑائی ہوتی رہی، پھر راجا کفید نے ایک خط لکھ کر اسے اپنے لشکر کے ایلچی کے ہاتھ ایک راجہ کے پاس بھیجا جس کا نام فاقون الکلب تھا۔ کفید کی ماں کی طرف سے اس سے رشتے داری تھی۔ ایلچی وہ خط لے کر چلتا ہوا۔ راجا فاقون کے پاس ایلچی پہنچا تو وہ اپنا لشکر اکٹھا کر کے راجا کفید کی مدد کو روانہ ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو بیسویں رات

جب پانچ سو بیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- راجا فاقون اپنی فوج کو اکٹھا کر کے راجہ کفید کی مدد کر روانہ ہو گیا۔ بادشاہ طیغموس بیٹھا مزے اڑا رہا تھا کہ ایک خبردار نے آ کر اس سے کہا میں نے دور سے گرد ہوا میں اٹھتی دیکھی ہے۔ بادشاہ طیغموس نے چند لشکروں کو حکم دیا کہ اس گرد کا سبب دریافت کر کے آؤ۔ وہ ہوا کی طرح گئے اور بگولے کی طرح آ کر کہنے لگے۔ اے بادشاہ پہلے تو ہمیں گرد دکھائی دی پھر ہوا نے اسے اڑا دیا اور ہمیں اس کے نیچے سات جھنڈے دکھائی دیئے جن کے نیچے تین تین ہزار سوار تھے۔ جن کا رخ راجا کفید کی طرف تھا۔

ادھر کی سنو' راجا فاقون الکلب نے راجا کفید کے پاس پہنچ کر سلام کیا اور کہا کہ کیا خبر ہے اور تو کس لڑائی میں مشغول ہے؟ راجا کفید نے جواب دیا تجھے معلوم نہیں کہ بادشاہ طیغموس میرا دشمن ہے اور میرے بھائیوں اور باپ کا قاتل ہے! میں اس سے لڑنے اور بدلہ لینے آیا ہوں۔ راجا قافون نے کہا سورج دیوتا تجھے برکت دے! اس کے بعد راجا کفید' راجا فاقون الکلب لے کر ایک خیمے میں گیا اور بڑی خوشی منائی۔

یہ تو بادشاہ طیغموس اور راجا کفید کا قصہ ہوا۔ شہزادے جان شاہ کو بھی کچھ حال سنو۔ دو مہینے تک نہ تو اسے اپنے باپ کی شکل دکھائی دی۔ نہ اس نے کنیزوں کو اپنے پاس پھٹکنے دیا جو اس کی خدمت کے لیے تھیں۔ ایک دن وہ بہت بے چین ہوا تو اس نے اپنے نوکروں سے باپ کا حال پوچھا کہ وہ اس کے پاس کیوں نہیں آتا؟ نوکروں نے سارا ماجرا بیان کر دیا کہ اس طرح راجا کفید چڑھ آیا ہے اور لڑائیاں ہو رہی ہیں۔ جان شاہ نے کہا ہمارا گھوڑا لاؤ' میں انے باپ کے پاس جاؤں۔ گھوڑا حاضر کیا گیا تو وہ اپنے دل میں سوچنے لگا کہ میں خود اپنی مصیبت میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہتر یہ معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑے پر سوار ہو کر یہودیوں کہ شہر کو نکل جاؤں۔ وہاں پہنچوں

گا تو خدا مجھے آسانی سے اس تاجر سے ملا دے گا جس کی میں نے مزدوری کی تھی ممکن ہے وہ مجھ سے پہلے کی طرح کام لے۔ کون جان سکتا ہے کہ کس بات پر بھلائی ہے۔

یہ منصوبہ گانٹھ کر وہ سوار ہوا اور ایک ہزار سوار ساتھ لے کر چل کھڑا ہوا۔ لوگ کہنے لگے کہ جان شاہ اپنے باپ کے پاس گیا تا کہ اس کے ساتھ ہو کر لڑے۔ رات تک چلتے چلتے وہ ایک سبزہ زار میں جا پہنچے اور وہاں اتر کر سو گئے۔ وہ سو گئے اور جان شاہ کو یقین آ گیا کہ سارا لشکر واقعی نیند میں چور ہے وہ چپکے سے اٹھا کمر کس گھوڑے پر سوار ہو گیا اور بغداد کی طرف چل دیا کیونکہ اس نے یہودیوں سے سنا تھا کہ ہر دوسرے سال ان کے ہاں بغداد سے ایک قافلہ آتا ہے اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ جب میں بغداد پہنچوں گا تو قافلے کے ساتھ یہودیوں کے شہر کو روانہ ہو جاؤں گا۔ یہ اس کا پکا ارادہ تھا۔ لشکر والوں کی آنکھ کھلی اور انہوں نے دیکھا کہ نہ جان شاہ وہاں ہے نہ اس کا گھوڑا تو وہ سوار ہو کر بائیں دائیں اس کی تلاش کے لے چل کھڑے ہوئے۔ جب انہیں کوئی پتا نہ چلا تو انہوں نے اس کے باپ کے پاس جا کر خبر دی۔ باپ غصے میں آگ ہو گیا اور قریب تھا کہ اس کے منہ سے انگارے نکلنے لگیں۔ اس نے سر تاج اتار کر پھینک دیا اور لاحول ولا قوہ پڑھنے لگا اور کہا ادھر تو میرا بیٹا کھو گیا' ادھر دشمن سر پر سوار ہے۔ بادشاہوں اور وزیروں نے اس سے کہا جہاں پناہ صبر سے کام لیجیے۔ صبر کا نتیجہ بھلائی ہے۔ ادھر یہ ہو رہا تھا۔ ادھر جان شاہ اپنے باپ کے لیے اور اپنی محبوبہ کی جدائی میں غم زدہ تھا' اس کے دل میں دو زخم تھے اور آنکھیں فگار' نہ دن نیند آتی نہ رات کو چین۔ وہ اس مصیبت میں' یہاں یہ آفت کہ بادشاہوں طیغموس کا جب بہت سا لشکر ضائع ہو گیا تو وہ میدان سے منہ موڑ کر شہر پناہ کے اندر داخل ہوا' اس کے دروازے بند کر لئے اور فصیل کو مضبوط کیا۔ کفید ہر مہینے لڑنے کے لیے شہر کے پاس آتا' سات راتیں اور آٹھ دن لڑ کر اپنے لشکر کو خیموں میں واپس لے جاتا تا کہ زخیوں کا علاج کرے۔ دشمن لوٹ جاتا تو بادشاہ طیغموس کے شہر والے ہتھیاروں کو ٹھیک ٹھاک کرتے' شہر پناہ کو مضبوط بناتے اور منجنیق تیار کرتے۔

سات سال تک بادشاہ طیغموس اور راجا کفید اندر باہر سے مقابلہ کرتے رہے اور دونوں میں لڑائی جاری رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

ooo

- ## پانچ سو اکیسویں رات

پانچ سو اکیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ یہاں بادشاہ طیغموس اور راجا کفید جنگ و پیکار میں مصروف تھے۔ وہاں جان شاہ اپنے ساتھیوں کو سوتا چھوڑ کر جو چلا تو برابر جنگل بیاباں طے کرتا رہا' جب کسی شہر میں پہنچتا تو قلعے جو ہر تکنی کے متعلق پوچھتا لیکن کوئی اس کا پتہ نہ دے سکتا بلکہ ہر شخص یہی کہتا کہ ہم نے تو اس کا نام تک نہیں سنا۔

آخر کار اس نے یہودیوں کے شہر کو پوچھا۔ ایک سوداگر نے بتایا کہ وہ مشرق کی طرف ہے' اگر تجھے وہاں جانا ہو تو اسی مہینے ہمارے ساتھ مرزقان کے شہر کو چل جو ہندوستان کے ملک میں ہے۔ وہاں سے ہم خراساں چلیں گے' خراساں سے شمعون' شمعون سے خوارزم اور خوارزم سے یہودیوں کا شہر قریب ہے۔ محض ایک سال اور تین مہینے کی راہ۔ جان شاہ نے قافلے کی روانگی کا انتظار کیا اور اس کے ساتھ روانہ ہو کر مرزقان پہنچا۔ مرزقان میں اس نے لوگوں سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا' وہاں بھی کوئی نہ بتا سکا۔ پھر قافلہ آگے بڑھا اور ایک دوسرے شہر میں اترا' یہاں بھی اس نے قلعے جوہر تکنی کا پتا دریافت کرنا چاہا' سب نے کانوں پر ہاتھ رکھ کر یہی کہا کہ ہم نے آج سے پہلے یہ نام ہی نہیں سنا۔ راہ میں اسے بہت تکلیفیں اٹھانی پڑیں' خوفناک چیزوں کا سامنا ہوا اور بھوک پیاس میں مبتلا رہا۔ بہر حال قافلہ ہندوستاں سے روانہ ہوا' چلتے چلتے خراسان پہنچا اور خراسان سے شمعوں میں اترا۔ جان شاہ نے بستی میں جا کر یہودیوں کے شہر کا پتا پوچھا۔ لوگوں نے اس کا پتا بتایا اور راستے کے پھیر بھی سمجھا دیئے۔ اب وہ قافلے سے الگ ہو گیا اور اکیلا سفر کرنے لگا۔ کئی رات دن چلنے کے بعد وہ اس جگہ پہنچا جہاں بندروں سے پیچھا چھڑا کر بھاگا تھا۔ پھر آگے بڑھا اور منزلیں طے کرتے کرتے آخر اس دریا پر پہنچ گیا جس کے کنارے یہودیوں کا شہر آباد تھا اور دریا کے پاس بیٹھ

کر ہفتے کے دن کا انتظار کرنے لگا۔ ہفتے کا دن آیا اور دریا خشک ہوا تو اس نے یہودی کے گھر کا راستہ لیا جہاں وہ پہلی بار ٹھہرا تھا۔ یہودیوں وار اس کے گھر والوں نے اسے سلام کیا' اس کے آنے پر خوش ہوئے' اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لائے اور اس سے پوچھا کہ تو اتنے دن کہاں غائب رہا۔ اس نے کہا خدا کہ ملک میں۔

رات کو وہیں یہودی کو ہاں سویا۔ صبح ہوئی تو شہر کے سیر کرنے نکلا۔ اس نے دیکھا ایک شخص ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے کہ اے لوگو ہے کوئی جو ایک ہزار دینار اور ایک خوبصورت کنیز لے اور آدھے دن ہمارا کام کرے؟ جان شاہ نے کہا میں کام کروں گا۔

یہ سن کر ڈھونڈورا پیٹنے والا بولا میرے پیچھے پیچھے چل۔ وہ اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ یہاں تک کہ وہ اسی یہودی تاجر کے گھر پہنچا جہاں پہلی مرتبہ گیا تھا۔ ڈھنڈورا پیٹنے والے نے مکان کے مالک سے کہا کہ جو کام تو چاہتا ہے اسے یہ جوان کرنے کے لیے تیار ہے۔ تاجر نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے لے کر مکان کے اندر گیا۔ اس کے لیے کھانے پینے کی چیزیں لایا اور جان شاہ کھا پی چکا تو تاجر نے اسے ایک ہزار دینار اور ایک حسین کنیز پیش کی۔ جان شاہ رات بھر اس کے ساتھ سویا اور صبح ہوتے ہی دینا اور کنیز کو لے کر اس یہودی کے سپرد کر آیا جس کے گھر وہ پہلی رات سویا تھا اور لوٹ کر اس یہودی کے پاس پہنچا جس کی اس نے مزدوری کی تھی اس کے بعد دونوں سوار ہو کر ایک بہت اونچے پہاڑ کے پاس پہنچے۔ تاجر نے ایک رسی اور ایک چھری نکالی اور جان شاہ سے کہا اے گھوڑے کو زمین پر گرا دے۔ اس نے اسے زمین پر گرا کر اسے رسی سے باندھ دیا' ٹانگیں اور سر کاٹ ڈالا اور پیٹ پھاڑ دیا جیسا کہ تاجر نے حکم دیا تھا۔ اب تاجر بولا اس گھوڑے کے پیٹ کے اندر گھس جا اور میں تجھے اس کے اندر سی دوں جو کچھ تجھے اس کے اندر دکھائی دے' مجھ سے بیان کیجیو۔ بس یہی میرا کام ہے جس کی مزدوری تو نے لی ہے۔

جان شاہ گھوڑے کی پیٹ کے اندر گھس گیا اور تاجر اسے سی کر گھوڑے سے دور جا کر چھپ گیا۔ تھوڑی دیر میں ایک بڑا پرندہ اوپر سے اترا اور جھپٹ کر گھوڑے کو اٹھا

لیا اور اسے پنجوں میں دبائے پہاڑ کی چوٹی پر جا اترا اور گھوڑے کو کھانا چاہتا ہی تھا کہ جان شاہ کو آہٹ ہوئی اور وہ گھوڑے کا پیٹ چاک کر کے باہر نکل آیا۔ پرندہ تو ڈر کر اڑ گیا۔ جان شاہ نے دیکھا کہ تاجر چڑیا کی طرح پہاڑ کے نیچے کھڑا ہے۔ اس سے پوچھا اے تاجر تو کیا چاہتا ہے؟ تاجر نے جواب دیا کہ جو پتھر تیرے آس پاس پڑے ہیں ان میں سے کچھ اٹھا کر میری طرف پھینک دے اور میں تجھے وہ راستہ بتا دوں گا جس سے تو نیچے اتر آئے۔ جان شاہ نے کہا تو وہی ہے جس نے پانچ سال ہوئے میرے ساتھ یہ حرکت کی تھی' کیوں یاد ہے اور میں بھوک پیاس کی تکلیف میں گرفتار ہو گیا تھا۔ اب تو مجھ کو پھر اسی جگہ لایا ہے اور چاہتا ہے کہ مجھے مار ڈالے خدا کی قسم! میں کچھ بھی تیری طرف نہ پھینکوں گا۔ یہ کہہ کر جان شاہ نے وہ راہ لی جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بائیسویں رات

جب پانچ سو بائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جان شاہ اس راستے پر چل دیا جو پرندوں کے بادشاہ شیخ نصر کی طرف جاتا تھا۔ وہ رات دن چلتا اور روتا جاتا۔ غموں سے نڈھال بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا' پیاس لگتی تو چشمے سے پانی پی لیتا یہاں تک کہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے محل تک پہنچ گیا۔ دیکھا کہ شیخ نصر محل کے دروازے پر بیٹھا ہوا ہے' پاس جا کر اسے سلام کیا' ہاتھ چومے۔ شیخ نصر نے اسے مرحبا کہا' سلام کا جواب دیا اور کہا بیٹا تو پھر یہاں کیسے آیا؟ میں نے تو تجھے شمسہ کے ساتھ خوش خوش روانہ کر دیا تھا۔ جان شاہ رونے لگا اور سارا قصہ سنا کر کہا کہ جب وہ اڑنے لگی تو بولی کہ اگر تو مجھے چاہتا ہے تو میرے پاس قلعے جوہر تکنی میں آئیو۔ شیخ نصر کو یہ سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا خدا کی قسم میں اسے نہیں جانتا' حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم میں نے اپنی عمر میں اس کا نام بھی نہیں سنا۔ جان شاہ نے کہا اب میں کیا کروں؟ میں تو عشق و محبت سے مرا جاتا ہوں۔
شیخ نصر بولا اچھا ٹھہر' جب چڑیاں آئیں گی تو میں ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھوں گا۔ ان میں سے ایک نہ ایک ضرور اس کا پتہ معلوم ہو گا۔ جان شاہ کو اطمینان ہوا۔ وہ محل کے اندر جا کر اس کوٹھری میں پہنچا جہاں وہ تالاب تھا جس میں اس نے تینوں لڑکیوں کو دیکھا تھا اور شیخ نصر کا مدت تک مہمان رہا۔ ایک دن وہ بیٹھا ہوا تھا کہ شیخ نصر نے اس سے کہا بیٹا چڑیوں کے آنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ یہ خبر سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا۔ چند ہی روز گزرے تھے کہ چڑیاں آ گئیں اور شیخ نصر شاہ کے پاس آ کر بولا' بیٹا ان ناموں کو یاد کر کے چڑیوں کے پاس آئیو۔
چڑیاں آ پہنچیں اور ایک ایک جنس نے شیخ نصر کو باری باری سے سلام کیا۔ اس نے

چڑیوں سے قلعے جوہر تکنی کے متعلق پوچھا۔ سب نے یک زبان ہو کر کہا ہم نے کبھی اس قلعے کا نام نہیں سنا۔ یہ سن کر جان شاہ رونے لگا اور مارے غم کے غش کھا کر گر پڑا۔ شیخ نصر نے ایک بڑی چڑیا کو بلا کر کہا کہ اس جوان کو کابل کے ملک میں پہنچا دے۔ اس کی یہ پہچان ہے اور فلاں راستہ۔ چڑیا نے جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لیا اور شیخ نے جان شاہ سے کہا اپنی حفاظت کیجیو' جھکیو نہیں' نہیں تو ہوا تجھے کاٹ ڈالے گی اور اپنے کان بند رکھیو ورنہ آسمانوں کی رفتار اور سمندروں کی گونج سے تجھے تکلیف پہنچے گی۔ جان شاہ نے شیخ نصر کی ہدایت پر کاربند ہونے کا اقرار کیا۔ چڑیا اسے لے کر ہوا میں اڑ گئی۔ ایک دن اور ایک رات اڑنے کے بعد وہ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کے پاس اتری جس کا نام شاہ بدری تھا۔ چڑیا نے جان شاہ سے کہا جس ملک کا پتہ شیخ نصر نے بتایا تھا ہم اس سے دور جا پڑے ہیں۔ اور وہ چاہتی تھی کہ جان شاہ کو لے کر دوبارہ اڑے مگر جان شاہ نے اس سے کہا تو اپنی راہ لے اور مجھے اسی جگہ رہنے دے میں یا تو مر مٹوں گا یا قلعے جوہر تکنی تک پہنچ جاؤں گا۔ میں اپنے وطن تو خالی ہاتھ جاتا نہیں۔ چڑیا نے اسے جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری کے پاس چھوڑ کر چلتی بنی۔ شاہ بدری نے اسے سے کہا بیٹا تو کون ہے اور اس بڑی چڑیا کے ساتھ کہاں سے آیا ہے؟ اس نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ کو اس کی کہانی سن کر بڑا اچنبھا ہوا اور کہنے لگا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی قسم' میں اس قلعے کو نہیں جانتا اور جو کوئی مجھے اس کا پتہ بتا دے گا میں اس کی بڑی عزت کروں گا اور تجھے وہاں پہنچوا دوں گا۔ جان شاہ بلک بلک کر رونے لگا اور کچھ دن صبر کیا۔ اس کے بعد ایک روز اس کے پاس جنگلی جانوروں کا بادشاہ شاہ بدری آیا اور کہنے لگا۔ بیٹا اٹھ اور یہ تختیاں لے جو کچھ ان میں لکھا ہوا ہے اسے بزبان یار کر لے۔ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں گا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تئیس ویں رات

جب پانچ سو تئیس ویں رات ہوئی تو اس نے وہ نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ! جنگلی جانوروں کے بادشاہ شاہ بدری نے جان شاہ سے کہا کہ جب جنگلی جانور آئیں گے تو میں ان سے اس قلعے کا پتہ پوچھوں گا۔ ابھی ایک پہر بھی نہ گزرا ہو گا کہ جنس جنس کے جنگلی جانور آنے لگے۔ انہوں نے شاہ بدری کو سلام کرنا شروع کیا۔ اس نے ان سے قلعے جوہر تکنی کا پتہ پوچھا مگر سب نے یک زبان ہو کر کہا ہمیں اس کا پتہ معلوم ہے نہ ہم نے کبھی اس کا نام سنا ہے۔ جان شاہ رونے لگا' اسے افسوس ہوا کہ اس پرندے کے ساتھ کیوں نہ چلا گیا جو اسے شیخ نصر کے پاس سے لایا تھا۔ جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اس سے کہا بیٹا غم نہ کر' میرا ایک بڑا بھائی ہے جس کا نام بادشاہ شماخ ہے جو حضرت سلیمان کے پاس قید میں تھا اس نے ان کی نافرمانی کی تھی۔ جنوں میں سے اس سے اور شیخ نصر سے بڑا کوئی نہیں ہے۔ ممکن ہے وہ اس قلعے کو جانتا ہو' اس کی حکومت ان اطراف کے جنوں پر ہے۔ یہ کہہ کر جنگلی جانوروں کے بادشاہ نے اسے ایک جنگلی جانور کی پیٹھ پر سوار کر دیا اور اپنے بھائی کے نام ایک خط دے دیا کہ وہ اس کی مدد کرے۔ یہ جانور فوراً چل کھڑا ہوا اور دن رات چل کر جان شاہ کو بادشاہ شماخ کی سرحد پر لے جا کر اتار دیا۔ جان شاہ پاپیادہ بادشاہ شماخ کے پاس پہنچا اس کے ہاتھ چومے اور وہ خط دیا۔ بادشاہ نے خط پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور اس کی آؤ بھگت کرنے کے بعد کہا بیٹا خدا کی قسم اس قلعے کے متعلق نہ میں نے سنا ہے اور نہ اسے دیکھا ہے۔ جان شاہ مارے افسوس کے رونے لگا۔ شاہ شماخ نے کہا' اچھا اپنی کہانی تو سنا کہ تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ جان شاہ نے اپنی ساری داستان شروع سے لے کر آخر تک سنا دی۔

شاخ حیرت میں پڑ گیا اور کہنے لگا بیٹا میرے خیال میں حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابھی اپنی زندگی میں نہ اس کے متعلق سنا ہو گا اور نہ اسے دیکھا ہو گا لیکن بیٹا میں

اس پہاڑ میں ایک راہب کو جانتا ہوں جس کی عمر بہت زیادہ ہے' اس کے سحر اور جادو سے تمام چرندے' جانور اور جن اس کی اطاعت کرتے ہیں' وہ اپنے منتر کے زور سے جنوں کے بادشاہوں کو بھی زبردستی اپنا فرمانبردار بنا لیتا ہے' تمام پرندے اور جانور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ جب میں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی تو اسی نے مجھے گرفتار کیا تھا۔ سوا اس کے اور کوئی مجھ پر غالب نہ آ سکا' اس کے جادو' ٹونے بے حد سخت تھے اور تجھے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ وہ دنیا کہ ہر ملک میں پھرا ہے اور تمام راستے' کل مقامات' خشکی اور تری' سارے قلعے وار شہروں کو جانتا ہے' میرے خیال میں کوئی جگہ اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ میں تجھے اس کے پاس بھیجتا ہوں ممکن ہے کہ وہ تجھے اس قلعے کا پتا بتا سکے۔ اگر وہ بھی نہ بتا سکا تو پھر کوئی نہیں بتا سکتا کیونکہ پرندے' درندے اور پہاڑ سب اس کا حکم مانتے اور اس کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ اپنے جادو کے زور سے اس نے ایک سوٹا بنایا ہے جس کے تین ٹکڑے ہیں۔ جب وہ اسے زمین میں گاڑ دیتا ہے اور پہلے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے گوشت نکلتا ہے اور خون۔ دوسرے ٹکڑے پر جادو پڑھتا ہے تو اس میں سے تازہ دودھ نکلنے لگتا ہے۔ تیسرے ٹکڑے پر جادو پڑھنے سے گیہوں اور جو نکلنے لگتے ہیں۔ اس کے بعد وہ زمین میں سے سوٹا نکال کر اپنے دیر میں چلا جاتا ہے۔ اس کے دیر کا نام دیر المارس ہے۔ اس راہب کاہن کے ہاتھ سے اور بڑی بڑی عجیب و غریب باتیں بھی سرزد ہوتی ہیں' وہ جادوگر کاہن' مکار' دھوکے باز اور خبیث ہے۔ اس کا نام نعیموس ہے اور اسے دنیا بھر کے سحر و طلسمات یاد ہیں۔ میں تجھے ایک پرندے کے ہمراہ اس کے پاس بھیجوں گا جس کے چار پر ہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چوبیسویں رات

جب پانچ سو چوبیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بادشاہ شماخ نے اسے ایک پرندے پر سوار کر دیا جس کے چار بازو تھے اور ہر بازو کی لمبائی ہاشمی گز سے تیس گز تھی' پاؤں ہاتھی کے پاؤں جیسے تھے' لیکن وہ سال میں دو بار سے زیادہ نہیں اڑتا تھا۔ بادشاہ شماخ کے قبضے میں ایک جن تھا جس کا نام طمشوں تھا۔ وہ اس پرندے کے لیے ہر روز عراق سے دو بختی اونٹ اڑا لاتا اور انہیں توڑ مروڑ کر اسے کھلاتا۔ جان شاہ اس پرندے پر سوار ہو گیا اور بادشاہ شماخ نے اسے حکم دیا کہ وہ جان شاہ کو راہب نعیموس کے پاس پہنچا آئے۔ پرندے نے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا لیا اور کئی دن اور رات چلنے کے بعد وہ جلیل القلع اور دیر الماس پہنچا۔ جان شاہ دیر کے قریب اتر پڑا۔ اس نے دیکھا کہ راہب نعیموس دیر کے اندر عبادت کر رہا ہے۔ جان شاہ اس کے قریب گیا' زمین چوم کر اس کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ جب راہب کی نظر اس پر پڑی تو اس نے کہا' مرحبا اے میرے بیٹے' پردیسی دور کے رہنے والے تو اس جگہ کیسے آیا ہے؟ جان شاہ رونے لگا اور اپنی ساری کہانی اول سے آخر تک کہہ سنائی۔ اس کے حال پر بڑا رحم آیا کہنے لگا بیٹا' خدا کی قسم میری اتنی عمر ہونے کو آئی' قلعے کا نام نہیں سنا' نہ کسی کو جانتا ہوں جس نے اس کے متعلق سنا یا اسے دیکھا ہو' اگرچہ میں نوح علیہ السلام کے زمانے میں موجود تھا اور اس وقت سے لے کر حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کے زمانے تک درندوں' چرندوں' پرندوں اور جنوں پر حکومت کی ہے۔ میرے خیال میں تو سلیمان علیہ السلام نے بھی اس قلعے کا نام نہ سنا ہو گا۔ مگر بیٹا' پرندوں چرندوں' درندوں اور جنوں کو آنے دے' میں ان سے پوچھوں گا ممکن ہے ان میں سے کسی کو اس کی خبر ہو یا خبر لا سکے اور خدا تیری مشکل آسان کر دے۔

جان شاہ مدت تک راہب تک پاس ٹھہرا ہے۔ اتنے میں وہ دن آ گیا کہ پرندے' چرندے'

درندے اور جن آ پہنچے۔ جان شاہ اور راہب ان سے جوہر تکنی کے متعلق پوچھنے لگے' کسی نے بھی یہ جواب نہیں دیا کہ میں نے اسے دیکھا یا اس کے بارے میں سنا ہے

بلکہ سب نے یہی کہا کہ نہ ہم نے اسے دیکھا اور نہ سنا ہے۔ جان شاہ رونے پیٹنے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ وہ اسی حالت میں تھا کہ ایک پرندہ آیا جو سب پرندوں کے پیچھے تھا۔ اس کا رنگ کالا اور ڈیل ڈول بہت بڑا تھا۔ جب وہ ہوا میں اترا تو اس نے آ کر راہب کے ہاتھ چومے۔ راہب نے اس سے بھی قلعے جوہر تکنی کے متعلق پوچھا۔ پرندے نے کہا اے راہب' ہم کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور کے ایک جنگل میں رہتے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب میں اور میرے بھائی بہن سے چھوٹے بچے تھے اور ہمارے ماں باپ ہر روز جا کر ہمارے لیے کھانا پینا لایا کرتے۔

ایک روز کا واقعہ ہے کہ آذوقہ کی تلاش میں گئے اور سات دن تک غائب رہے' ہم بھوک کے مارے بے چین تھے۔ آٹھویں دن وہ روتے ہوئے آئے۔ ہم نے ان کے غائب رہنے کا سبب پوچھا تو انھوں نے کہا' ایک دیو نے آ کر ہمیں پکڑ لیا اور قلعے جوہر تکنی لے جا کر بادشاہ شہلان کے پاس پیش کیا۔ بادشاہ شہلان نے ہمیں دیکھا اور وہ ہمیں مار ڈالنا چاہتا تھا کہ ہم نے اس سے کہا ہم چھوٹے چھوٹے بچوں کو چھوڑ کر آئے ہیں۔ یہ سن کر اسے ترس آ گیا اور اس نے ہمیں آزاد کر دیا۔ اگر ہمارے ماں باپ زندہ ہوتے تو وہ اس قلعے کا پتہ بتا سکتے۔ جان شاہ کی یہ آس بھی ٹوٹ گئی ہے۔ پہلے تو وہ خوب رویا پھر اس نے راہب سے کہا میں چاہتا ہوں کہ اس پرندے کو حکم دے کہ وہ مجھے اپنے ماں باپ کے گھونسلے تک پہنچا دے جو کوہ قاف کے پیچھے جبل البلور میں ہے۔ راہب نے پرندے سے کہا تو اس لڑکے کے ہر حکم کی تعمیل کر۔

پرندہ جان شاہ کو اپنی پیٹھ پر بٹھا کر اڑ گیا اور رات دن اڑتے اڑتے جبل البلور پہنچا۔ وہاں اتر کر کچھ دن ٹھہرا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ اسے اپنی پیٹھ پر سوار کر کے اڑا۔ دو دن تک اڑتا رہا۔ یہاں تک کہ اس سر زمین میں پہنچا جہاں گھونسلا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

جب پانچ سو پچیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- گھونسلے کے پاس اتر کر پرندے نے کہا جان شاہ یہ ہے وہ گھونسلا جس میں ہم رہتے تھے۔ یہ سن کر جان شاہ بہت رویا اور پرندے سے کہنے لگا میں چاہتا ہو کہ تو مجھے اس طرف لے چل جہاں تیرے ماں باپ جا کر کھانا پینا لاتے تھے۔ پرندے اسے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر پھر اڑا اور سات راتیں اور آٹھ دن اڑنے کے بعد ایک اونچے پہاڑ پر پہنچا اور اسے اپنی پیٹھ پر سے اتار کر بولا۔ اس جگہ کے آگے مجھے کسی سر زمین کی خبر نہیں۔ جان شاہ کو نیند آ گئی اور وہ پہاڑ کی چوٹی پر سو گیا۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دور سے روشنی سی دکھائی دی جس کے چاروں طرف اجالا پھیلا ہوا تھا۔ وہ اس روشنی کو دیکھ کر اچنبھے میں پڑ گیا' اسے یہ گمان نہ تھا کہ یہ چمک دمک اس قلعے کی ہے جسے وہ ڈھونڈ رہا ہے۔ اس کا فاصلہ دو مہینے کی راہ تھا اور وہ سرخ یاقوت کا بنا ہوا تھا' مکانات سونے کے اور قلعے کے ایک ہزار برج تھے۔ ان معدنیات سے بنے ہوئے جو بحر ظلمات سے نکلتی ہیں اس کی تعمیر میں وہ نفیس جواہرات اور معدنیات لگی ہوی تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام قلعہ جوہر تکنی تھی۔ بڑا عظیم الشان قلعہ تھا اس کے بادشاہ کا نام شہلان تھا اور وہ تینیوں لڑکیوں کا باپ تھا۔

یہ تو جان شاہ کی داستان ہوئی' اب شمسہ کی کہانی سنئے' جب وہ جان شاہ کی پاس سے بھاگ کر انے ماں باپ اور گھر والوں کے پاس پہنچی تو اس نے وہ سارا ماجرا کہہ سنایا جو اسے جان شاہ کے ساتھ پیش آیا تھا اور جان شاہ کی ساری کہانی بھی یان کی کہ وہ دنیا بھر میں گھوما ہے اور اس نے عجیب و غریب باتیں دیکھیں ہیں۔ اس نے ان سے یہ بھبی کہا وہ اسے چاہتا ہے اور میں بھی اسے چاہتی ہوں اور یہ کہ ان کے درمیاں کیا ماجرا پیش آیا۔ جب اس کی ماں باپ نے اس کی باتیں سنیں تو انہوں نے کہا اس

کے ساتھ یہ تیرا برتاؤں خدا کو پسند نہیں۔ اس کے بعد اس کے باپ نے یہ سارا قصہ اپنے خادم دیوؤں سے بیان کیا اور کہا کہ تم میں سے کوئی کسی انسان کو دیکھے اسے میرے پاس لے آئے۔ شمسہ نے اپنی ماں سے بھی کہہ دیا تھا کہ جان شاہ مجھ پر مرتا ہے اور وہ ضرور یہاں آئے گا۔ اس لیے کہ وہاں سے اڑتے وقت میں نے اس سے کہا تھا کہ اگر تجھے میری محبت ہے تو میرے پاس قلعے جوہر تکنی تک آ۔

غرض کہ جان شاہ کو یہ چمک دمک دکھائی دی تو وہ اس کی طرف چل کھڑا ہوا کہ دیکھے وہ کیا ہے؟ اتفاق سے اس وقت شمسہ نے اپنے ایک خادم دیو کو کسی کام کے لیے جبل قرموس بھیجا تھا۔ یہ دیو جا ہی رہا تھا کہ اسے دور سے ایک انسان دکھائی دیا۔ اسے دیکھ کر وہ اس کے پاس آیا اور سلام کیا۔ جان شاہ دیو کو دیکھ کر سہم گیا اور ڈرتے ڈرتے سلام کا جواب دیا۔ دیو نے پوچھا تیرا نام کیا ہے؟ اس نے کہا میرا نام جان شاہ ہے اور میں ایک پری پر عاشق ہوں جس کا نام شمسہ ہے' میں اس کے حسن و جمال پر گرویدہ ہوں اور اس کے لیے میری جان جاتی ہے۔ میں اسے اپنے باپ کے محل میں لے گیا تھا مگر وہ بھاگ گئی۔ مختصر یہ کہ اس نے دیو سے ساری سرگزشت بیان کر دی جو پری کے ساتھ پیش آئی تھی۔ جان شاہ دیو سے بیان کرتا جاتا اور روتا جاتا۔

جان شاہ کو روتا دیکھ کر دیو کا دل پھٹنے لگا اور اس سے کہا رو نہیں' تیری مراد پوری ہونے کے دن آ گئے ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ وہ بھی تجھے بہت چاہتی ہے۔ اس نے اپنے ماں باپ سے تیری محبت کا ذکر کر دیا ہے اور سب قلعے والے بھی تجھے چاہنے لگے ہیں' خوش ہو جا۔ پھر دیو نے اسے اپنے دونوں کندھوں پر بٹھا کر قلعہ جوہر تکنی تک پہنچا دیا۔ مخبروں نے جا کر بادشاہ شہلان' شمسہ اور اس کی ماں کو خبر دی کہ جان شاہ آ گیا ہے۔ مخبر ان کے پاس پہنچے تو وہ بہت خوش ہوئے۔ بادشاہ شہلان نے تمام دیوؤں کو حکم دیا کہ جا کر جان شاہ سے ملیں اور خود تمام جنوں' عفریتوں اور دیوؤں کے ساتھ جان شاہ سے ملنے روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو چھبیس ویں رات

جب پانچ سو چھبیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- شہلان تمام جنوں' عفریتوں اور دیوؤں کے لے کر جان شاہ سے ملنے چلا اور جان شاہ کے پاس پہنچ کر اسے گلے سے لگا لیا۔ جان شاہ نے بادشاہ شہلان کے ہاتھ چومے اور رنگ برنگ کے ریشم کے ایک نہایت نفیس پوشاک عطا کی جس پر سونے کا کشیدہ کڑھا ہوا تھا اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے۔ پھر اس نے اسے ایک تاج پہنایا جو کسی انسانی بادشاہ کی نظر سے بھی نہ گزرا ہو گا۔ اس کے بعد جنوں کے بادشاہوں کے اصطبل میں ے ایک گھوڑا منگوا کر اسے سوار کیا' خود سوار ہوا' دیوؤں کا لشکر دائیں بائیں تھا۔ بڑے جلوس کے ساتھ دونوں محل کے دروازے پر پہنچے۔ جان شاہ جہاں اترا تو اس نے دیکھا کہ وہ بڑا عالی شاہ محل ہے۔ اس کی دیواریں ہیرے' جواہرات' یاقوت اور نفیس معدنیات کی ہیں۔ فرش پر بلور' زبر جد زمرد جڑا ہے۔ وہ یہ چیزیں دیکھ دیکھ کر کبھی حیران ہوا اور کبھی روتا۔

بادشاہ اور شمسہ کی ماں اس کے آنسو پونچھتے اور کہتے' رو نہیں' اب غم کے آنسوؤں کا کیا کام' یقین کر کہ تیری مراد بر آئی۔ محل کے بیچ میں پہنچا تو اسے خوبصورت کنیزیں' غلام اور نوکر ملے۔ انہوں نے اسے بہترین جگہ بٹھایا اور اس کی خدمت کے لیے کھڑے ہو گئے۔ جان شاہ اس مقام کی خوبصورتی اور عمارات کی شان پر حیران تھا جو نفیس ہیرے جواہرات اور طرح طرح کے معدنیات سے بنی ہوئی تھیں۔

پھر بادشاہ شہلان اپنے دربار میں جا کر بیٹھا' کنیزوں اور غلاموں کو حکم دیا کہ وہ جا کر جان شاہ کو لائیں۔ وہ بادشاہ کے پاس آیا تو بادشاہ اٹھ کھڑا ہوا' اسے تخت پر اپنے پہلو میں جگہ دی۔ دستر خوان بچھایا گیا اور انہوں نے کھایا پیا اور ہاتھ دھوئے۔ اس کے

بعد شمسہ کی ماں نے آ کر اسے سلام کیا اور کہا کہ تکلیفوں کے بعد اب تیری مراد پوری ہوئی اور جاگنے کے بعد تجھے نیند آئی۔ شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر!

اب وہ اٹھ کر اپنی بیٹی شمسہ کے پاس گئی اور اسے جان شاہ کے پاس لے آئی۔ جب شمسہ اس کے پاس آئی تو اس نے اسے سلام کیا' ہاتھ چومے اور اپنے ماں باپ سے شرما کر اپنا سر جھکا لیا۔ بعد ازاں اس کی بہنیں آئیں جو اس کے ساتھ محل میں تھیں۔ انہوں نے بھی جان شاہ کے ہاتھ چومے اور سلام کیا۔ شمسہ کی ماں نے کہا بیٹا خوش آمدید! میری بیٹی شمسہ تیری بڑی قصور وار ہے' مگر ہماری خاطر اسے کچھ نہ کہیو۔ یہ سن کر جان شاہ نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑا۔ بادشاہ کو بڑا تعجب ہوا۔ لوگوں نے اسے کے چہرے پر گلاب چھڑکا جس میں مشک اور عطر ملا ہوا تھا۔ جب اسے ہوش آیا اور اس کی نظر شمسہ پر پڑی تو اس نے کہا شکر ہے خدا کا جس نے میری مراد پوری کی اور میری آگ بجھا دی' اب میرے دل میں بالکل سوزش نہیں۔ شمسہ نے کہا' خدا تجھے آگ سے محفوظ رکھے! لیکن اے جان شاہ میں چاہتی ہوں کہ تو مجھ سے ساری داستان کہہ جو میری جدائی کے بعد تجھ پر گزری ہے اور یہ بتا کہ تو اس جگہ کیوں کر پہنچا حالانکہ اکثر جنوں کو بھی قلعے جوہر تکنی کی خبر نہیں۔ ہم تمام بادشاہ سے فرنٹ ہیں' کسی کو یہاں کا راستہ معلوم نہیں بلکہ اس کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔

جان شاہ نے اپنے پہنچنے کا سارا ماجرا کہہ سنایا اور وہ واقعات بھی سنائے جو اس کے باپ کو راجا کفید کے ساتھ پیش آئے تھے۔ اس کے علاوہ اس نے راہ کی ساری مصیبتوں' خوفناک چیزوں اور عجائبات کا بھی ذکر کیا اور کہا اے شمسہ یہ سب پاپڑ بیلنے پڑے تیرے طفیل پڑیں۔ اس کی ماں نے کہا کہ اب تیری مراد بر آئی اور ہم شمسہ کو تجھے بطور ہدیہ کے دیتے ہیں۔ یہ سن کر جان شاہ بہت خوش ہوا ۔ پھر ماں نے کہا اگر خدا کو منظور ہے تو ہم اگلے مہینے میں جشن کریں گے اور تیری شادی اس سے کر دیں گے اور تو اسے لے کر وطن چلا جائے گا۔ ایک ہزار دیو ہم تجھے دیں گے' تو ان میں سے کمزور سے کمزور کو بھی حکم دے گا تو وہ فوراً راجہ کفید اور اس کی فوج کو قتل کر آئے

گا اور ہر سال ہم تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے۔ ان میں سے ایک تیرے تمام دشمنوں کو ہلاک کر سکتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- # پانچ سو ستائیسویں رات

جب پانچ سو ستائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ شمسہ کی ماں نے کہا ہم ہر سال تیرے پاس ایسے دیو بھیجا کریں گے کہ اگر تو ان میں سے کسی ایک کو بھی حکم دے گا تو وہ تیرے تمام دشمنوں کو ایک ایک کر کے ہلاک کر دے گا۔ یہ باتیں ہو چکیں تو بادشاہ شہلان تخت پر بیٹھا اور حکومت کے بڑے آدمیوں کو حکم دیا کہ ایک بڑا جشن کریں اور سات دن رات شہر سجا رہے۔ انہوں نے فوراً جا کر جشن کی تیاری شروع کر دی اور دو مہینے تک تیاری کرتے رہے۔ اس کے بعد انہوں نے شمسہ کی شادی رچائی۔ ایسی خوشیاں منائیں جس کی نظیر نہیں۔ وہ شمسہ کے ساتھ دو سال تک بڑے عیش و عشرت سے رہا اور کھانے پینے اور مزے اڑانے میں بسر کی۔ ساری مرادیں بر آگئیں تو اس نے شمسہ سے کہا تیرے باپ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ ہمیں وطن بھیج دے گا اور ہم ایک سال وہاں گزاریں گے اور ایک سال یہاں۔ شمسہ نے سر جھکا لیا اور جب شام ہوئی تو وہ اپنے باپ کے پاس گئی۔ جو کچھ جان شاہ نے اس سے کہا تھا باپ سے بیان کیا۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مگر اگلے مہینے کے شروع تک ٹھہر جا ہم دیوؤں کو تم دونوں کو کے لیے تیار کر دیں۔ شمسہ نے اپنے باپ کا ارادہ جان شاہ سے بیان کیا اور وہ اس مدت تک ٹھہرا رہا جو بادشاہ نے مقرر کی تھی۔ اس کے بعد بادشاہ شہلان نے دیوؤں سے کہا کہ شمسہ اور جان شاہ کی خدمت کرو اور انہیں جان شاہ کے وطن میں پہنچا آؤ۔ بادشاہ نے ان کے لیے سرخ سونے کا ایک بڑا تخت تیار کرایا جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ جس کے اوپر سبز ریشم کا شامیانہ تھا جس میں رنگ برنگ کے بیل بوٹے اور عمدہ عمدہ ہیرے جواہرت ٹنکے ہوئے تھے۔ آنکھیں اسے دیکھ کر چندھیا جاتی تھیں۔

جان شاہ اور شمسہ تخت کے اوپر بیٹھے۔ تخت اٹھانے کے لیے چار دیو چنے اور چاروں نے

ایک ایک طرف سے اس تخت کو اٹھایا جس پر جان شاہ اور شمسہ سوار تھے۔ اب شمسہ اپنے باپ' بہنوں اور گھر والوں سے رخصت ہوئی۔ اس کا باپ سوار ہو کر جان شاہ کے ساتھ ہو لیا اور دیو تخت کو لے کر چل دیئے۔ بادشاہ شہلان دوپہر تک برابر ان کے ساتھ چلا گیا' دوپہر ہو گئی تو دیوؤں نے ایک جگہ تخت اتارا۔ سب ایک دوسرے سے رخصت ہونے لگے۔ شہلان نے جان شاہ سے کہا میں شمسہ کو تیری حفاظت میں دیتا ہوں اور دونوں کو دیوؤں کے سپرد کر کے ان سے کہا تخت اٹھاؤ۔ شمسہ کے باپ نے اسے تین سو خوبصورت کنیزیں دیں تھیں اور جان شاہ کو جنوں میں سے تین سو غلام۔ سب اس تخت پر بیٹھ گئے اور دیو اسے اڑا کر زمین اور آسمان کے درمیان روانہ ہو گئے۔ روزانہ تیس مہینے کی راہ طے کرتے ہوئے دس دن تک اڑتے رہے۔ ایک دیو کابل کے ملک کو جانتا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ وہ ملک آ گیا ہے تو اس نے حکم دیا اس ملک کے بڑے شہر میں اترو' یہ شہر بادشاہ طیغموس کا دارالسلطنت تھا اور وہ وہاں اتر پڑے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو اٹھائیسویں رات

جب پانچ سو اٹھائیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ دیو جان شاہ اور شمسہ کو لے کر بادشاہ طیغموس کے دارالسلطنت میں اتر پڑے۔
یہ وہ وقت تھا کہ بادشاہ طیغموس نے دشمن سے بھاگ کر شہر کے اندر پناہ لی تھی اور راجا کو کفید نے اسے چاروں طرف سے گھیر کر سخت محاصرے میں لے رکھا تھا۔
وہ راجا کفید سے امان نانگتا تھا مگر وہ امان نہ دیتا تھا۔ جب بادشاہ طیغموس کو معلوم ہوا کہ چھٹکارے کی کوئی تدبیر نہیں تو اس نے خودکشی کی ٹھان لی تاکہ مر کر وہ اس رنج و غم سے چھٹکارا پائے اور وزیروں' امیروں کو خدا حافظ کہہ کر گھر والوں سے رخصت ہونے حرم سرا میں گیا۔ رعایا رونے پیٹنے لگی اور سوگ میں پڑ گئی۔
وہ اسی حالت میں تھا کہ دیو اس محل پر پہنچ گئے جو قلعے کے اندر تھا اور جان شاہ نے انہیں حکم دیا کہ تخت کو بیچ دربار میں اتار دیں۔ انھوں نے حکم کی تعمیل کی۔ جب شمسہ' کنیزیں اور غلام تخت سے اترے تو انہوں نے دیکھا کہ شہر والے محاصرے میں ہیں اور ان پر بڑی مصیبت اور بلا نازل ہو رہی ہے۔ جان شاہ نے شمسہ سے کہا اے میرے دل کی پیاری اور آنکھ کی ٹھنڈک' دیکھ میرا باپ کسی مصیبت میں گرفتار ہے۔ شمسہ نے اس کے باپ اور ملک کی یہ حالت دیکھی تو اس نے دیوؤں کو حکم دیا کہ اس لشکر کو ماریں اور قتل کریں جو شہر کو گھیرے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑیں۔ جان شاہ نے ایک نہایت طاقتور دیو کو جس کا نام لے کر ادھر روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر تخت پر شامیانہ لگایا اور آدھی رات تک انتظار کرنے کے بعد راجا کفید اور اس کے لشکر پر ٹوٹ پڑے۔ انہیں قتل کرنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ایک ایک دیو آٹھ آٹھ دس دس کو ہاتھیوں پر سے لے کر ہوا میں اڑ جاتا اور اس طرح پھینکتا کہ ہوا ہی میں ان کے پرزے پرزے ہو جاتے۔ بعض دیو انہیں

لوہے کے گرزوں سے چکنا چور کر دیتے۔ اتنے میں قراطش دیو' راجا کفید کے خیمے کی طرف گیا' وہ تخت پر بیٹھا ہوا تھا کہ دیو اس کی طرف دوڑا اور اسے اٹھا کر ہوا میں اڑا گیا۔ راجا کو دیو کے ڈر سے چلانے لگا اور چلاتے چلاتے بے ہوش ہو گیا۔ دیو نے اسے لا کر جان شاہ کے آگے تخت پر ڈال دیا۔ جان شاہ نے حکم دیا کہ چاروں دیو تخت کو ہوا میں اڑائے لے چلیں۔ راجا کفید کی جو آنکھ کھلی تو اس نے اپنے آپ کو زمین اور آسمان کے درمیان پایا' وہ خوف سے کانپنے اور اپنا منہ پیٹنے لگا۔

یہ تو راجا کفید کی کہانی ہوئی اب بادشاہ طیغموس کا حال سنو۔ جب اس نے اپنے بیٹے کو دیکھا تو قریب تھا کہ خوشی کے مارے مر جائے۔ اس نے ایک چیخ ماری اور غش کھا کر زمین پر گر پڑا۔ لوگوں نے اس پر گلاب چھڑکا' ہوش آیا تو وہ اس کا بیٹا ایک دوسرے کے گلے لپٹ گئے اور خوب روئے۔ بادشاہ طیغموس کو یہ خبر نہ تھی کہ دیو راجا کفید سے لڑ رہے ہیں۔ اس اثنا میں شمسہ اٹھی اور جان شاہ کے باپ بادشاہ طیغموس کے پاس پہنچی اور اس کے ہاتھ چوم کر کہا کہ محل کے اوپر چل کر میرے باپ کے دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھے۔ بادشاہ محل کی چھت پر گیا۔ وہ اور شمسہ بیٹھ کر دیوؤں کی لڑائی کا تماشا دیکھنے لگے کہ وہ لشکر کو دائیں بائیں مار رہے ہیں۔ کوئی لوہے کا گرز لے کر ہاتھی پر اس زور سے مارتا ہے کہ ہاتھی اور سوار کچل کر رہ جاتے ہیں ہاتھی اور انسان میں کوئی پہچان باقی نہیں رہتی۔ بعض بھاگتی ہوئی ٹولی کے پاس جا کر اس زور سے چیختا ہے کہ وہ مر کر گر جاتے ہیں بعض ان میں سے کم وہ بیش بیس سواروں کو لے کر ہوا میں اڑ جاتا ہے اور پھر زمین پر اس زور سے پٹکتا ہے کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ ہو رہا تھا اور جان شاہ اس کا باپ اور شمسہ انہیں دیکھ رہے اور لڑائی کا لطف اٹھا رہے تھے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ انتیسو　　یں رات

پانچ سو انتیسو　　یں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ طیغموس'

اس کا بیٹا جان شاہ اور جان شاہ کی بیوی شمسہ محل کی چھت سے اس لڑائی کی سیر کر رہے تھے جو دیوؤں اور راجا کو کفید کے لشکر میں ہو رہی تھی۔ راجا کفید بھی تخت پر بیٹھا انہیں دیکھتا اور روتا جاتا تھا۔ دو دن تک راجا کے لشکر میں قتل عام ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ سب مارے گئے۔ اب جان شاہ نے دیوؤں کا حکم دیا کہ تخت کو لے کر بادشاہ طیغموس کے قلعے کے بیچ میں زمین پر اتار دیں اور وہ تخت نیچے اتار لائے جیسا کہ ان کے مالک شہزادے جان شاہ نے حکم دیا تھا۔ بادشاہ طیغموس نے ایک دیو کو حکم دیا جس کا نام شموال تھا کہ وہ راجا کفید کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دے اور اسے کالے برج میں قید کر آئے۔ شموال نے ایسا ہی کیا جیسا کہ اسے حکم دیا گیا تھا۔ اس کے بعد بادشاہ طیغموس نے حکم دیا کہ نقارے بجائے جائیں اور ایلچیوں کو جان شاہ کی ماں کے پاس بھیجا۔ انہوں نے جا کر اسے خبر دی کہ تیرا بیٹا آ گیا ہے اور اس نے یہ یہ کام کئے ہیں۔ وہ خوش ہو گئی اور سوار ہو کر بیٹے کے پاس پہنچی۔ جان شاہ دیکھتے ہی اس کے سینے سے لگ گیا اور وہ مارے خوشی کے غش کھا کر گر پڑی۔ لوگوں ے اس کے منہ پر گلاب چھڑکا' جب اسے ہوش آیا تو اس نے دوبارہ بیٹے کو گلے سے لگایا اور مارے خوشی کے آنسو بہانے لگی۔ شمسہ کو معلوم ہوا کہ جان ش کی ماں آ گئی ہے تو وہ اٹھ کر اس کے پاس پہنچی' اسے سلام کیا اور دونوں دیر تک ایک دوسرے کے گے لپٹے رہیں اور پھر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔

اب بادشاہ طیغموس نے شہر کے دروازے کھول دیئے‘ سارے ملک میں خوشخبری دینے والے بھیجے‘ انہوں نے ہر طرف خبر پہنچا دی۔ بادشاہ کے پاس عمدہ عمدہ تحفے تحائف آنے لگے اور تمام شہروں کے امراء‘ لشکری اور حکام آئے کہ اسے سلام کریں۔ اس فتح اور اس کے بیٹے کی سلامتی پر مبارکبادیں دیں۔ ایک عرصے تک یہی حالت رہی کہ لوگ عمدہ عمدہ تحفے تحائف لے کر ان پاس آتے اور مبارک باد دیتے‘ اس کے بعد بادشاہ نے شمسہ کو دوبارہ ولیمہ کیا اور حکم دیا کہ شہر سجایا جائے اور دلہن کو نفیس نفیس پوشاکیں اور زیور پہنا کر جان شاہ کے سامنے منہ دکھائی کی رسم ادا کی اور اس کی خدمت کے لیے سو خوبصورت کنیزیں دیں۔ کچھ دن گزر گئے تو شمسہ نے بادشاہ طیغموس کے پاس جا کر راجا کفید کی سفارش کی اور کہا اسے چھوڑ دے۔ وہ اپنے وطن چلا جائے‘ اگر اس نے پھر کوئی شرارت کی تو میں ایک دیو کو حکم دوں گی کہ وہ اسے اٹھا کر تیرے پاس لے آئے۔ بادشاہ نے قبول کیا اور شموال سے کہلا بھیجا کہ راجا کفید کو حاضر کرے۔ وہ اسے بیڑیوں اور زنجیروں سمیت لے آیا۔ جب راجہ حاضر ہوا اور اس نے بادشاہ کے آگے زمین چومی تو اس نے حکم دیا کہ اس کی بیڑیاں کھول دی جائیں‘ اس کی بیڑیاں کھول دی گئیں۔ بادشاہ نے اسے ایک لنگڑے گھوڑے پر بٹھا کر کہا کہ شہزادی شمسہ نے تیری سفارش کی ہے لہٰذا اپنے وطن جا اور اگر تو نے دوبارہ یہ حرکت کی تو وہ تجھے ایک دیو بھیج کر پکڑوائے گی۔ الغرض راجا کفید بد ترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

پانچ سو تیسویں رات

جب پانچ سو تیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- راجا کفید بد ترین حالت میں اپنے وطن روانہ ہوا اور جان شاہ' اس کا باپ اور شمسہ نہایت عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگی۔

یہ قصہ بلوقیا سے اس جوان نے کہا جو دونوں قبروں کے بیچ میں بیٹھا ہوا تھا۔ پھر بولا اے بھائی بلوقیا میں ہی جان شاہ ہوں جس نے یہ سب کچھ دیکھا ہے۔ بلوقیا جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت میں مارا مارا پھرتا تھا' یہ کہانی سن کر اچنبھے میں پڑ گیا اور جان شاہ سے کہا اچھا بھائی ان دونوں قبروں کا کیا قصہ ہے تو ان کے بیچ کیوں بیٹھا ہوا ہے اور رونے کا کیا سبب ہے؟ جان شاہ نے جواب دیا کہ اے بلوقیا سن!

ہم عیش و عشرت کے ساتھ خوش و خرم زندگی بسر کرتے۔ ایک سال اپنے وطن میں اور ایک سال قلعے جوہر تکنی میں رہتے تو اس طرح تخت پر بیٹھتے اور دیو اسے اٹھا کر زمین اور آسمان کے درمیان لے اڑتے اور ادھر سے ادھر' ادھر سے ادھر پہنچا دیتے۔ بلوقیا نے کہا اے بھائی' اے جان شاہ' اس قلعے اور تمہارے وطن کی درمیان کتنا فاصلہ تھا؟ جان شاہ نے کہا ہم روز تیس مہینے کی راہ طے کرتے اور دس دن میں قلعے پہنچتے خیر اب سنو کئی سال تک ہمارا یہی طور اور ہماری یہی حالت رہی۔

ایک بار کا واقعہ ہے کہ ہم چلتے چلتے یہاں پہنچے' تخت سے اتر کر جزیرے کی سیر کرنے لگے اور دریا کے کنارے بیٹھ کر کھانے پینے لگے۔ شمسہ نے کہا میں اس دریا میں نہانا چاہتی ہوں اور اس نے اپنا لباس اتار ڈالا۔ کنیزوں نے بھی اپنے کپڑے اتار دیئے اور سب دریا میں اتر کر تیرنے لگیں۔ میں کنارے پر ٹہلتا رہا اور کنیزوں کو شمسہ کے ساتھ کھیلنے دیا۔ اتنے میں ایک بہت بڑے مگرمچھ نے کنیزوں کو چھوڑ کر شمسہ کے پاؤں پر منہ مارا وہ چیخ کر فوراً مر گئی۔ کنیزیں بھاگ کر خیمے میں آ چھپیں۔ پھر بعض

کنیزیں جا کر اس کی لاش کو خیمے میں لائیں۔ جب میں نے اسے مردہ دیکھا تو میں بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ لوگوں نے میرے منہ پر گلاب چھڑکا۔ جب مجھے ہوش آیا تو میں رونے پیٹنے لگا اور دیوؤں کو حکم دیا کہ وہ تخت کو لے کر اس کے گھر والوں کے پاس جائیں اور یہ ماجرا بیان کریں۔ انہوں نے جا کر اس کے ماں باپ کو خبر کی۔ تھوڑی ہی دنوں بعد وہ یہاں آئے اور انہوں نے اسے غسل دے کر کفن پہنایا اور اس جگہ دفن کر دیا اور مجھ سے اپنے ساتھ چلنے کو کہا میں نے اس کے باپ سے کہا کہ اس کی قبر کے پاس ایک اور قبر کھود دے۔ وہ میری قبر ہو گی تا کہ جب میں مروں تو اس کے پہلو میں دفن کیا جاؤں۔ بادشاہ شہلان نے ایک دیو کو حکم دیا کہ وہ میرے حکم کی تعمیل کرے' اس نے ایسا ہی کیا جیسا میں چاہتا تھا۔ اس کے بعد وہ مجھے روتا پیٹتا چھوڑ کر چلے گئے۔ یہ ہے میری کہانی اور میرے اس جگہ بیٹھنے کا سبب۔ بلوقیا' جان شاہ کی باتیں سن کر اچنبھے میں پڑ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو اکتیس ویں رات

جب پانچ سو اکتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب بلوقیا نے جان شاہ کی داستان سنی تو اسے بڑا اچنبھا ہوا اور وہ کہنے لگا میرا گمان تھا کہ میں نے دنیا کی بہت سیاحت کی ہے لیکن خدا کی قسم تیری کہانی سن کر میں وہ ساری باتیں بھول گیا ہوں جو میں نے دیکھی تھیں۔ پھر اس نے جان شاہ سے کہا بھائی مہربانی کر کے مجھے میرا راستہ بتا دے کہ میں صحیح و سلامت چلا جاؤں۔ جان شاہ نے اسے سیدھے راستے پر لگا دیا اور وہ رخصت ہو کر چل دیا۔

یہ کہانی سانپوں کی رانی حاسب کو سنا رہی تھی؟ حاسب کریم الدین نے پوچھا تجھے یہ سب باتیں کس طرح معلوم ہوئیں؟ اس نے کہا اے حاسب کریم الدین پچیس سال ہوئے کہ میں نے ایک بڑا سانپ مصر کے ملک میں بھیجا تھا اور بلوقیا کے نام ایک خط دیا کہ اسے پہنچا دے۔ سانپ خط لے کر بنت شموخ کے اس پہنچا جس کی ایک بیٹی مصر میں رہتی تھی۔ وہاں سے مصر کے شہر میں پہنچا اور لوگوں سے بلوقیا کا پتہ پوچھا اور پتہ معلوم کر کے سانپ نے بلوقیا کو ڈھونڈ نکالا اور سلام کے بعد اسے خط دے دیا۔ بلوقیا نے خط پڑھا' اس کا مطلب سمجھا اور سانپ سے کہنے لگا کیا تو سانپوں کی ملکہ کے پاس سے آیا ہے؟ اس نے کہا ہاں۔ بلوقیا نے کہا میں تیرے ساتھ سانپوں کی ملکہ کے پاس چلنا چاہتا ہوں مجھے اس سے ایک کام ہے۔ سانپ اسے لے کر پہلے اپنی بیٹی کے پاس پہنچا۔ وہاں سے رخصت ہو کر چلا تو بلوقیا سے کہا اپنی آنکھیں بند کر لے' اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں' کھولیں تو اسی پہاڑ پر تھا جس پر اب میں ہوں۔ وہ بلوقیا کو لے کر اس سانپ کے پاس پہنچا جس نے خط دیا تھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے پوچھا۔ کیا تو خط بلوقیا کے پاس پہنچا آیا؟ اس نے جواب دیا ہاں بلکہ وہ میرے ساتھ آیا ہے اور وہ یہ ہے۔ بلوقیا نے آگے بڑھ کر اسے سلام کیا اور سانپوں کی ملکہ

کے متعلق پوچھا۔ اس نے کہا وہ اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ کوہ قاف گئی ہے' گرمیوں میں لوٹے گی۔ جب کبھی وہ کوہ قاف پر جاتی ہے تو مجھے اپنا جانشین بنا جاتی ہے۔ اگر تجھے کوئی ضروت ہو تو میں اسے پورا کر سکتا ہوں۔ بلوقیا نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تو مجھے وہ بوٹی لا دے جس کا عرق پینے والا نہ کمزور ہوتا ہے نہ بوڑھا اور نہ مرتا ہے۔ سانپ نے کہا وہ بوٹی اس وقت تک نہیں لاؤں گا جب تک یہ نہ بتا دے کہ جب تو اور عفان حضرت سلیمان علیہ السلام کے مدفن کے پاس گئے تھے تو سانپوں کی ملکہ سے رخصت ہونے کے بعد تیرے ساتھ کیا کیا باتیں پیش آئی تھیں۔

بلوقیا نے اپنی ساری کہانی شروع سے لے کر آخر تک دہرا دی۔ جان شاہ کو قصہ بھی سنا دیا اور پھر اس سے کہا اب میرا کام کر دے کہ میں اپنے وطن چلا جاؤں۔ سانپ نے کہا حضرت سلیمان علیہ السلام کے سر کی قسم' مجھے اس بوٹی کا پتہ نہیں اور اس نے اس سانپ سے کہا جو بلوقیا کو لایا تھا کہ اسے اس کے وطن پہنچا دے۔ سانپ نے بلوقیا سے کہا آنکھیں بند کر لے۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو نوجبل المقطب میں پایا اور وہاں سے وہ اپنے گھر پہنچ گیا۔ سانپوں کی ملکہ کوہ قاف سے لوٹی تو اس کا جانشین سانپ اس کے پاس آیا اور اسے سلام کر کے کہا کہ بلوقیا تجھے سلام کہہ گیا ہے۔ اس کے بعد سانپ نے اس سے وہ سارا قصہ کہہ سنایا جو بلوقیا نے اسے سے بیان کیا تھا یعنی جو کچھ اس نے اپنے سفر میں دیکھا تھا اور جس طرح اس کی ملاقات جان شاہ سے ہوئی تھی۔

سانپوں کی ملکہ نے حاسب کریم الدین سے کہا کہ اے حاسب یہ ہے وہ شخص جس نے مجھے یہ خبر دی۔ حاسب نے کہا اے سانپوں کی ملکہ مصر واپس جانے کے بعد بلوقیا کے ساتھ کیا واقعات پیش آئے؟ اس نے کہا اے حاسب سن۔ جان شاہ سے رخصت ہونے کے بعد بلوقیا چلتے چلتے ایک بڑے سمندر پر پہنچا اور اپنے پاؤں پر وہ عرق مل کر جو اس کے پاس تھا' پانی پر چلنے لگا یہاں تک کہ وہ ایک جزیرے میں پہنچا جہاں بہت سے درخت'

ندیاں اور پھل تھے' وہ جزیرہ کیا گویا جنت تھا۔ اس جزیرے میں پھرتے پھرتے وہ ایک درخت کے پاس پہنچا جس کے پتے ایسے تھے جیسے کشتی کے بادبان۔ درخت کے پاس پہنچا تو دیکھا کہ اس کے نیچے دستر خوان بچھا ہوا ہے۔ جس پر طرح طرح کے نفیس کھانے چنے ہوئے ہیں۔ اسے درخت کے اوپر ایک بڑی چڑیا دیکھائی دی جو موتیوں اور سبز زمرد کی تھی اور جس کے پاؤں چاندی کے' چونچ سرک یاقوت کی' پر نفیس معدنیات کے تھے اور وہ خدا کی پاکی بیان کرتی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتی تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بتیسویں رات

جب پانچ سو بتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- بلوقیا نے اس بڑے پرندے کو دیکھا تو اس سے پوچھا تو کون ہے اور تیرا کیا قصہ ہے؟ اس نے جواب دیا میں جنت کا ایک پرندہ ہوں اور اے بھائی سن' جب خدا نے آدم کو جنت سے نکالا تو اسے چار پتے دیئے کہ وہ ان سے اپنا بدن ڈھانک لے۔ جب یہ پتے زمین پر گرے تو ان میں سے ایک کو ریشم کے کیڑے نے کھا لیا اور اس سے ریشم پیدا ہوا۔ دوسرے کو غزالوں نے کھایا اور اس سے مشک پیدا ہوا' تیسرے کو شہد کی مکھی نے کھا لیا اور اس سے شہد پیدا ہوا' چوتھا جا کر ہندوستان میں گرا اور اس سے طرح طرح کے مسالے پیدا ہوئے اور میرا قصہ یہ ہے میں نے ساری دنیا کی سیر کی یہاں تک کہ خدا نے اپنی مہربانی سے مجھے اس جگہ پہنچا دیا اور میں یہاں آ کر ٹھہر گیا۔ ہر جمعرات اور جمعہ کو دنیا کے تمام اولیاء اور قطب یہاں آتے ہیں' اس جگہ کو زیارت کرتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں جو خدا کی طرف سے ہر جمعرات اور جمعہ کو ان کی ضیافت کے لیے آتا ہے۔ اس کے بعد وہ دستر خوان بغیر کمی اور تغیر و تبدل کے جنت کی طرف اٹھا لیا جاتا ہے۔

بلوقیا نے بھی اس میں سے کھایا اور کھا کر خدا کا شکر ادا کر ہی رہا تھا کہ خضر علیہ السلام آ پہنچے۔ بلوقیا نے اٹھ کر سلام کیا اور چلنے لگا۔ پرندے نے کہا' اے بلوقیا خضر علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھ۔ وہ بیٹھ گیا۔ خضر علیہ السلام نے کہا۔ اے بلوقیا' اپنا حال بیان کر اور اپنا قصہ سنا۔ بلوقیا نے اپنا سارا قصہ شروع سے لے کر اس وقت تک کہ وہ اس جگہ پہنچا کہ سنایا اور خضر سے پوچھا اے میرے آقا! یہاں سے مصر تک کتنا فاصلہ ہے؟ انہوں نے کہا کہ پچانوے سال کی مسافت۔ بلوقیا یہ سن کر رونے لگا جھک کر خضر علیہ السلام کا ہاتھ چوما اور کہا مجھے اس غربت سے چھٹکارا دے' خدا

تجھے اس کا اجر دے گا میں بربادی کے قریب پہنچ چکا ہوں اور کوئی تدبیر میری سمجھ میں نہیں آتی۔ خضر علیہ السلام نے کہا خدا سے دعا مانگ' وہ مجھے اجازت دے کہ میں تجھے تباہی سے پہلے مصر پہنچا دوں۔ بلوقیا رونے اور خدا کی درگاہ میں گڑگڑانے لگا۔ خدا نے اس کی دعا منظور کر لی اور خضر علیہ السلام پر الہام کیا کہ اسے اس کے گھر پہنچا دے۔ خضر علیہ السلام نے بلوقیا سے کہا اپنا سر اٹھا' خدا نے تیری دعا منظور کر لی ہے اور مجھ پر الہام کیا ہے کہ میں تجھے مصر پہنچا دوں۔ مجھ سے چمٹ جا' مجھے دونوں ہاتھوں سے پکڑ لے اور آنکھیں بند کر لے۔ بلوقیا خضر علیہ السلام سے چمٹ گیا' دونوں ہاتھوں سے انہیں پکڑ لیا اور آنکھیں بند کر لیں۔ خضر علیہ السلام نے ایک قدم بڑھایا اور بلوقیا سے کہا آنکھیں کھول۔ اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے آپ کو اپنے گھر کے دروازے پر کھڑا پایا۔ اب وہ خضر علیہ السلام کی طرف متوجہ ہوا کہ ان سے رخصت ہو لیکن کہیں ان کا نشان تک نہ پایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تینتیس ویں رات

جب پانچ سو تینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بلوقیا نے آنکھیں کھولیں کہ خضر علیہ السلام سے رخصت ہو تو انہیں نہ پایا اور گھر کے اندر گیا۔ ماں نے دیکھا تو خوشی کے مارے غش کھا کر زمین پر گر پڑی۔ لوگوں نے اس کے منہ پر پانی کے چھینٹے دیئے۔ جب اسے ہوش آیا تو اس نے بلوقیا کو گلے سے لگا لیا اور بلک بلک کر رونے لگی۔ بلوقیا کبھی روتا اور کبھی ہنستا تھا۔ سارے گھر والوں' رشتے داروں اور دوست احباب نے آ کر سلامتی کی مبارک باد دی۔ یہ خبر تمام ملک میں پھیل گئی اور ہر طرف سے ہدیے آئے اور نقارے' مجیرے بجنے لگے۔ سب لوگ بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد بلوقیا نے اپنی ساری کہانی کہی' سارا ماجرا سنایا اور یہ کہ خضر علیہ السلام نے آ کر اسے گھر کے دروازے پر پہنچا دیا۔ لوگوں کو بڑا اچنبھا ہوا اور وہ اتنا روئے کہ روتے روتے تھک گئے۔

یہ ساری داستان سانپوں کی ملکہ بیان کر رہی تھی' حاسب کریم الدین کو اچنبھا ہو رہا تھا اور اس کے آنسو جاری تھے۔ اب اس نے سانپوں کی ملکہ سے کہا میں اپنے وطن جانا چاہتا ہوں۔ سانپوں کی ملکہ نے کہا اے حاسب میں ڈرتی ہوں کہ تو اپنے وطن پہنچ کر بے وفائی کرے گا' قسم توڑ ڈالے گا جو تو نے کھائی ہے اور حمام چلا جائے گا۔ ملکہ کریم الدین نے اور بہت سی قسمیں کھائی کہ میں زندگی بھر حمام نہ جاؤں گا۔ ملکہ نے ایک سانپ کو حکم دیا کہ حاسب کریم الدین کو زمین کے اوپر پہنچا آ۔ سانپ اسے لے کر چلا اور ایک جگہ سے دوسری جگہ ہوتا ہوا ایک ٹوٹے پھوٹے اندھے کنوئیں کے راستے اسے اوپر جا نکالا۔ وہاں سے وہ شہر آیا اور شام کے وقت جب سورج زرد پڑ رہا تھا اپنے گھر پہنچا۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کی ماں نے آ کر دروازہ کھولا اور اپنے بیٹے کو دروازے پر کھڑا دیکھ کر خوشی کے مارے بے تحاشا چیخی اور بیٹے سے

لپٹ کر رونے لگی۔ بیوی نے ماں کو روتے سنا تو دوڑی ہوئی باہر آئی دیکھا تو اس کا شوہر موجود ہے' اس نے سلام کیا۔ اس کے ہاتھ چومے' ایک دوسرے کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے' اور جب گھر کے اندر گئے۔ سب بیٹھ چکے اور حاسب کریم الدین اپنے گھر والوں کے بیچ میں بیٹھا تو اس نے پوچھا لکڑ ہارے کہاں ہیں جو میرے ساتھ لکڑیاں ڈھوتے اور مجھے اندھے کنوئیں میں چھوڑ کر چلتے ہوئے' اس کی ماں نے کہا انہوں نے تو مجھے آ کر یہ کہا تھا کہ تیرے بیٹے کو گھاٹی میں بھیڑیا کھا گیا ہے۔ اب تو وہ تاجر دکانوں اور جاگیروں کے مالک ہو گئے ہیں اور بڑے مالدار ہیں۔ ہر روز ہمارے لیے کھانا پینا لاتے ہیں اور آج تک ان کا یہی دستور ہے۔ اس نے اپنی ماں سے کہا کل ان کے پاس جا کر کہیو کہ حاسب کریم الدین سفر سے لوٹ کر آ گیا ہے تم لوگ آ کر اس سے ملو اور سلام کرو۔ جب سویرا ہوا تو اس کی ماں نے لکڑ ہاروں کے گھر جا کر اپنے بیٹے کا پیغام پہنچا دیا۔ یہ سنتے ہی لکڑ ہاروں کے رنگ فق ہو گئے۔ ان میں سے ہر ایک نے اسے ایک جوڑا ریشمی کپڑوں کا دیا جن پر سونے کے بیل بوٹے بنے ہوئے تھے اور کہا یہ اپنے بیٹے کو دے دیجیو اور کہیو کہ وہ انہیں پہنے اور اس سے کہیو کہ ہم کل اس کے پاس آئیں گے۔ وہاں سے پلٹ کر وہ اپنے بیٹے کے پاس آئی تو اس سے تمام باتیں کہیں جو کچھ انہوں نے اس کے لیے دیا تھا اس کے حوالے کیا۔

لکڑ ہاروں نے کئی سوداگروں کو جمع کر کے سارا قصہ کہا۔ حاسب کریم الدین کے ساتھ جو انہوں نے کیا تھا سنایا اور ان سے پوچھا کہ اب کیا کیا جائے؟ سوداگروں نے کہا تمہیں چاہیے کہ اپنا آدھا آدھا مال اور آدھے غلام اسے دے دو۔ اس پر سب نے اتفاق کیا اور سب اپنا آدھا آدھا مال لے کر اس کے پاس گئے' اسے سلام کیا' ہاتھ چومے اور مال اسے دے کر کہا یہ تیرا احسان ہے اور ہم تیرے سامنے کھڑے ہیں۔ اس نے قبول کر لیا اور کہا جو ہوا سو ہوا۔ یہی خدا کی مرضی تھی اور تقدیر کے آگے کسی کا بس نہیں چلتا۔ انہوں نے کہا اٹھ شہر کی سیر کریں اور حمام چلیں۔ اس نے

کہا میں نے قسم کھائی ہے کہ عمر بھر حمام میں داخل نہ ہوں گا۔ انہوں نے کہا اچھا ہمارے گھر چل' ہم تیری دعوت کرتے ہیں۔ وہ اٹھ کر ان کے ساتھ ان کے گھر گیا۔ ان میں سے ہر ایک نے اس کی ایک ایک رات دعوت کی۔ سات دن یہی ہوتا رہا اور وہ بڑی دولت' بہت سی جاگیروں اور دکانوں کا مالک ہو گیا۔ شہر کے تمام تاجر اس کے پاس آئے اور اس نے ان سے اپنا قصہ بیان کیا۔

ایک دن وہ شہر میں ٹہل رہا تھا۔ اسے ایک دوست ملا جو حمامی تھا۔ حمام کے دروازے پر دونوں کی چار آنکھیں ہوئیں۔ حمامی نے بھی قسم کھائی کہ اگر تو حمام چل کر نہ نہائے تو میری تینوں بیویوں کو تین تین طلاق۔ حاسب کریم الدین اپنے دل میں بہت گھبرایا اور کہا کیا تو چاہتا ہے کہ میری اولاد یتیم ہو جائے' گھر تباہ اور میری گردن میں عذاب کا طوق پڑے؟ حمامی حاسب کریم الدین کے قدموں میں گر پڑا' انہیں چومنے لگا اور کہا اگر تو حمام چلے تو میں ہمیشہ کے لیے تیرا غلام رہوں گا اور تیرا گناہ اپنے سر لے لوں گا۔ اتنے میں حمام کے نوکر چاکر اور جو اس کے اندر تھے جمع ہو گئے۔ حاسب کریم الدین کو پکڑ کر حمام میں لے گئے اور اس کے کپڑے اتار ڈالے۔

حمام میں داخل ہو کر ابھی اس نے اپنے سر پر پانی ڈالا ہی تھا کہ بیس آدمی پہنچے اور کہنے لگے اے شخص' ہمارے ہاں سے نکل جا تو بادشاہ کا مجرم ہے اور انہوں نے ایک شخص کو بادشاہ کے وزیر کے پاس بھیجا۔ اس نے جا کر وزیر کو خبر دی' وزیر ساٹھ غلاموں کو لے کر حمام میں آ دھمکا۔ یہ سب حاسب کریم الدین کے پاس آئے۔ وزیر نے اسے سلام کر کے مرحبا کہا اور حمامی کو سو دینار دے کر حکم دیا کہ حاسب کی سواری کے لیے ایک گھوڑا لا۔ گھوڑا آیا اور وزیر حاسب کو لے کر مع اپنے ساتھیوں کے سوار ہو گیا۔ وزیر حاسب کو لیے ہوئے بادشاہ کے محل پر پہنچا۔ وزیر' اس کے ہمراہی اور حاسب سب گھوڑوں سے اتر پڑے اور محل میں جا کر بیٹھ گئے۔ اس کے بعد دسترخوان لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا' ہاتھ دھوئے اور وزیر نے حاسب کو دو خلعت عطا کئے جن میں ہر ایک پانچ پانچ ہزار دینار کا تھا اور اس سے کہا کہ سن' خدا نے تجھے بھیج کر ہم

پر بڑا احسان اور رحم کیا کیونکہ کوڑھ کی وجہ سے بادشاہ مرنے کے قریب ہے اور ہماری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی زندگی تیرے ہاتھ میں ہے۔

یہ سن کر حاسب کو بڑا اچنبھا ہوا۔ وزیر حاسب اور بڑے بڑے لوگ محل کی سات ڈیوڑھیوں سے ہو کر بادشاہ کے پاس حاضر ہوئے جس کا نام کرزوان تھا اور جو عجم کا بادشاہ تھا‘ ساتوں اقلیموں پر اس کی حکومت تھی۔ اس کی خدمت میں سو بادشاہ حاضر تھے جو سرخ سونے کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور دس ہزار پہلوان جن کے ماتحت سو سو نواب تھے اور سو سو جلاد جو تلواریں اور تیر لیے کھڑے تھے‘ دیکھا کہ بادشاہ لیٹا ہوا ہے اس کا چہرہ رومال سے ڈھکا ہوا ہے اور بیماری کی تکلیف سے کراہ رہا ہے۔ بادشاہ کرزوان کی یہ حالت دیکھ کر حاسب کے حواس اڑ گئے‘ اس نے اس کے آگے زمین چوم کر اسے دعا دی۔ اب بڑا وزیر جس کا نام وزیر شمہور تھا‘ سامنے آیا اور بڑے احترام سے بادشاہ کے دہنی طرف ایک اونچی جگہ اس کا بٹھایا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو چونتیسو یں رات

جب پانچ سو چونتیسو یں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- وزیر

شمہور نے حاسب کو بادشاہ کے دہنی طرف ایک کرسی پر بٹھایا اور دسترخوان حاضر کیا گیا' سب نے کھا پی کر ہاتھ دھوئے۔ اس کے بعد وزیر شمہور کھڑا ہو گیا' اس کے ساتھ تمام مجلس والے بھی کھڑے ہو گئے' اس کے بعد حاسب کریم الدین کی طرف بڑھ کر کہا ہم سے تیرے خادم ہیں اور جو کچھ تو مانگے تجھے دینے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تو آدھا ملک بھی مانگے تو ہم دے دیں گے اس لیے کہ بادشاہ کی تندرستی تیرے ہاتھ میں ہے۔ یہ کہہ کر وزیر نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے بادشاہ کے پاس لے گیا۔ حاسب نے بادشاہ کا چہرہ کھولا تو دیکھا کہ وہ بہت بیمار ہے' وہ دھک رہ گیا۔ اب وزیر نے حاسب کا ہاتھ چوما اور کہا ہماری درخواست یہ ہے کہ تو بادشاہ کو اچھا کر دے اور جو کچھ تو مانگے گا ہم تجھے دیں گے۔ ہماری تجھ سے یہی ضرورت ہے اور بس۔ حاسب نے کہا یہ ٹھیک ہے کہ میں خدا کے نبی دانیال کا بیٹا ہوں لیکن مجھے کوئی علم نہیں آتا۔ مجھے تین دن تک طب کا علم سکھایا گیا لیکن میں اس فن کو بالکل نہ سیکھ سکا۔ کاش میں اس فن سے واقف ہوتا اور بادشاہ کا علاج کر سکتا! وزیر نے کہا ہم سے زیادہ باتیں مت بنا۔ اگر ہم پورب پچھم کے سارے حکیم بھی جمع کر لیں تو بھی سوا تیرے بادشاہ کو کوئی اچھا نہیں کر سکتا۔ حاسب نے کہا میں اسے کس طرح اچھا کر سکتا ہوں' نہ تو میں اس کی بیماری جانتا ہوں' نہ دوا! وزیر نے کہا بادشاہ کی دوا تیرے ہی پاس ہے۔ حاسب نے کہا اگر میں اس کی دوا جانتا ہوں تو اسے اچھا کر دیتا۔ وزیر نے کہا تو اس کی دوا بہت اچھی طرح سے جانتا ہے۔ اس کی دوا سانپوں کی ملکہ ہے تو نے

اسے دیکھا ہے' تو جانتا ہے کہ وہ کہاں رہتی ہے تو اس کے ساتھ رہا ہے۔
جب حاسب نے یہ باتیں سنیں تو اسے یقین ہو گیا کہ اس کا سبب اس کا حمام جانا ہے اور وہ بہت پچھتایا لیکن اب پچھتانے سے کیا ہو سکتا تھا۔ اس نے کہا کیسی سانپوں کی ملکہ؟ میں تو اسے جانتا بھی نہیں۔ میں نے تو عمر بھر اس کا نام تک نہیں سنا۔ وزیر نے کہا' انجان نہ بن' میرے پاس اس کا ثبوت موجود ہے کہ تو اسے جانتا ہے تو اس کے ہاں دو سال ٹھہرا رہا ہے۔ حاسب نے کہا میں نہ اسے جانتا ہوں نہ اس کے ہاں ٹھہرا ہوں' نہ اس وقت سے پہلے اس کا نام سنا ہے۔ اور سنا بھی تو صرف تیری زبان سے۔ یہ سن کر وزیر نے ایک کتاب منگوائی اسے کھول کر حساب کرنے لگا اور کہا سانپوں کی ملکہ ایک انسان سے ملے گی وہ اس کے ساتھ دو سال ٹھہرے گا اور پھر اس سے جدا ہو کر زمین کے اوپر آئے گا اور جونہی وہ حمام میں داخل ہو گا تو اس کا پیٹ کالا پڑ جائے گا۔ اب اس نے حاسب سے کہا اچھا اپنا پیٹ دیکھ۔ اس نے دیکھا تو وہ واقعی کالا پڑ گیا تھا۔ اس نے کہا میرا پیٹ تو پیدائشی کالا ہے۔ وزیر نے کہا میں نے ہر حمام میں تین تین غلام لگا رکھے تھے تاکہ وہ حمام میں ہر آنے والے کے پیٹ کو غور سے دیکھیں اور مجھے خبر دیں۔ جب حمام میں داخل ہوا تو انہوں نے دیکھا کہ تیرا پیٹ کالا ہو گیا ہے۔ مجھے خبر بھیجی۔ مجھے یقین ہوا کہ تو ہی وہ شخص ہے۔ اب میری تجھ سے سوائے اس کے اور کوئی حاجت نہیں کہ تو مجھے وہ جگہ بتا دے جہاں سے تو نکلا ہے' پھر تو اپنی راہ لیجیو۔ ہم خود سانپوں کی ملکہ کو پکڑ لیں گے کیونکہ ہمارے پاس ایسا آدمی موجود ہے جو اسے لا سکتا ہے۔
حاسب نے یہ باتیں سنیں تو وہ اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگا مگر افسوس بے کار تھا۔ جب سارے امیر اور وزیر درخواست کرتے تھک گئے اور وہ یہی کہتا رہا کہ یہ بات نہ میں نے دیکھی ہے اور نہ سنی تو وزیر نے جلاد کو بلوا لیا اور اسے حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار کر اسے خوب مارے۔ جلاد نے ایسا ہی کیا۔ یہاں تک کہ وہ ادھ موا ہو گیا اور اس کی آنکھوں کے آگے موت پھرنے لگی۔ اس کے بعد وزیر نے کہا ہمارے

پاس اس بات کا ثبوت ہے کہ تجھے سانپوں کی ملکہ کی جگہ معلوم ہے پھر تو کیوں انکار کئے چلا جاتا ہے۔ ہمیں صرف وہ جگہ دکھا دے جہاں سے تو نکلا ہے اور چل دے۔

ہمارے پاس ایسا شخص ہے جو اسے پکڑ لائے گا اور تجھے کوئی نقصان نہ پہنچے گا۔ اس کے بعد وزیر اس کے ساتھ نرمی سے پیش آیا' اسے اٹھا کر کھڑا کیا اور حکم دیا کہ اس کے لیے ایک خلعت لاؤ جس میں سونے اور جواہرات کا کام ہو۔ حاسب نے وزیر کا حکم مان لیا اور اس سے کہا اچھا میں تمہیں وہ جگہ دکھا دوں جہاں سے میں نکلا تھا۔ وزیر یہ سن کر خوش ہو گیا پھر وہ تمام امیر سوار ہو گئے۔ حاسب ان کے آگے آگے ہو لیا۔ چلتے چلتے وہ پہاڑ کے پاس پہنچا اور وہ انہیں غار میں لے گیا اور رونے اور افسوس کرنے لگا۔ امراء اور ورزاء بھی اس کے پیچھے پیچھے تھے۔ وہ اس کنوئیں کے پاس پہنچا جہاں سے وہ نکلا تھا۔ وزیر آگے بڑھ کر بیٹھ گیا۔ دھونی مارنی طلسم کھینچے' منتر پڑھے اور گنگنانے لگا کیونکہ وہ جادوگر' مکار اور کاہن تھا اور روحانی علوم وغیرہ جانتا تھا۔ جب وہ پہلے جادو سے فارغ ہو چکا تو دوسرا پڑھا' پھر تیسرا' خوشبوئیں ختم ہو جاتیں تو وہ اور خوشبوئیں آگ پر ڈالتا۔

جادو پڑھنے کے بعد اس نے کہا اے سانپوں کی ملکہ نکل۔ یہ کہتے ہی کنوئیں کا پانی سوکھ گیا' ایک بڑا دروازہ کھلا اور اس میں سے بجلی کی سی کڑک اس زور سے سنائی دی کہ لوگوں کو گمان ہوا کہ کنواں پھٹ پڑا۔ سب لوگ غش کھا کر گر پڑے۔ دو چار تو مر بھی گئے اور کنوئیں میں سے ہاتھی کے برابر ایک سانپ نکلا جس کی آنکھوں اور منہ سے انگارے نکل رہے تھے۔ اس کی پیٹھ پر ایک سرخ سونے کی سینی تھی جس میں موتی اور ہیرے جڑے ہوئے تھے۔ سینی کے بیچ میں ایک سانپ تھا جس سے وہ ساری جگہ روشن ہو گئی۔ اس کا چہرہ انسان جیسا تھا اور نہایت فصاحت کے ساتھ بولتا تھا۔ یہ سانپوں کی ملکہ تھی۔ اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی اور حاسب کو دیکھ کر کہا تیرا وعدہ و پیمان کیا ہوا جو تو نے میرے ساتھ باندھا تھا اور تیری قسم کہاں گئی جو

تو نے کھائی تھی کہ حمام نہیں جاؤں گا؟ لیکن قضا و قدر کے آگے کوئی تدبیر نہیں چلتی اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ نہیں سکتا۔ خدا نے تیرے ہاتھ سے میری موت لکھی ہے۔ اس نے یہی حکم دیا تھا اور اس کی مرضی یہی تھی کہ ماری جاؤں اور بادشاہ کرزواں اچھا ہو جائے۔ یہ کہہ کر ملکہ زار زار رونے لگی اور اسے روتے دیکھ کر حاسب بھی رو پڑا۔ جب ملعون وزیر شمہور نے سانپوں کی ملکہ کو دیکھا تو اسے پکڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ ملکہ نے کہا اے مردود' اپنا ہاتھ الگ رکھ ورنہ میں ابھی پھونک مار کر تجھے راکھ کا ڈھیر بنا دوں گی۔ اس کے بعد اس نے حاسب کو پکارا اور کہا میرے پاس آ اور میرا ہاتھ پکڑ مجھے اس سینی میں اتار دے جو یہ لائے ہیں اور اسے اپنے سر پر رکھ کر چل کیونکہ ازل سے میری موت تیرے ہی ہاتھ سے لکھی ہوئی ہے اور یہ کسی تدبیر سے رک نہیں سکتی۔ حاسب نے وہ سینی لے کر اپنے سر پر رکھ لی اور کنواں پھر پہلے کی طرح ہو گیا۔

اب وہ سب چل پڑے اور حاسب اس سینی کو سر پر رکھ کر جس میں سانپوں کی ملکہ تھی' ان کی ساتھ ہو لیا۔ راستے میں سانپوں کی ملکہ نے حاسب سے چپکے سے کہا اگرچہ تو نے عہد و پیماں کو بھلا دیا' قسم توڑ ڈالی اور یہ ساری حرکت کی' ازل سے قسمت میں یہی لکھا ہوا تھا لیکن اے حاسب سن میں تجھے ایک نصیحت کرتی ہوں۔ حاسب نے کہا بتا اے سانپوں کی ملکہ تو مجھے کیا حکم دیتی ہے؟ اس نے کہا جب تو وزیر کے گھر پہنچے گا تو وہ تجھ سے کہے گا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر کے اس کے تین ٹکڑے کر۔ تو اس سے انکار کر دیجیو ہرگز ایسا نہ کیجئو' اس سے کہیو کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ یہ اس لیے کہ وہ مجھے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کرے اور جو چاہے میری گت بنائے۔ جب وہ مجھے ذبح کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالے گا تو بادشاہ کرزوان کا قاصد آ کر اسے لے جائے گا۔ بادشاہ کے پاس جانے سے پہلے وہ میرے گوشت کو پیتل کی دیگچی میں رکھ کر اسے چولہے پر چڑھا دے گا اور تجھ سے کہہ جائے گا کہ "دیگچی

کے نیچے آگ جلاتا رہیو' جب تک کہ گوشت ابلنے نہ لگے۔ جب گوشت پر جھاگ آ جائیں تو انہیں اتار کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہونے کے بعد پی لیجیو۔ اس کے پینے کا اثر یہ ہو گا کہ تیرے بدن میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ پھر دوسری مرتبہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں بھر کر اپنے پاس رکھ لیجیو۔ اس کو بادشاہ کے پاس سے لوٹ کر میں پیوں گا تاکہ میری ریڑھ کی بیماری جاتی رہے۔" اس کے بعد وہ تجھے دو شیشیاں دے کر بادشاہ کے پاس چلا جائے گا۔ جب وہ چلا جائے تو دیگچی کے نیچے آگ جلائیو یہاں تک کہ پہلے جھاگ آ جائیں۔ ان جھاگوں کو لے کر حفاظت سے شیشی میں اپنے پاس رکھیو مگر خبردار اسے پیچیو نہیں کیونکہ اگر تو نے اسے پیا تو اس سے تجھے کوئی فائدہ نہیں ہو گا۔ جب دوبارہ جھاگ آئیں تو انہیں دوسری شیشی میں رکھ لیجیو اور ٹھنڈا ہونے پر تو اسے پی لیجیو۔ جب وہ بادشاہ کے پاس سے لوٹے اور تجھ سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلی شیشی دے دیجیو اور دیکھیو کہ اس کے ساتھ کیا ماجرا پیش آتا ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو پینتیس ویں رات

جب پانچ سو پینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سانپوں کی ملکہ نے کہا کہ جب وہ تجھ سے دوسری شیشی مانگے تو اسے پہلے دے دیجیو اور دیکھ کہ اس کی کیا حالت ہوتی ہے' بعد ازاں تو دوسری شیشی پی لیجیو' اس کے پینے کے ساتھ تیرا دل حکمت کا خزانہ ہو جائے گا پھر گوشت کو نکال کر پیتل کی سینی میں رکھیو اور اسے بادشاہ کو دے دیجیو تا کہ وہ اسے کھائے۔ جب وہ گوشت کھا لے اور وہ اس کے پیٹ میں پہنچ جائے تو اس کا چہرہ رومال سے ڈھانک دیجیو اور دوپہر تک انتظار کیجیو تا کہ وہ اس کے پیٹ میں ٹھنڈا ہو جائے۔ پھر اسے شراب پلائیو کہ وہ اچھا ہو جائے جیسا کہ پہلے تھا اور خدا کے فضل سے اس کی بیماری جاتی رہے گی۔ اس وصیت کو جو میں نے تجھ سے کی ہے خوب سن رکھ اور اچھی طرح یاد کر لے۔

القصہ سانپوں کی ملکہ کو لیے ہوئے سب وزیر کے گھر پہنچے۔ وزیر نے حاسب سے کہا کہ میرے ساتھ گھر میں چل۔ لشکر رخصت ہو گیا اور تمام لوگ اپنے اپنے گھر چلے گئے تو وزیر اور حاسب مکان کے اندر پہنچے۔ حاسب نے وہ سینی اپنے سر سے اتار دی جس میں سانپوں کی ملکہ تھی۔ وزیر نے کہا کہ سانپوں کی ملکہ کو ذبح کر۔ حاسب نے کہا کہ مجھے ذبح کرنا نہیں آتا۔ میں نے آج تک کبھی کوئی چیز ذبح نہیں کی۔ اگر تجھے اسے ذبح کرنے کی غرض ہو تو اسے خود اپنے ہاتھ سے ذبح کر لے۔ وزیر شمہور اٹھا اور سانپوں کی ملکہ کو سینی میں سے نکال کر ذبح کیا۔ حاسب نے یہ دیکھا تو وہ زور زور سے رونے لگا۔ شمہور ہنسنے لگا اور کہا اے بے عقل' ایک سانپ کے ذبح ہونے پر تو کیوں روتا ہے؟ ذبح کرنے کے بعد وزیر نے اس کے تین ٹکڑے کیے اور اسے پیتل کی دیگچی میں ڈال کر آگ پر چڑھا دیا اور بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بادشاہ کے پاس

سے ایک غلام نے آ کر کہا بادشاہ تجھے فوراً بلاتا ہے۔ وزیر کھڑا ہو گیا اور دونوں شیشیاں حاسب کو دے کر کہا دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہیو تا کہ گوشت میں ابال آ جائے۔

جھاگ آ جائیں تو اسے گوشت کے اوپر سے لے کر ایک شیشی میں بھر لیجیو اور ٹھنڈا ہو جائے تو اسے پی لیجیو۔ جب تو اسے پی لے گا تو تیرے بدن میں کوئی درد باقی نہ رہے گا نہ بیماری۔ پھر دوسرا ابال آئے تو اسے دوسری شیشی میں بھر کر حفاظت سے اپنے پاس رکھ لیجیو۔ بادشاہ کے پاس سے واپس آ کر میں اسے پیوں گا کیونکہ میری ریڑھ میں درد ہوتا ہے اور مجھے امید ہے کہ اس کے پینے سے وہ درد جاتا رہے گا۔

حاسب کو خوب سمجھا بجھا کہ وہ بادشاہ کے پاس چلا گیا اور حاسب دیگچی کے نیچے آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ پہلا ابال آیا' اس نے اسے دونوں شیشیوں میں سے ایک میں بھر لیا اور شیشی اپنے پاس رکھ لی اور برابر آگ جلاتا رہا یہاں تک کہ دوسرا ابال آیا۔ اس نے اسے دوسری شیشی میں اتار لیا۔ گوشت پک گیا تو دیگچی آگ پر سے اتار لی اور بیٹھ کر وزیر کی راہ دیکھنے لگا۔ وزیر بادشاہ کے پاس سے لوٹا تو اس نے حاسب سے پوچھا تو نے کیا کیا؟ حاسب نے نے کہا کام پورا ہو چکا۔ وزیر نے کہا پہلی شیشی کا تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے اسے پی لیا ہے۔ وزیر نے کہا تیرے جسم میں کوئی فرق تو دکھائی نہیں دیتا۔ حاسب نے کہا مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میرے بدن میں سر سے لے کر پاؤں تک ایک آگ لگی ہوئی ہے۔ دغا باز وزیر نے فریب سے اس پر بھید ظاہر نہیں کیا اور اس سے کہا دوسری شیشی مجھے دے کہ میں اسے پی لوں ممکن ہے کہ ریڑھ کی بیماری اس سے جاتی رہے۔ یہ کہہ کر اس نے پہلی شیشی پی لی اور سمجھا کہ وہ دوسری شیشی ہے۔ ابھی وہ سب نہ پینے پایا تھا کہ شیشی اس کے ہاتھ سے گر پڑی' اس کا بدن سوج گیا اور اس پر یہ مثل صادق آ گئی جو اپنے بھائی کے لیے کنواں کھودتا ہے وہ خود اس میں گر پڑتا ہے۔ حاسب کو یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور دوسری شیشی میں کوئی نقصان دینے والی چیز ہوتی تو وزیر اسے اپنے لیے

منتخب نہ کرتا۔ اس نے کہا میں خدا پر بھروسہ کرتا ہوں اور دوسری شیشی پی گیا۔ اس کے پیتے ہی خدا نے اس کے دل میں حکمت کے چشمے اور علم کے دریا جاری کر دیئے

اسے بڑی اس خوشی اور مسرت حاصل ہونے لگی۔

اب اس نے دیگچی میں سے گوشت نکال کر ایک پیتل کی سینی میں رکھا اور وزیر کے گھر سے باہر آیا ' اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور اسے ساتوں آسمان اور سدرہ المنتہا تک جو کچھ ان میں تھا' دکھائی دینے لگا۔ آسمان کی گردش کی کیفیت بھی اسے معلوم ہو گئی' خدا نے یہ تمام باتیں اس پر کھول دیں۔ اسے سیارے اور ثوابت بھی دکھائی دینے لگے اور ستاروں کی رفتار کا علم ہو گیا۔ خشکی اور سمندر کی حالت اس کی آنکھوں کے آگے آ گئی۔ ہندسے' نجوم' ہیئت' فلک اور حساب کے علوم بھی معلوم ہو گئے اور تمام وہ چیزیں جو ان علوم سے تعلق رکھتی تھیں۔ سورج اور چاند گرہن وغیرہ کے اسباب بھی اس پر کھل گئے۔ اس کے بعد اس نے زمین پر نظر ڈالی اور اس کے تمام معاون اور نباتات اس پر ظاہر ہو گئے۔ ان کی خاصیتیں اور فائدے جان گیا' اس سے اسے طب' سیمیا اور کیمیا کا علم حاصل ہو گیا اور سونا' چاندی بنانے کی ترکیب معلوم ہو گئی۔

اس گوشت کو لیے ہوئے بادشاہ کرزوان کے محل پر پہنچا' اندر جا کر بادشاہ کے آگے زمین چومی اور کہا تیرا وزیر شمہور مر گیا۔ خدا تجھے سلامت رکھے! اپنے وزیر کی موت کا حال سن کر بادشاہ کو بڑا غصہ آیا۔ وہ زار زار رونے لگا۔ دوسرے وزیروں' نے کہا وزیر شمہور ابھی ہٹا کٹا میرے پاس آ کر گوشت لینے گیا تھا' یکایک اتنی دیر میں وہ۔ کیسے مر گیا۔ اسے کون سی بیماری ہو گئی؟ حاسب نے وزیر کا سارا ماجرا بیان کیا کہ شیشی پی کر اس کا بدن سوج گیا اور پیٹ پھول کر مر گیا۔ بادشاہ کو بڑا افسوس ہوا اور وہ حاسب سے کہنے لگا کہ شمہور کے بعد میرا کیا حشر ہو گا؟

حاسب نے کہا جہاں پناہ! غم نہ کر' میں تجھے تین دن کے اندر اندر اچھا کر دوں گا اور تیرے جسم میں کوئی بیماری باقی نہ رہے گی۔ یہ سن کر بادشاہ خوش ہو گیا اور حاسب

سے کہنے لگا میں اتنا ہی چاہتا ہوں کہ اس بلا سے نجات پاؤں خواہ اس میں کئی سال لگ جائیں۔ حاسب اٹھا' سینی لا کر اس نے بادشاہ کے سامنے رکھ دی' سانپوں کی ملکہ کا ایک ٹکڑا لے کر اسے کھلا دیا اور اس کے منہ پر رومال ڈال کر پاس بیٹھ گیا اور اس سے کہا سو جا۔ وہ سو گیا۔ ظہر سے مغرب تک سوتا رہا۔ گوشت اس کے پیٹ میں گھل مل گیا تو اسے جگا کر حاسب نے کچھ شراب پلائی اور دوبارہ سلا دیا۔ وہ رات بھر سوتا رہا۔ جب دن نکلا تو اس نے کل کی طرح پھر عمل کیا۔ غرض کہ تین دن میں تینوں ٹکڑے کھلا دیے۔ بادشاہ کی کھال خشک ہو کر اتر گئی اور اسے اتنا پسینہ آیا کہ سر سے پاؤں تک نہا گیا' اس کے بعد جس میں کوئی بیماری باقی نہ رہی' کندن سا نکل آیا۔ حاسب نے کہا اب حمام جانا ضروری ہے اور اسے حمام لے جا کر خوب نہلایا' دھلایا۔ جب وہ نکلا تو اس کا بدن چاندی کے پتر کی طرح تھا۔ مختصر یہ کہ وہ تندرست ہو گیا اور اس کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہو گئی۔ اب وہ بہترین پوشاک پہن کر تخت پر بیٹھا اور حاسب کریم الدین سے اپنے پاس بیٹھنے کو کہا۔ وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ دستر خوان بچھایا جائے۔ دستر خوان بچھا تو دونوں نے کھایا اور ہاتھ دھوئے۔ بعد ازاں بادشاہ نے حکم دیا کہ شراب لائی جائے۔ شراب آئی تو دونوں نے پی۔ وزیروں' لشکر والوں' حکومت کے بڑے لوگوں اور رعایا کے رئیسوں نے آ کر اسے سلامتی اور تندرستی پر مبارک باد دی۔ نقارے بجے اور بادشاہ کی سلامتی کی خوشی میں شہر سجایا گیا۔ جب سب لوگ مبارک باد کے لیے حاضر ہوئے تو بادشاہ نے کہا اے وزیرو' امیرو' اور سردارو! یہ ہے حاسب کریم الدین جس نے میری بیماری کا علاج کیا ہے اس لیے سن رکھو کہ میں اسے وزیر شمہور کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## پانچ سو چھتیسویں رات

جب پانچ سو چھتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ بادشاہ نے کہا میں حاسب کریم الدین کو وزیر شمہور کی بجائے بڑا وزیر بناتا ہوں جو اس سے محبت کرے گا اس نے گویا مجھ سے محبت کی' جو اس کی عزت کرے گا اس نے گویا میری عزت کی' اور جو اس کا فرمانبردار ہے وہ گویا میرا فرمانبردار ہے۔ سب نے کہا سر آنکھوں پر اور اٹھ کر حاسب کریم الدین کا ہاتھ چوما' اسے سلام کیا اور اس کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی۔ بادشاہ نے اسے ایک ایسا بے بہا خلعت عطا کیا جو سرخ سونے کے تاروں سے بنا ہوا تھا اور جس میں ایسے ایسے موتی اور ہیرے ٹنکے ہوئے تھے کہ ان میں سے سب سے چھوٹے ہیرے کی قیمت پانچ ہزار دینار تھی۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے اسے تین سو غلام دیئے اور تین سو کنیزیں اور جو چودھویں رات کے چاند کی طرح خوبصورت تھیں' تین سو حبشی کنیزیں' پانچ سو خچر جن کے اوپر مال لدا ہوا تھا اور اتنے مویشی' بھیڑ' بکریاں' بھینیس اور گائے بیل دیئے جن کے بیان سے زبان عاجز ہے۔ ساتھ ہی بادشاہ نے وزیروں' امیروں' ملک کے سرداروں' حکومت کے بڑے لوگوں اور اپنے غلاموں بلکہ تمام رعایا کو حکم دیا کہ اسے ہدیئے بھیجیں۔ اب حاسب کریم الدین سوار ہو گیا اور وزیر' امیر حکومت کے سردار اور سارا لشکر سوار ہو کر اسے اس محل میں لے گئے جو بادشاہ نے اس کے لیے خالی کرایا تھا۔ وہاں جا کر وہ کرسی پر بیٹھا' امیروں' وزیروں نے آ کر اس کے ہاتھ چومے۔ وزیر ہونے پر اسے مبارک باد دی اور اس کی خدمت میں کھڑے ہو گئے۔

حاسب کی ماں نہال نہال تھی۔ اس نے بھی بیٹے کے وزیر ہونے پر مبارک باد دی اور اس کے گھر والوں نے آ کر سلامتی اور وزارت پر خوشیاں منائیں۔ پھر وہ سوار ہو کر وزیر شمہور کے محل پر پہنچا' اس پر اپنی مہر لگائی' اس کا سارا سامان ضبط کر لیا اور

اسے اپنے گھر بھیج دیا۔ یا تو اس کی یہ حالت تھی کہ علوم جاننا تو درکنار اسے پڑھنا تک نہ آتا تھا یا اب وہ خدا کی قدرت سے تمام علوم کا عالم ہو گیا۔ اب کے علم و حکمت کا چرچا سارے ملک میں ہونے لگا۔ طب ہیئت' ہندسہ' نجوم' کیمیا' سیمیا' اور روحانیت وغیرہ میں اس کی شہرت ہو گئی۔

ایک دن اس نے اپنی ماں سے کہا اماں! میرا باپ دانیال عالم فاضل تھا' بتا کہ اس نے کیا کیا کتابیں چھوڑی ہیں۔ یہ سن کر اس کی ماں وہ صندوق لے کر آئی جس میں ان کتابوں کے جو سمندر میں ڈوب گئی تھیں' بچے کھچے پانچ ورق رکھے ہوئے تھے اور اس سے کہنے لگی کہ سوا ان پانچ ورقوں کے جو اس صندوق میں ہیں' تیرے باپ نے اور کوئی کتاب نہیں چھوڑی۔ حاسب نے صندوق کھول کر وہ پانچ ورق نکالے اور انہیں پڑھ کر ماں سے کہنے لگا اماں یہ پانچ ورق تو ایک کتاب کا حصہ ہیں' باقی کتاب کہاں ہے؟ اس نے کہا تیرے باپ نے ساری کتابیں لے کر سمندر کا سفر کیا تھا' کشتی ٹوٹ گئی اور سب کتابیں ڈوب گئیں۔ خدا نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا مگر اس کی کتابوں میں سے سوائے ان پانچ ورقوں کے کچھ نہ بچا۔ جب تیرا باپ سفر سے لوٹا تو میرے پیٹ میں تھا' اس نے کہا ممکن ہے کہ تیرے ہاں بیٹا پیدا ہو' لہٰذا ان ورقوں کو لے کر اپنے پاس حفاظت سے رکھ لے۔ جب وہ بڑا ہو اور پوچھے کہ میں نے کیا ترکہ چھوڑا ہے تو اسے یہ دیجیو کہ تیرے باپ نے سوائے اس کے اور کچھ نہیں چھوڑا۔ وہ پانچ ورق یہی ہیں۔ اب حاسب کریم الدین سارے علومو میں ماہر ہو گیا اور بیٹھ کر کھانے پینے اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا یہاں تک کہ مزوں کو کرکرا اور صحبتوں کو تتر بتر کرنے والی موت آ پہنچی۔

شہر زاد نے کہا یہ کہانی سند باد کی کہانی سے زیادہ دلچسپ نہیں ہے۔ بادشاہ نے پوچھا' وہ کیا ہے؟

- سند باد کی کہانی

شہر زاد بولی' امیر المومنین خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں ایک شخص بغداد کا رہنے والا سند باد نام حمال تھا۔ بہت غریب' سر پر سامان رکھ کر ڈھویا کرتا تھا۔ ایک دن ایسا اتفاق ہوا کہ وہ ایک بھاری بوجھ لیے جا رہا تھا' گرمی سخت پڑ رہی تھی۔ بوجھ نے اسے تھکا دیا' پسینے پسینے ہو گیا۔ اسی حالت میں اس کا گزر ایک سوداگر کے دروازے پر ہوا' جہاں جھاڑو دی ہوئی تھی' چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ دروازے کے پہلو میں ایک چوڑا چبوترا دیکھا' وہاں حمال نے اپنا ہاتھ بوجھ اتار دیا' دم لینے اور ستانے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سینتیس ویں رات

جب پانچ سو سینتیس ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب حمال اپنا بوجھ چبوترے پر اتار کر ستانے اور دم لینے لگا تو اسے دروازے سے ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اور تیز تیز خوشبو آنے لگی۔ حمال کو اس میں اتنا لطب آیا کہ وہ چبوترے کے ایک کنارے بیٹھ گیا۔ اسے مکان کے اندر سے رباب اور سارنگی کے نغمے گانے اور طرح طرح کی شعر خوانی کی آوازیں سنائی دیں۔ اس کے علاوہ اس کے کان میں قمریوں' بلبلوں' کلچڑوں' فاختاؤں اور چکوروں کی آوازیں بھی پڑیں جو قسم قسم کے راگوں اور طرح طرح کی بولیوں میں چہچہا رہی تھیں اور خدا کی پاکی بیان کر رہی تھیں۔ اس پر اسے تعجب ہوا اور مزہ بھی آیا۔ آگے بڑھ کر دیکھا تو مکان کے اندر ایک بہت بڑا باغ ہے' اس میں غلام' نوکر چاکر اور ایسی ایسی چیزیں ہیں جو بادشاہوں اور سلطانوں کے علاوہ کہیں نہیں ہوتیں۔ پھر اسے طرح طرح کے عمدہ اور لذیذ کھانوں اور نفیس نفیس شرابوں کی خوشبو آنے لگی۔ اس نے اپنی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھا کر کہا پاک ہے تو اے پروردگار! اے خالق! تو جسے چاہتا ہے بے پوچھے روزی دیتا ہے۔ خداوندا! میں تمام گناہوں کی معافی مانگتا اور سارے عیبوں سے توبہ کرتا ہوں۔ اے پروردگار! تیرے حکم اور تیری قدرت پر کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا' تیری کاروائیوں کی کوئی باز پرس نہیں تو ہر چیز قادر ہے' تو پاک ہے' جسے چاہتا ہے تو میرا بنا دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب کرتا دیتا ہے' تو جسے چاہتا ہے ذلت میں گرفتار کرتا ہے' اگر کوئی پرستش کے قابل ہو سکتا ہے تو وہ تو ہی ہے' تیری شان کیسی بڑی اور تیری قدرت کیسی قوی ہے اور تیری تدبیریں کیسی عمدہ ہیں! تو اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے نعمتیں دیتا ہے۔ اسی مکان کو دیکھ کر اس کا مالک نعمتوں میں ڈوبا ہوا ہے اور طرح طرح سے عمدہ خوشبوؤں اور مزیدار کھانوں اور قیمتی شرابوں کا لطف اٹھا رہا ہے۔ تو نے اپنی مخلوق کے

لیے جو چاہا حکم دے دیا اور ان کی قسمت میں لکھ دیا۔ ان میں تھکے ہارے بھی ہیں اور آرام کرنے والے بھی۔ ان میں خوش قسمت بھی ہیں اور وہ بھی جو میری طرح انتہائی تکلیف اور ذلت سے بسر کرتے ہیں۔

اپنے دل میں یہ کہہ کر سند باد حمال نے ارادہ کیا کہ اپنا بوجھ اٹھائے اور چلتا ہو۔ اتنے میں دروازے سے ایک کمسن غلام نکلا۔ جس کا چہرہ خوبصورت' سج دھج پیاری اور لباس قیمتی تھا۔ اس نے حمال کا ہاتھ پکڑ کر کہا میرے آقا کے پاس اندر چل' وہ تجھے بلا رہا ہے۔ حمال نے چاہا کے غلام کے ساتھ اندر نہ جائے لیکن یہ اس سے نہ ہو سکا اور وہ مکان کی دہلیز میں دربان کے پاس اپنا بوجھ ڈال غلام کے ساتھ اس مکان میں داخل ہو گیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ عجیب خوبصورت مکان ہے۔ اس سے محبت اور شان ٹپکتی ہے۔ اس کی نظر ایک مجلس پر پڑی جس میں اسے بڑے بڑے لوگ دکھائی دیئے جہاں طرح طرح کے پھول' خوشبوئیں' میوے' پھل' قسم قسم کے بہت سے کھانے اور انگوروں کی خاص خاص شرابیں موجود تھیں۔ وہاں باجے بھی تھے۔ طرح طرح کی خوبصورت کنیزیں بھی اور تمام چیزیں ترتیب کے ساتھ اپنی اپنی جگہ رکھی ہوئی تھیں۔ صدر میں ایک شاندار شخص بیٹھا ہوا تھا جس کے چہرے سے بڑھاپے کے آثار نمایا تھے۔ وہ نہایت خوش رو اور خوبصورت تھا۔ اس کے چہرے سے ہیبت اور وقار عزت اور افتخار ٹپکتا تھا۔ یہ دیکھ کر سند باد حمال ہکا بکا ہو گیا اور اپنے دل میں کہنے لگا خدا کی قسم یہ مکان جنت کا ایک حصہ ہے یا کسی بادشاہ یا سلطان کا محل ہے۔ اس نے ان لوگوں کو ادب سے سلام کیا' انہیں دعائیں دیں' ان کے آگے زمین چومی اور سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

- ## پانچ سو اڑتیسویں رات

پانچ سو اڑتیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سند باد حمال ان کے آگے زمین چوم کر اور سر نیچا کر کے ادب سے کھڑا ہو گیا تو مکان کے مالک نے اس سے کہا بیٹھ جا اور وہ بیٹھ گیا۔ پھر مالک نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس سے بڑے تپاک کے ساتھ باتیں کرنے لگا۔ اس کا خیر مقدم کیا اور اس کے آگے طرح طرح کے عمدہ اور نفیس کھانے پیش کئے۔

سند باد حمال آگے بڑھا' بسم اللہ کر کے کھانا شروع کیا اور اتنا کھایا کہ اس کا پیٹ بھر گیا۔ خوب سیر ہو کر اس نے خدا کا شکر ادا کیا۔ ہاتھ دھوئے اور حاضریں کی مہمان نوازی کی تعریفیں کیں۔ مالک مکان نے کہا کہ مرحبا روز بخیر! تیرا نام کیا ہے اور تو کیا پیشہ کرتا ہے؟ وہ بولا اے میرے آقا' میرا نام سند باد حمال ہے اور میں اجرت پر لوگوں کا سامان ڈھوتا ہوں' گھر کا مالک مسکرایا اور کہنے لگا اے حمال سن تو میرا ہم نام ہے' میرا نام سند باد بحری ہے لیکن اے حمال میں وہ اشعار سننا چاہتا ہوں جو تو نے دروازے پر پڑھے تھے۔ حمال نے شرما کر خدا کے لیے مجھ سے ناراض مت ہو کیونکہ تکلیف' مشقت اور ناداری انسان کو بے ادبی اور رذالت سکھا دیتی ہے۔ اس نے جواب دیا کہ شرمانے کی کیا بات ہے! اب تو تو میرا بھائی بن گیا ہے' وہ اشعار مجھے سنا دے کیونکہ جب میں نے انہیں سنا تھا تو وہ مجھے بھلے معلوم ہوئے تھے۔ حمام نے وہ اشعار دہرا دیئے اور مکان والا انہیں سن خوش ہو گیا اور مزے میں آ کر کہنے لگا کہ اے حمال تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ میری کہانی عجیب و غریب ہے' میں ابھی اپنی کہانی تجھے سنا دوں گا کہ اس دولت مندی تک پہنچنے اور اس مکان میں رہنے سے پہلے' جس میں تو مجھے دیکھ رہا ہے' مجھ پر کیا گزری ہے اور یہ کہ میں کن سخت محنتوں' مشقتوں اور کیسے کیسے خطروں کے بعد اس دولت اور اس مکان تک پہنچا ہوں۔ گزشتہ

زمانے میں' میں نے کیا کیا تکلیفیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں! میں نے سات سفر کئے ہیں۔ ہر سفر کی ایک عجیب و غریب داستان ہے جس میں عقل دنگ رہ جاتی ہے' یہ ساری باتیں قسمت میں بدیں تھیں اور قسمت کے لکھے سے کوئی بھاگ کر بچ نہیں سکتا۔

○ پہلے سفر کی کہانی

اے بزرگ اور محترم لوگو! میرا باپ سوداگر تھا' بہت بڑا سوداگر اور بہت بڑا آدمی۔ اس کے مال و دولت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ وہ مرا تو میں نادان بچہ تھا۔ اس نے میرے لیے بہت نقد و جنس' گاؤں جاگیریں چھوڑیں۔ جب میں بڑا ہوا تو میں نے اندھا دھند خرچ کرنا شروع کیا' اچھے اچھے کھانے کھائے' عمدہ عمدہ شرابیں پیں' نوجوانوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا' نفیس نفیس پوشاکیں پہنیں' یار دوستوں کے ساتھ سیریں کیں اور خیال کیا کہ میں ہمیشہ دولت سے اسی طرح فائدہ اٹھاتا رہوں گا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔ سمجھ آئی تو میں اپنی غفلت سے چونکا' ہوشیار ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ میرا سب مال خرچ ہو چکا ہے۔ حالت بدل چکی ہے اور جو کچھ میرے پاس تھا چک گیا ہے۔

میں ڈرا اور سہم گیا۔ وہ قصہ یاد آیا جو میں اپنے باپ سے سنا کرتا تھا کہ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام کا مقولہ ہے کہ تین چیزیں تین چیزوں سے بہتر ہیں: موت کا دن پیدائش کے دن سے' زندہ کتا مردہ شیر سے اور قبر مفلسی سے۔ یہ سوچ کر میں اٹھا اور جو کچھ بچ کھچا اور کپڑے لتے ہاتھ لگے' انہیں بیچا۔ اس کے بعد کھیت' الغرض جو کچھ میرے پاس رہ گیا تھا بیچ ڈالا اور تین ہزار درہم اکٹھے کر کے ملکوں کے سفر کرنے کی ٹھان لی۔

جب میں نے اپنے دل میں سفر کی ٹھان لی تو سوداگری کا سامان اور کچھ سفر کی ضروریات خریدیں۔ میرے دل نے مجھ سے کہا کہ سمندر کا سفر کرنا چاہیے اور میں سوداگروں کی ایک ٹولی کے ساتھ کشتی پر بیٹھ کر بصرے چل کھڑا ہوا اور دن رات سمندروں میں

سفر کرنے لگا۔ ہم ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے‘ ایک سمندر سے دوسرے سمندر‘ ایک ملک سے دوسرے ملک میں گزرتے اور جہاں پہنچے تو خرید و فروخت اور لین دین کرتے۔ سمندر کا سفر کرتے کرتے ہم ایک جزیرے میں پہنچے جو جزیرہ کیا جنت کے باغوں میں سے ایک باغ تھا۔ ناخدا نے وہاں کشتی روکی‘ لنگر ڈال دیئے‘ تختے بچھا دیئے اور سب لوگ کشتی سے جزیرے میں اتر گئے۔ جزیرے میں پہنچ کر انہوں نے چولہے بنائے‘ ان میں آگ جلائی اور مختلف کاموں میں لگ گئے۔ کوئی پکاتا‘ کوئی برتن کپڑے دھوتا اور کوئی سیر کرتا۔ میں ان لوگوں میں سے تھا جو جزیرے کے کنارے سیر کر رہے تھے اور سب لوگ کھانے پینے اور کھیل کود میں لگے ہوئے تھے۔ اتنے میں ناخدا نے کشتی کے کنارے کھڑے ہو کر زور سے آواز دی کہ اے لوگو‘ جلدی سے کشتی میں سوار ہو جاؤ‘ سوار ہونے میں دیر نہ لگاؤ‘ اپنا سامان چھوڑ دو‘ جان لے کر بھاگو اور تباہی سے بچ کر سلامتی میں آؤ۔ یہ جزیرہ جس پر تم موجود ہو جزیرہ نہیں بلکہ ایک بڑی مچھلی ہے و بیچ سمندر میں اوپر آ گئی ہے اور اس پر مٹی جمع ہو کر وہ جزیرے کی طرح ہو گئی ہے۔ اس پر درخت اگ آئے ہیں۔ جب تم نے اس پر آگ جلائی تو اس کی گرمی سے وہ ہلی۔ اب وہ غوطہ مارنے والی ہے۔ اس نے سمندر میں غوطہ مارا تو سب ڈوب جاؤ گے لہٰذا اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو انتالیسویں رات

جب پانچ سو انتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ جب ناخدا نے چلا کر کشتی والوں سے کہا کہ اپنی جان بچاؤ ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور سامان کو پڑا رہنے دو اور کشتی والوں نے ناخدا کی آواز سنی تو وہ سارا سامان چھوڑ کر کشتی پر سوار ہونے کے لیے دوڑے۔ بعض تو کشتی تک پہنچ گئے اور بعض ابھی پہنچنے نہ پائے تھے کہ جزیرے کو حرکت ہوئی اور وہ ان تمام چیزوں سمیت جو اس پر تھیں' سمندر کی تھاہ میں چلا گیا اور متلاطم اور موج زن سمندر اوپر سے مل گیا۔ میں بھی ان لوگوں میں سے تھا جو بچھڑ گئے تھے اور انہی کے ساتھ ڈوب چلا تھا لیکن خدا نے مجھے بچا لیا اور ڈوبنے سے نجات دی۔ لکڑی کا ایک بڑا تختہ عنایت کیا جس پر بیٹھ کر لوگ نہاتے تھے۔ میں اسے پکڑ کر اس پر سوار ہو گیا کیونکہ جان عزیز تھی' چپوؤں کی طرح دونوں پاؤں پانی میں چلاتا رہا اور موجیں مجھے ادھر ادھر پھینکتی رہیں۔ ناخدا کشتی کے بادبان کھول کر ان لوگوں کے ساتھ جو کشتی میں تھے' چلتا بنا اور جو ڈوب گئے تھے ان کی طرف بالکل توجہ نہ کی۔ میں کشتی کی طرف برابر دیکھا کیا یہاں تک وہ نظر سے غائب ہو گئی اور مجھے اپنی موت کا یقین آ گیا۔ اسی حالت میں رات ہو گئی' میں تختے کو پکڑے رہا اور ایک رات اور ایک دن اسے نہ چھوڑا۔ آخر ہوا اور موجوں کی مدد سے میں ایک بلند جزیرے کے پاس جا پہنچا جس کے درخت پانی میں جھکے ہوئے تھے اور اگرچہ میں مرنے کے قریب تھا لیکن ہمت کر کے میں نے ایک اونچے درخت کی شاخ پکڑ لی اور اس سے لٹک گیا اور لٹکتے لٹکتے جزیرے پر جا اترا۔ اب مجھے محسوس ہوا کہ میری ٹانگیں سوج گئی ہیں اور اندر کی طرف کسی مچھلی نے کاٹ کھایا ہے تاہم اپنی مصیبت اور پریشانی کی وجہ میں نے اس کی کچھ پروا نہ کی' مردے کی طرح جزیرے میں گر پڑا

اور مجھے یہ معلوم نہ ہوا کہ میں ہوں بھی کہ نہیں۔ اتنا میں سہا ہوا تھا دوسرے دن تک میری یہی حالت رہی جب میرے اوپر دھوپ آئی اور مجھے ہوش آیا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاؤں سوج گئے ہیں لیکن اسی حالت میں' میں چل کھڑا ہوا' کبھی لنگڑاتا ہو چلتا اور کبھی اکڑوں بیٹھ جاتا۔ اس جزیرے میں بے شمار میوے اور کئی میٹھے پانی کے چشمے تھے۔ میں نے پھل کھا کھا کر اپنے دن گزارے۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی' جان میں جان آئی' زندگی دوبارہ ملی' چلنے پھرنے کی طاقت آ گئی تو میں اپنی حالت پر غور کرنے اور جزیرے میں پھرنے اور خدا کے پیدا کئے ہوئے درختوں کے درمیان سیر کرنے لگا۔ میں نے ایک درخت کی لکڑی سے ایک لاٹھی بنائی جس کے سہارے میں چلا کرتا۔

اسی طرح چلتے پھرتے جزیرے میں گھومتے گھامتے دور سے مجھے کوئی چیز دکھائی دی۔ میرا خیال ہوا یا تو وہ کوئی جنگلی جانور ہے یا سمندر کے چارپایوں میں سے کوئی چارپایہ۔ میں اس کی طرف بڑھا۔ غور سے دیکھنے پر معلوم ہوا وہ ایک بہت بڑا گھوڑا ہے جو سمندر کے کنارے بندھا ہوا ہے۔ میں اس کے پاس پہنچا تو وہ زور سے ہنہنانے لگا۔ میں ڈر کر لوٹنے والا ہی تھا کہ زمین کے نیچے سے ایک شخص نکلا اور میری طرف بڑھ کر پوچھا تو کون ہے' کہاں سے آیا ہے اور یہاں آنے کی کیا وجہ ہے؟ میں نے کہا اے میرے آقا میں ایک پردیسی ہوں' کشتی میں جا رہا تھا کہ ایک حادثہ پیش آیا۔ کچھ میرے ساتھی کشتی میں سوار ہو کر بھاگ گئے' کچھ ڈوب گئے' میں بھی ڈوبنے والوں میں تھا کہ ایک تختہ لگ گیا۔ میں اس پر سوار ہو گیا اور اس نے مجھے بہا کر میری جان بچائی اور موجوں نے مجھے اس جزیرے میں لا پھینکا۔ جب اس نے میری یہ باتیں سنیں تو میرا ہاتھ پکڑ کر بولا کہ میرے ساتھ چل۔ مجھے لیے لیے وہ ایک تہہ خانے میں اترا جو زمین کے نیچے تھا اور ایک بڑے کمرے کے اندر پہنچ کر مجھے اس کے صدر میں بٹھا دیا اور میرے لیے کھانا لے آیا۔ بھوکا تو میں تھا ہی میں نے خوب پیٹ بھر کر کھایا۔ اچھی طرح سیر ہو گیا اور میرے دل کو اطمینان ہوا تو اس نے کہا اب تو

اول سے آخر تک اپنا سارا قصہ مجھ سے بیان کر۔
میں نے شروع سے لے کر آخر تک سب کچھ کہہ سنایا' وہ میری سرگزشت سنتا جاتا اور حیرت سے مجھے دیکھتا جاتا۔ میں اپنی کہانی سنا چکا تو میں نے کہا اے میرے آقا مجھے معاف کر' میں نے اپنے سارے واقعات اور تمام ماجرا تجھے سنا دیا۔ اب میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ تو کون ہے اور تہہ خانے کے اس کمرے میں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور سمندر کے پاس گھوڑا کس لیے باندھ رکھا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ ہم کئی شخص ہیں جو اس جزیرے میں ہر طرف پھیلے ہوئے ہیں۔ مہرجان ایک بادشاہ ہے اس کے گھوڑوں کی دیکھ بھال ہمارے کام ہیں۔ ہمیں اس کا سائیس سمجھو۔ ہمارے ماتحت اس کا سارا اصطبل ہے۔ ہر چاند رات کو ہم اصیل باکرہ گھوڑیاں لا کر اس جزیرے میں باندھ دیتے ہیں اور اس کمرے میں تہہ خانے کے اندر چھپ جاتے ہیں تاکہ کوئی ہمیں دیکھ نہ سکے۔ ان گھوڑیوں کی بو سونگھ کر سمندر کے گھوڑے خشی پر آتے ہیں اور ادھر ادھر دیکھتے ہیں کہ کوئی ہے تو نہیں اور جب انہیں کوئی نظر نہیں آتا تو ان میں سے ہر گھوڑا ہماری گھوڑیوں میں سے ایک گھوڑی سے مل جاتا ہے۔ گھوڑیوں کو گیا بھن کرنے کے بعد وہ چاہتے ہیں کہ انہیں اپنے ساتھ لے جائیں مگر بندھے ہونے کی وجہ سے وہ گھوڑیاں ان کے ساتھ نہیں جا سکتیں۔ گھوڑے ہنہناتے ہیں۔ اپنے سر اور ٹانگوں سے انہیں مارتے ہیں اور شور مچاتے ہیں۔ شور سن کر ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارا کام ہو گیا۔ ہم سب شور مچاتے ہوئے نکل پڑتے ہیں اور وہ ہم سے ڈر کر سمندر میں اتر جاتے ہیں۔ گھوڑیاں ان سے گیا بھن ہو جاتی ہیں اور ان سے بچھڑی یا بچھڑا جو پیدا ہوتا ہے اس کا کیا کہنا' نہ صورت شکل میں اس کا جواب ہے نہ قیمت میں۔ اب گھوڑوں کے نکلنے کا وقت آ گیا ہے اور اپنے کام سے فرصت پا کر اگر خدا نے چاہا تو ہم تجھے اپنے بادشاہ مہرجان کے اس لے چلیں گے۔
اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو چالیسویں رات

جب پانچ سو چالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سائیس سند باد بحری سے بولا کہ میں تجھے بادشاہ مہرجان کے پاس لے جاؤں گا اور تجھے اپنے ملک کی سیر کراؤں گا۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ اگر ہم تجھے نہ مل گئے ہوتے تو تجھے اس جگہ اور کوئی نہ ملتا اور تو تکلیفیں اٹھا اٹھا کر مر جاتا اور کسی کو تیری خبر تک نہ ہوتی۔ میری وجہ سے تو زندہ رہ کر اپنے وطن پہنچ جائے گا۔ سند باد نے کہا کہ یہ سن کر میں نے اسے دعائیں دیں' اس کی مہربانی اور احسان کا شکر گزار ہوا۔ ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ ایک گھوڑا سمندر میں سے نکلا اور زور سے ہنہنا کر گھوڑی سے منہ ملاتے ملاتے اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ فارغ ہو کر چاہتا تھا کہ گھوڑی کو اپنے ساتھ لے جائے مگر نہ لے جا سکا اور گھوڑی زمین پر ٹاپیں مارنے اور ہنہنانے لگی۔ یہ سن کر سائیس تلوار اور ڈھال لے کر کمرے سے باہر نکل آیا اور اپنے ساتھیوں سے چلا کر کہا چلو گھوڑے کو مار کر بھگاؤ اور تلوار کو ڈھال پر مارنے لگا۔ اتنے میں ساری ٹولی چلاتی ہوئی آ پہنچی اور گھوڑا ڈر کر بھاگا اور بھینس کی طرح سمندر میں اتر گیا۔ وہ سائیس تھوڑی ہی دیر بیٹھا ہو گا کہ اس کے ساتھی بھی ایک ایک گھوڑی لیے آ پہنچے اور مجھے دیکھ کر پوچھا کہ یہ کون ہے؟ میں نے ان کے سامنے بھی اپنی ساری سر گزشت بیان کر دی۔ وہ میرے قریب آئے اور دسترخوان بچھا کر کھانا کھانے لگے اور مجھے قسم دی کہ میں بھی کھاؤں۔ میں نے بھی کھایا۔ اس کے بعد وہ اٹھے اور گھوڑیوں پر سوار ہو گئے' مجھے بھی ایک گھوڑی پر سوار کر کے اپنے ساتھ لے لیا۔

ہم سب روانہ ہو گئے اور چلتے چلتے بادشاہ مہرجان کے ملک میں جا پہنچے۔ انہوں نے بادشاہ کی خدمت میں جا کر میرا سارا ماجرا بیان کیا۔ بادشاہ نے مجھے بلوایا۔ جب بادشاہ کے سامنے میں کھڑا کیا گیا تو میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دیا' مزاج

پوچھا اور عزت کے ساتھ میرا خیر مقدم کیا۔ پھر فرمایا کہ میں تمہاری زبان سے تمہارا حال پوچھنا چاہتا ہوں۔ میں نے شروع سے لے کر آخر تک تمام باتیں بیان کر دیں جو میرے اوپر گزری تھیں یا جو میں نے دیکھا تھا۔ میرا سارا ماجرا سن کر اسے بڑا تعجب ہو اور وہ کہنے لگا بیٹا خدا کی قسم تجھ پر بڑی خیریت گزری۔ اگر تیری قسمت میں اور جینا ہوتا تو ان تکلفیوں سے نہ بچتا۔ خدا کا شکر ہے کہ تو صحیح و سلامت رہا۔ یہ کہہ کر اس نے میرے اوپر بڑی مہربانی کی' بڑا احترام کیا' مجھے اپنے قریب بٹھایا' میرے ساتھ بڑی دل دہی کی باتیں کیں اور مجھے سمندر کی چنگی کا والی تمام کشتیوں کا منشی بنا دیا جو بندرگاہ میں آتی تھیں۔ میں وہاں اس کی خدمت کرتا رہا اور وہ میری آؤ بھگت' اور ہر طرح سے فائدہ پہنچاتا۔ اس نے مجھے عمدہ عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہننے کو دیں اور سفارش کرنے اور لوگوں کو فائدہ پہنچانے والوں میں' میں پیش پیش ہو گیا۔ اسی طرح ایک مدت تک میں اس کی ملازمت میں رہا۔ جب کبھی میں بندر گاہ کی طرف جاتا تو مسافر سوداگروں اور ملاحوں سے پوچھتا کہ بغداد شہر کس طرف ہے تاکہ اگر کوئی اس کا پتا بتا سکے تو میں بھی اس کے ساتھ چلا جاؤں اور اپنے وطن پہنچ جاؤں لیکن نہ کوئی اسے جانتا تھا نہ کسی ایسے شخص سے واقف جو وہاں جاننے والا ہو۔ مجھے اس پر سخت حیرت تھی' پردیس میں رہتے رہتے اکتا گیا۔ ایک مدت تک ایسی حالت میں گزارنے کے بعد میں ایک روز مہرجان کے پاس گیا دیکھا کہ وہاں بہت سے ہندو بیٹھے ہوئے۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا' اور میرا وطن پوچھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو اکتالیسویں رات

جب پانچ سو اکتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری نے کہا کہ جس وقت میں نے ان کا وطن پوچھا تو انہوں نے کہا کہ وہ مختلف قوموں میں سے ہیں' بعض ان میں سے شاکریہ ہیں جو سب سے زیادہ شریف مانے جاتے ہیں اور کسی پر زور اور زبردستی نہیں کرتے اور ان میں سے ایک جماعت برہمنوں کی ہے اور وہ لوگ ہیں جو کبھی شراب نہیں پیتے مگر عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے ہیں اور اونٹ' گھوڑے اور مویشی پالتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے یہ بھی کہا کہ ہندوؤں کے بہتر فرقے ہیں۔ یہ سن کر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔

مہرجان کی بادشاہت میں ایک جزیرہ ہے جس کا نام کاسل ہے۔ وہاں رات بھر ڈھول اور تاشوں کی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ جزیرے والے اور مسافروں کا بیان ہے کہ وہاں کے لوگوں عقل مند اور سمجھ دار ہوتے ہیں۔ اس سمندر میں ایک مچھلی دیکھی جس کی لمبائی سو گز تھی اور ایک ایسی مچھلی بھی جس کا چہرہ الو کی طرح کا تھا۔ اس سفر میں' میں نے انتی عجیب و غریب چیزیں دیکھیں کہ اگر سب کو تفصیل کے ساتھ بیان کروں تو وہ بہت لمبی چوڑی کہانی ہو جائے گی۔

غرض کہ میں اسے جزیرے کی سیر اور وہاں کی چیزیں دیکھا کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ میں اپنی عادت کے موافق اپنی لاٹھی لیے سمندر کے کنارے کھڑا ہوا تھا کہ ایک بڑی کشتی سامنے آئی جس میں بہت سے سوداگر تھے۔ جب یہ کشتی بندرگاہ میں پہنچی اور کنارے پر آ کر لگی تو ناخدا نے اس کے بادبان لپیٹ دیئے' اسے خشکی کے قریب باندھ دیا' تختے لگا دیئے اور ملاحوں نے کشتی کا سارا سامان نکال کر خشکی پر رکھ دیا اور میں انہیں کھڑا دیکھتا رہا۔ اس کے بعد میں نے ناخدا سے پوچھا کہ تیری کشتی میں اور کوئی چیز تو باقی نہیں رہی؟ اس نے کہا اے میرے آقا' ہاں' کشتی کے اندر کچھ

اور سامان ہے لیکن اس کا مالک جو ہمارے ساتھ تھا ایک جزیرے کے قریب ڈوب گیا ہے اور ہم سمندر میں آگے بڑھ آئے۔ اس کا سامان ہمارے پاس امانت کے طور پر ہے۔ ہمارا ارادہ کہ ہم اسے بیچ کر اس کے دام اس کے اہل و عیال کو بغداد دارالسلام میں پہنچا دیں۔ میں نے کہا سامان والے کا نام کیا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ سند باد بحری اور وہ ہمارے ساتھ تھا۔ مگر سمندر میں ڈوب گیا۔ میں نے اس کی یہ باتیں سنیں تو اسے غور سے دیکھنے لگا اور اسے پہچان لیا۔ زور سے چیخ ماری اور کہا اے ناخدا' جس سامان کا تو نے ذکر کیا ہے اس کا مالک میں ہوں اور میں ہی سندباد بحری ہوں جو سوداگروں کے ساتھ جزیرے سے اترا تھا اور جب اس مچھلی کو حرکت ہوئی جس پر ہم تھے اور تو نے ہمیں آواز دی تھی کچھ مسافر کشتی پر سوار ہو گئے اور باقی ڈوب گئے۔ میں بھی انہی ڈوبنے والوں میں تھا لیکن خدا کی مدد سے میرے ہاتھ وہ کھوکھلا تختہ لگ گیا جس پر کشتی والے نہایا کرتے تھے اور میں صحیح و سلامت رہا' ڈوبنے سے بچ گیا۔ اس تختے پر بیٹھ کر میں دونوں پاؤں مارنے لگا پھر ہوا اور لہروں کی مدد سے میں اس جزیرے پر پہنچ گیا۔ اس کے بعد خدا نے اپنی عنایت کی اور مجھے بادشاہ مہرجان کے آگے پیش کیا۔ میں نے اس سے اپنا سارا ماجرا بیان کیا' وہ میرے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آیا اور مجھے اس بندرگاہ کا منشی بنا دیا۔ میں نے اس کی خدمت سے بڑا فائدہ اٹھایا' یہاں تک کہ وہ میری سفارش ماننے لگا۔ یہ سامان جو تیرے ساتھ ہے' میرا سامان ہے اور میری ملکیت ہے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو بیالیسویں رات

پانچ سو بیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سند باد بحری نے ناخدا سے کہا کہ جو سامان تیرے ساتھ ہے۔ میرا سامان ہے' میری ملکیت ہے تو ناخدا نے لاحول پڑھی اور کہا کہ اب کسی میں بھی امانت اور ذمے داری کا احساس باقی نہیں رہا۔

سند باد کا بیان ہے کہ میں نے کہا کہ اے ناخدا اس کے کیا معنی؟ کیا تو نے بھی میرا قصہ نہیں سنا جو میں نے بیان کیا ہے۔ ناخدا بولا میں نے تجھ سے کہا نہ تھا کہ میرے ساتھ ایک کشتی والے کا سامان ہے جو ڈوب چکا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا مال ناحق لے لے۔ یہ تیرے لیے حرام ہے۔ ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے ڈوبتے ہوئے دیکھا ہے اس کے ساتھ ہماری کشتی کے اور بھی بہت لوگ تھے جن میں سے ایک بھی نہیں بچا پھر تو کیوں کر دعوئی کر سکتا ہے کہ سامان کا مالک تو ہے! میں نے کہا اے ناخدا! میرا قصہ سن اور میری بات سمجھ تا کہ میرا سچ تجھ پر ظاہر ہو جائے' جھوٹ بولنا منافقوں کا شیوہ ہے۔ اس کے بعد میں نے ناخدا کو وہ ساری چیزیں بتائیں جو بغداد سے چلتے وقت میرے ساتھ تھیں اور جزیرے میں پہنچنے تک میری رہیں جہاں ہم ڈوبے تھے اور اس سے چند باتیں بھی کیں جو میرے اور اس کے درمیان پیش آئی تھیں۔

یہ سن کر ناخدا اور سوداگروں کو میری باتوں کا یقین آ گیا اور انہوں نے مجھے پہچان لیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ خدا کی قسم ہمیں یقین نہ تھا کہ تو ڈوبنے سے بچ گیا ہے لیکن خدا نے تجھے دوبارہ زندگی دی ہے۔

اس کے بعد انہوں نے میرا سامان مجھے دے دیا اور میں نے دیکھا کہ ان سب پر میرا نام لکھا ہوا ہے اور ان میں سے کوئی چیز بھی کم نہیں ہے۔ میں نے سامان کھول کر اس میں سے بعض نفیس اور قیمتی چیزیں نکالیں اور ملاحوں کے ساتھ لے کر انہیں بادشاہ

کو بطور ہدیے کے پیش کیا اور بادشاہ سے کہا یہی وہ کشتی ہے جس میں' میں تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ میرا سارا مال مجھے مل گیا۔ بادشاہ کو بڑا اچنبھا ہوا اسے یقین آ گیا کہ جو کچھ میں نے کہا تھا اس میں کوئی بات جھوٹ نہ تھی تو مجھ سے زیادہ محبت کرنے لگا۔ مجھ پر بڑی مہربانی کی اور میرے ہدیئے کے بدلے میں مجھے بہت سی چیزیں دیں۔

میں نے اپنا مال اور سامان بیچا اور اس میں مجھے بڑا فائدہ ہوا۔ پھر میں نے اس شہر سے سوداگری کا بہت سا مال اور سامان خریدا اور جب کشتی کے سوداگروں نے سفر کا ارادہ کیا تو میں نے بھی اپنا سامان اس میں لاد دیا اور بادشاہ کے پاس جا کر اس کی مہربانیوں اور احسانوں کا شکریہ ادا کیا اور اس سے اپنے وطن اور اہل و عیال کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ اس نے چلتے وقت اپنے شہر کی بہت سی سوغاتیں مجھے عطا کیں اور مجھے رخصت کیا۔ میں اس سے رخصت ہو کر کشتی پر سوار ہو گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل پڑے۔ خوش قسمتی نے ہمارا ساتھ دیا' تقدیر نے مدد کی اور ہم دن رات چلتے چلتے سلامتی کے ساتھ بصرے پہنچ گئے۔ وہاں اتر کر ہم کچھ دن ٹھہرے میں خوش تھا کہ جیتا جاگتا اپنے ملک میں پہنچ گیا۔ اس کے بعد میں اپنا مال اور اسباب لے کر جو بہت زیادہ اور بے حد قیمتی تھا' دارالسلام بغداد گیا اور گھر پہنچا۔ میرے گھر والے اور یار دوست جمع ہو گئے۔ پھر میں نے اپنے لیے نوکر چاکر' گورے کالے غلام اور کنیزیں خریدیں یہاں تک کہ میرا گھر بھر گیا اور میں نے پہلے سے بھی زیادہ مکان اور کوٹھیاں اور جائیدادیں خریدیں اور یاروں میں اٹھنا بیٹھنا شروع کیا۔ پردیس کا رہنا' مشقتیں اور سفر کے خطرے سب خواب و خیال ہو گئے۔ عیش و عشرت' کھانے پینے اور راگ رنگ میں مشغول ہو گیا۔ ایک مدت تک یہی حالت رہی۔ یہ ہے میرا پہلا سفر۔ اگر خدا کو منظور ہے تو کل میں اپنے سات سفروں میں سے دوسرے سفر کا حال سناؤں گا۔

اپنی پہلی داستان سنا کر سند باد بحری نے سند باد بری کو اپنے ساتھ شام کو کھانا کھلایا' اسے سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور کہا کہ تو نے آج ہمیں بہت ممنون کیا۔ حمال نے بڑے شکریے کے ساتھ جو کچھ اس نے دیا تھا لے لیا اور اپنے گھر روانہ ہوا۔

راستے میں وہ یہ سوچتا تھا کہ انسانوں پر کیا کیا گزر جاتی ہے اور تعجب کرتا جاتا تھا۔ رات کو وہ اپنے گھر سویا' جب دن نکلا تو وہ پھر سند باد بحری کے گھر پہنچا۔ سند باد بحری نے اس کی بہت خاطر کی' اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آ گئے تو اس نے ان کے سامنے کھانا پینا پیش کیا' وہ بہت خوش ہوئے اور انہیں بڑا لطف آیا۔

اب سند باد بحری نے اپنا قصہ شروع کیا کہ:

- دوسرے سفر کی کہانی

اے میرے بھائیو' سنو! جیسا کہ میں نے کل کہا تھا' میں نہایت عیش و عشرت اور مزے کے ساتھ زندگی بسر کر رہا تھا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کے اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو تینتالیسویں رات

پانچ سو تینتالیسویں رات ہوئی تو شہر زاد نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سند باد بحری کے ہاں اس کے دوست جمع ہو لیے تو اس نے ان سے کہنا شروع کیا کہ عیش و عشرت سے دن گزار رہا تھا اسی اثناء میں ایک دن میرے دل میں یہ سما گئی کہ گھر سے نکلنا چاہیے۔ ملک ملک کے سیر تماشے دیکھنے اور روزی کمانے کی لو لگی۔ یہ ٹھان کر میں نے اپنی تھیلیوں کے منہ کھولے اور قسم قسم کا مال و اسباب خرید کر دریا کے کنارے آ دھمکا۔ میں نے ایک نئی اور خوبصورت کشتی دیکھی جس کے بادبان نہایت نفیس کپڑے کے تھے اور جس میں بہت سے مسافر اور بہت سامان تھا۔ میں نے بھی اپنا اسباب اس پر لاد دیا اور کشتی اسی دن روانہ ہو گئی۔ سفر نہایت خوشگوار تھا۔ ہم ایک سمندر سے دوسرے سمندر اور ایک جزیرے سے دوسرے جزیرے میں چلے جا رہے تھے۔ جہاں کہیں ہم پہنچتے وہاں سوداگروں اور مالداروں اور خرید و فروخت کرنے والوں سے ملاقاتیں ہوتیں۔ وہاں کی چیزیں خریدتے اور اپنی بیچتے۔ اسی حالت میں قسمت ہمیں ایک خوبصورت جزیرے میں لے گئی جس میں بہت سے درخت' عمدہ عمدہ میوے' خوشبودار پھول' چہچہائی ہوئی چڑیاں اور صاف شفاف پانی کے چشمے تھے۔ لیکن کوئی اللہ کا بندہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیا۔ سوداگر اور دوسرے مسافر اس جزیرے میں اتر پڑے تاکہ وہاں کی بہار دیکھیں' میوے کھائیں اور پرندوں کے نغمے سنیں' اکلوتے اور زبردست خدا کی پاکی بیان کریں اور اس کی قدرت کے تماشائی بنیں۔ دوسروں کے ساتھ میں بھی جزیرے میں اتر گیا اور درختوں کے بیچ میں ایک چشمے پر جا بیٹھا۔ کھانا تو میرے پاس تھا ہی۔ دسترخوان بچھا کر اپنے مقدر کا رزق کھانے لگا۔ ہوا خوشگوار تھی اور چاروں طرف جنگل سنسان پیٹ بھر کر لیٹ گیا۔ نیند آ گئی اور میں وہیں سو گیا۔ آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ نہ وہاں آدم ہے نہ آدم زاد۔ کشتی مسافروں کو لے

کر چل دی۔ نہ کسی سوداگر کو میری یاد آئی۔ نہ کسی ملاح کو میرا دھیان آیا۔ سب مجھے جزیرے میں چھوڑ کر چل دیے۔ اب میں نے ادھر ادھر نگاہ دوڑائی مگر حق اللہ پاک ذات اللہ کے سوا کوئی نہ دکھائی دیا' اکیلا میں ہی تھا۔ مجھے اتنی گھبراہٹ ہوئی جس کی کوئی حد نہیں۔ غم الم اور مصیبت کی وجہ سے میرا برا حال ہوا۔ دنیا کی کوئی چیز بھی میرے پاس نہ تھی۔ نہ دوسرے وقت کا کھانا نہ اوڑھنے بچھانے کے کپڑا۔ دل پریشان تھا۔ ایسی حالت میں جینے کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ جی میں کہنے لگا کہ بکرے کی ماں کب تک خیر منائے گی۔ پہلی مرتبہ تو بچ گیا اور مجھے ایسے لوگ مل گئے جو مجھے جزیرے سے بستی میں لے گئے۔ مگر اب نا ممکن ہے کہ کوئی مجھے آبادی تک پہنچا دے۔ آخر نراس ہو کر رونے پیٹنے لگا۔ یہاں تک کہ کبھی غصے میں اپنی بوٹیاں کاٹتا' کبھی اپنا منہ پیٹتا اور اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے یہ کیا حماقت کی' اچھے خاصے اپنے وطن میں بیٹھے بٹھائے کیوں نکل پڑا۔ کھاتے پیتے' اچھے اچھے کپڑے پہنتے اور کسی مال و دولت کے محتاج نہ ہوتے ہوئے مجھے سفر کیا سوجھی! میں اس پر پچھتایا کہ پہلے سفر میں اتنی مصیبت اٹھانے کے بعد بھی میں نے دوبارہ کیوں بغداد چھوڑ کر سمندر کے سفر کا نام لیا میں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا اور میری حالت پاگلوں کی سی ہو گئی۔ میں کھڑا ہو گیا اور جزیرے میں ادھر ادھر دوڑنے بھاگنے لگا کیونکہ ایک جگہ بیٹھنا میرے لیے نا ممکن تھا۔ اس کے بعد میں ایک اونچے درخت پر چڑھ کر دائیں بائیں دیکھنے لگا لیکن سوائے آسمان اور پانی' درختوں' چڑیوں' جزیروں اور مٹی کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

غور سے دیکھنے پر مجھے جزیرے میں ایک بڑی اور سفید سی کوئی چیز دکھائی دی۔ میں درخت پر سے اتر کر اس کی طرف چل کھڑا ہوا۔ چلتے چلتے اس تک پہنچ گیا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ وہ ایک بڑا سفید اونچا اور بڑا گھیر والا گنبد ہے۔ میں نے قریب جا کر اس کے ارد گرد چکر لگایا کہیں اس کا دروازہ نہ ملا۔ وہ اتنا چکنا اور نرم تھا کہ میں اس کے اوپر چڑھ بھی نہ سکتا تھا۔ اب میں نے اس جگہ ایک نشان لگایا جہاں میں کھڑا تھا اور اس

کا گھیر ناپنے کے لیے اس کے چاروں طرف پھرا اور معلوم کیا کہ اس کا گھیر پچاس قدم ہے۔ اسی سوچ میں تھا کہ کس طرح سے اس کے اندر جاؤں جو یکایک ایسا معلوم ہو جیسے سورج ڈوب رہا ہے۔ چاروں طرف اندھیرا سا چھانے لگا۔ میں سمجھا کہ سورج پر بادل آ گئے ہیں مگر زمانہ گرمیوں کا تھا۔ اس لیے مجھے تعجب ہوا۔ اور سر اٹھا کر میں نے آسمان کی طرف نظر ڈالی۔ دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بڑے ڈیل ڈول اور لمبے لمبے پروں والا پرندہ ہوا میں اڑ رہا ہے جس کی وجہ سے سورج چھپ گیا ہے اور جزیرے پر اندھیرا چھا گیا ہے۔ یہ دیکھ کر مجھے اور بھی اچنبھا ہوا اور مجھے ایک قصہ یاد آ گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چوالیسویں رات

جب پانچ سو چوالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری نے بیان کیا کہ جزیرے میں اس پرندے کو دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور مجھے وہ قصہ یاد آگیا جو کسی زمانے میں سیاح اور مسافر سنایا کرتے تھے اور وہ یہ تھا کہ بعض جزیروں میں ایک بہت بڑا پرندہ ہوتا ہے جسے رخ کہتے ہیں۔ وہ ہاتھیوں کو لا کر اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اب میں سمجھا جو گنبد میں نے دیکھا ہے وہ رخ کا انڈہ ہے اور خدا کی مخلوقات پر مجھے سخت حیرت ہوئی۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ وہ پرندہ اس گنبد پر اترا اور اسے اپنے پروں سے ڈھانک کر اپنے پاؤں پیچھے زمین پر پھیلا دیئے۔ اور سو گیا۔ پاک ہے وہ ذات جو کبھی نہیں سوتی۔ اب میں اٹھا اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر اسے دہرا کیا۔ اس میں بل دیئے یہاں تک کہ دوسرا سرا اس پرندے کے پاؤں سے خوب مضبوط باندھ دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا ممکن ہے کہ یہ پرندہ مجھے ایسی جگہ پہنچا دے جہاں شہر اور آبادی ہو۔ اس جزیرے میں پڑے رہنے سے تو یہ اچھا ہو گا۔ رات بھر میں نے جاگتے گزاری تاکہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے وہ سوتے میں اڑا لے جائے۔ جب سویرا ہوا اور دن نکلا تو وہ پرندہ اپنے انڈے پر سے اٹھا' زور سے چیخ ماری اور مجھے لے کر ہوا میں اڑ گیا۔ وہ اتنی بلندی پر جا پہنچا کہ میں سمجھا وہ آسمان تک پہنچ گیا ہے۔ اس کے بعد وہ نیچے اترنے لگا اور اترتے اترتے مجھے لیے ہوئے زمین پر اتر آیا اور ایک اونچی جگہ بیٹھ گیا۔

جب میرے پاؤں زمین پر لگے تو میں نے جلدی سے اپنی پگڑی کی بندش ڈھیلی کر دی اس سے الگ ہو کر دور جا کھڑا ہوا۔ ڈر رہا تھا کہ کہیں وہ مجھے دیکھ نہ لے لیکن اس کی نظر مجھ پر نہ پڑی۔ اسے میری خبر بھی نہ ہوئی کہ میں کون ہوں' کہاں سے آیا؟ پھر میں اپنی پگڑی سمیت وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ اس نے کوئی چیز زمین پر سے

اپنے پنجے میں لی اور آسمان کی طرف اڑ گیا۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بڑے ڈیل والا سانپ تھا جسے وہ لے کر ہوا میں اڑ گیا تھا۔ اب میں آگے بڑھا اور دیکھا کہ میں ایک اونچی جگہ پر ہوں جس کے نیچے ایک لمبی اور چوڑی گہری گھاٹی ہے اور پاس ایک اونچا پہاڑ ہے۔ اتنا اونچا کہ کوئی اس کی چوٹی کو دیکھ نہیں سکتا' اس پر چڑھنا تو درکنار میں اپنی حرکت پر اپنے آپ کو لعنت ملامت کرنے لگا اور کہنے لگا کہ کاش میں اس جزیرے میں ہی پڑا رہتا' وہ اس ویرانے سے تو بہتر تھا! ہاں کھانے لیے کم از کم پھل اور پینے کے چشمے تو تھے۔ اس جگہ تو نہ درخت ہیں نہ پھل' نہ چشمے۔ میں نے لاحول.... پڑھی اور کہنے لگا کہ میری بھی وہ مثل ہوئی کہ آسمان سے گرا کھجور میں اٹکا۔ مگر کیا کرتا دل مضبوط کر کے اس گھاٹی میں چل کھڑا ہوا۔ اور میں نے دیکھا کہ اس کی زمین ہیروں سے بھری پڑی ہے۔ جن سے معدنیات' جواہرات' چینی اور سلیمانی پتھروں میں چھید کرتے ہیں۔ وہ بہت سخت اور خشک پتھر ہوتا ہے۔ نہ اس پر لوہا اثر کرتا ہے نہ پتھر۔ نہ کوئی اسے توڑ سکتا ہے' سوائے کرنڈے پتھر کے وہ اور کسی چیز سے نہیں گھستا۔ اس گھاٹی میں طرح طرح کے سانپ بھی تھے جس کا قد و قامت تاڑ کے درختوں کے برابر تھا اگر ہاتھی بھی ان کے پاس جاتا تو وہ اسے نگل جاتے۔ یہ سانپ رات میں نکلتے اور دن میں چھپے رہتے تاکہ کہیں انہیں رخ اور شاہین لے جا کر ٹکڑے ٹکڑے نہ کر ڈالیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ ایسا کیوں کرتے ہیں؟

میں اس گھاٹی میں ٹھہر گیا۔ مجھے اپنے کیے پر بہت پشیمانی تھی اور دل میں کہہ رہا تھا کہ خدا کی قسم میں نے اپنی موت میں جلدی کی۔ جب دن ڈھل گیا تو میں اس گھاٹی میں کوئی جگہ تلاش کرنے لگا۔ جہاں رات بسر کر سکوں کیونکہ مجھے ان سانپوں سے اتنا ڈر لگتا تھا کہ بھوک پیاس کا خیال بھی نہ رہا تھا۔ کھانا پینا بھول گیا' مجھے جان کے لالے پڑ گئے۔ قریب ہی ایک بڑا سا غار دیکھا۔ میں نے اس کے اندر جا کر پتھر سے اس کا منہ بند کر دیا اور اپنے دل میں کہنے لگا کہ اس جگہ داخل ہونے کی وجہ سے

اب میں امن و امان میں رہوں گا۔ دن نکل آئے گا تو میں نکل کر دیکھوں گا کہ تقدیر مجھے کیا دکھلاتی ہے۔ جب غار کے اندر میری نظر پڑی تو میں نے دیکھا کہ وہاں ایک

بہت بڑا سانپ غار میں اپنے انڈوں پر پڑا سو رہا ہے۔ میرا بدن کانپنے لگا اور میں نے اپنا سر اٹھا کر اپنے آپ کو قسمت کے سپرد کر دیا اور تمام رات جاگتے گزاری۔ سویرا ہوا' روشنی پھیلی تو میں وہ پتھر سرکایا جس سے میں نے غار کا منہ بند کر رکھا تھا اور باہر نکل آیا۔ لیکن بیداری اور بھوک اور ڈر کی وجہ سے میری حالت متوالوں کی میرے آگے آ گرا مگر آس پاس کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ مجھے بڑا اچنبھا ہوا اور ایک قصہ یاد آیا جو میں نے کبھی سوداگروں اور مسافروں اور سیاحوں سے سنا تھا کہ ہیرے کے پہاڑوں میں بڑی بری خوفناک چیزیں ہوتی ہیں۔ کسی کے لیے ان کے اندر جانا ممکن نہیں۔ تاجر لوگ ایک ترکیب سے انہیں لاتے ہیں۔ اور وہ ترکیب یہ ہے کہ لوگ ایک بھیڑ کو لے کر ذبح کرتے ہیں' اس کی کھال کھینچ کر اسے پہاڑ پر سے گھاٹی میں پھینکتے ہیں چونکہ وہ تر ہوتا ہے۔ ہیرے کے ٹکڑے اس میں چمٹ جاتے ہیں۔ دوپہر تک وہ یونہی پڑا رہتا ہے جب شاہین اور سفید عقاب نیچے اتر کر اس گوشت کے پاس جاتے ہیں اور اسے پنجوں میں لے کر پہاڑ کے اوپر آتے ہیں تو لوگ اس کے پاس آ کر شور و غل مچانا شروع کرتے ہیں اور وہ اس گوشت کو چھوڑ کر بھاگ جاتے ہیں۔ پھر تاجر آ کر ہیرے چھڑا لیتے ہیں جو گوشت پر چپکے ہوئے ہوتے ہیں' گوشت کو پرندوں اور درندوں کے لیے پڑا رہنے دیتے ہیں اور ہیرے لے کر اپنے وطن کو واپس چلے جاتے ہیں۔۔

اس ترکیب کے سوا ہیرے حاصل کرنے کا اور کوئی ذریعہ نہیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

پانچ سو پینتالیسویں رات

جب پانچ سو پینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- یہ ترکیب بتانے کے بعد سند باد بحری نے اپنے دوستوں سے کہا کہ جب ذبیحہ دیکھ کر مجھے یہ

قصہ یاد آیا تو میں اٹھ کر اس کے پاس گیا اور اس میں سے بہت سے ہیرے چھڑا کر اپنے کپڑوں اور جیبوں میں بھر لیے۔ میں انہیں چھڑا چھڑا کر اپنی جیبوں' پٹکے' پگڑی اور دامن میں بھر ہی رہا تھا کہ ایک بہت بڑا پرندہ منڈلانے لگا۔ میں نے اپنے آپ کو پگڑی سے اس ذبیحہ پر باندھ دیا اور چت لیٹ کر اسے اپنے سینے پر رکھا اور خوب مضبوط پکڑ لیا۔ پرند اسے جھپٹا مار کر اڑا اور میں بھی اس کے ساتھ لٹکتا ہوا اڑا۔ اڑتے اڑتے وہ پہاڑ کی چوٹی پر اترا اور اسے نوچ کر کھانا ہی چاہتا تھا کہ اس کے پیچھے ایک بڑا شور و غل اٹھا اور پہاڑ پر لکڑیوں کی سی کھڑکھڑاہٹ ہونے لگی۔ یہ آوازیں سن کر وہ پرندہ جو شاہین تھا' چوکنا ہوا اور ڈر کر ہوا میں اڑ گیا۔ میں نے اپنے آپ کو ذبحیہ میں سے کھولا اور اس کے پاس کھڑا ہو گیا۔ میرے کپڑے اس کے خون میں لتھڑے ہوئے تھے۔ اتنے میں وہ تاجر جس نے شاہین کے پیچھے شور و غل مچایا تھا' ذبیحہ کی طرف بڑھا۔ اس نے جو مجھے کھڑا ہوا دیکھا تو اتنا ڈرا اور گھبرایا کہ مجھ سے بات تک نہ کی اور ذبیحہ کے پاس جا کر اسے الٹا پلٹا لیکن اسے کوئی بھی ٹکڑا ہیرے کا نظر نہ آیا اور وہ لاحول.... پڑھنے اور ہائے افسوس' ہائے افسوس کہنے لگا۔ پیشمان ہو کر ہاتھ پر ہاتھ مارتا اور کہتا کہ یہ کیا قصہ ہے! میری ساری محنت اکارت گئی!

اب میں اس کی طرف بڑھا۔ وہ بولا کہ تو کون ہے اور یہاں کیسے آیا ہے؟ میں نے کہا ڈر مت اور پریشان نہ ہو' میں بھی انسان ہوں اور اچھے لوگوں میں سے ہوں۔ میں تاجر تھا اور میری کہانی عجیب و غریب ہے۔ میرے اس پہاڑ پر اور وادی میں آنے کا سبب بھی اچنبھے سے خالی نہیں۔ خوف نہ کر' میں تجھے وہ چیزیں دوں گا کہ تو خوش

ہو جائے گا۔ میرے پاس بہت سے ہیرے ہیں‘ ان میں سے تجھے اتنے دوں گا کہ تیرے لیے کافی ہوں گے۔ میرے پاس کا ہر ہیرا ان سے بہتر ہے جو تجھے مل سکتا ہے۔ اس لیے ڈر نہیں‘ پریشان نہ ہو۔ یہ سن کر اس شخص نے میرا شکریہ ادا کیا‘ مجھے دعائیں دیں اور مجھ سے باتیں کرنے لگا۔ جب دوسرے تاجروں نے دیکھا کہ میں ان کے ساتھی سے باتیں کر رہا ہوں تو وہ سب میرے پاس آ پہنچے۔ انہوں نے بھی ایک ایک ذبیحہ پھینکا تھا۔ میرے پاس آ کر انہوں نے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی۔ مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔

میں نے انہیں اپنی ساری کہانی سنائی‘ سفر کی تمام تکلیفیں بیان کیں۔ یہ بھی بتایا کہ میں اس گھاٹی میں کس طرح پہنچا۔ اس کے بعد میں نے اپنے پاس سے بہت کچھ اس شخص کو دیا جس کے ذبیحے سے چمٹ کر میں آیا تھا۔ وہ خوش ہو گی اور اس نے مجھے دعائیں دیں اور میرا شکریہ ادا کیا۔ تاجروں نے کہا خدا کی قسم تیری تقدیر ایک نئی عمر لکھی ہوئی ہے کیونکہ تجھ سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کوئی اس جگہ پہنچ کر پھر زندہ نکل آیا ہو‘ شکر ہے خدا کا تیری سلامتی پر پھر انہوں نے ایک نہایت اچھی جگہ رات بسر کی۔ میں بھیرات بھر ان کے ساتھ رہا۔ میں اس بات پر بہت خوش تھا کہ سانپوں کی گھاٹی سے صحیح و سلامت بچ کر آبادی میں پہنچ گیا۔ جب سویرا ہوا تو ہم اٹھے اور اس بڑے پہاڑ پر چل کھڑے ہوئے۔ ہم نے دیکھا کہ اس گھاٹی میں بہت سے سانپ ہیں۔

وہاں سے روانہ ہو کر ہم ایک باغ میں پہنچے جو ایک بڑے اور خوبصورت جزیرے میں تھا۔ جہاں کافور کے درخت تھے۔ یہ درخت اتنا بڑا ہوتا ہے کہ اس کے سائے میں سو آدمی آ سکتے ہیں۔ جب کوئی اس میں سے کافور لینا چاہتا ہے وہ کسی لمبی چیز سے درخت میں ایک سوراخ کرتا ہے اس میں سے پانی جیسی چیز نکلتی ہے‘ اسے جمع کر لیتے ہیں۔ یہی کافور کا پانی جم کر گوند کی طرح ہو جاتا ہے۔ کافور اسی درخت کا رس ہے۔ پانی نکلنے کے بعد درخت سوکھ کر لکڑی ہو جاتا ہے۔ اس جزیرے میں ایک جانور ہوتا ہے

جس کو گینڈا کہتے ہیں۔ یہ باغ میں اس طرح چرتے پھرتے ہیں جس طرح ہمارے ملکوں میں گائیں بھینسیں۔ اس کا جسم اونٹ کے جسم سے بڑا ہوتا ہے اور وہ دانہ کھاتا ہے۔

اس کا شمار بڑے جانوروں میں ہے۔ اس کے سر کے بیچ میں ماتھے پر سامنے کی طرف ایک موٹا سینگ ہوتا ہے جس کی لمبائی دس گز ہو گئی اور جس میں انسان کی شکل بنی ہوتی ہے۔ اس جزیرے میں ایک قسم کی گائے بھی ہوتی ہے۔ ملاحوں' مسافروں اور اس پہاڑ اور جنگل میں سیاحت کرنے والوں کا بیان ہے کہ یہ جانور جسے گینڈا کہتے ہیں' بڑے سے بڑے ہاتھی کو اپنے سینگ پر اٹھا لیتا ہے اور اسے جزیرے کے اندر اور سمندر کے کنارے لیے پھرتا ہے اور اس کے بوجھ کو محسوس نہیں کرتا۔ ہاتھی اس کے سینگ کے اوپر ہی مر جاتا ہے اور دھوپ سے اس کی چربی پگھل پگھل کر گینڈے کے سر پر بہنے لگتی ہے جب وہ اس کی آنکھوں میں پہنچتی ہے تو وہ اندھا ہو جاتا ہے اور سمندر کے کنارے لیٹ جاتا ہے۔ پھر رخ آتا ہے اور اسے پنجوں میں دبا کر اسے اور اس ہاتھی کو جو اس کے سینگ پر ہوتا ہے اور اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ اس جزیرے میں میں نے طرح طرح کی بھینسیں دیکھیں جن کی نظیر ہمارے ہاں پائی جاتی۔ اس گھاٹی میں ہیرے کے پتھر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ جنہیں میں اپنی جیبوں میں چھپا کر ساتھ لے گیا تھا اور جس کے عوض سوداگروں نے اپنے ملک کا مال و اسباب مجھے دیا۔ درہم اور دینار دیئے۔ مختصر یہ کہ میں ان کے ساتھ برابر سفر میں رہا۔ ملکوں کی سیر کرتا' خدا کی مخلوق کو دیکھتا۔ ایک گھاٹی سے دوسری گھاٹی اور ایک شہر سے دوسرے شہر ہوتا' خرید و فروخت کرتا ہوا آخر بصرے پہنچا۔ اور وہاں کچھ روز ٹھہر کر بغداد گیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

- ## پانچ سو چھیالیسویں رات

پانچ سو چھیالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سند بات بحری پردیس سے لوٹ کر بغداد آیا' اپنے محلے میں پہنچ کر گھر میں داخل ہوا' اس کے گھر والے اور رشتے دار ملنے آئے تو اس نے انہیں ہیروں اور مال و اسباب میں سے کچھ دیا جن کا خزانے کا خزانہ اس کے پاس تھا۔ اب وہ پھر عیش و آرام کے ساتھ رہنے لگا۔ اچھے اچھے کھانے کھاتا' عمدہ عمدہ شرابیں پیتا' قیمتی قیمتی پوشاکیں پہنتا' دوستوں اور عزیزوں میں بیٹھ کر چین سے رہتا اور جو ملتا اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا اور ساری تکلیفیں بھول گیا جو اس نے اٹھائی تھیں۔ نہایت عیش و آرام' خوشی و مسرت اور کھیل کود میں دن بسر ہونے لگے۔ جو کوئی اس کے آنے کی خبر سنتا۔ اس کے پاس آ کر سفر کا قصہ اور ملکوں کی حالت دریافت کرتا اور تمام باتیں جو اس نے دیکھی تھیں اور ساری مصیبتیں جو اس نے جھیلی تھیں' بیان کرتا۔ سننے والوں کو بڑا اچنبھا ہوتا کہ اس نے اتنی تکلیفیں برداشت کی ہیں اور وہ اس کی سلامتی پر اسے مبارک باد دیتے۔ یہ اس کے دوسرے سفر کا حال تھا۔ اس کے بعد اس نے کہا خدا نے چاہا تو کل میں تمہیں اپنے تیسرے سفر کا قصہ سناؤں گا۔ جب سند بادی بحری سند باد بری کو یہ کہانی سنا چکا تو دستر خوان بچھا۔ سب نے اس کے ساتھ کھانا کھایا۔ کھانا کھا چکے تو اس نے سند باد کو سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ وہ اس سونے کو لے کر سند باد بحری کی تکلیفوں پر غور کرتا چل دیا اور گھر پہنچ کر دوپہر تک اس کی مہماں نوازی کو یاد کرتا اور اسے دعائیں دیتا رہا۔ پھر سو گیا۔ سویرا ہوا اور دن چڑھا تو سند باد جمال نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی۔ اور سند باد بحری کے حکم کے مطابق اس کے گھر کی طرف روانہ ہوا اور اس کی مجلس میں جا حاضری دی۔ سند باد بحری نے اس کا خیر مقدم کیا اور صبح بخیر

کہا اور اپنے پاس بیٹھنے کو جگہ دی۔ جب اس کے باقی دوست احباب آ چکے اور کھانے پینے سے فراغت پائی تو سند باد بحری نے بیان کرنا شروع کیا کہ:

○ تیسرے سفر کہانی

اے میرے دوستو! تیسرے سفر کی کہانی مجھ سے سنو گے تو تمہیں بڑا تعجب ہو گا۔ وہ ان کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے جو میں نے آج سے پہلے بیان کی ہیں۔ خدا' اپنے غیب کو بہتر جاننے والا اور اس پر بہتر حکم لگانے والا ہے۔ گزشتہ زمانے میں جب کہ میں دوسرے سفر سے لوٹا اور اپنی سلامتی پر خوش و خرم تھا۔ عیش و عشرت میں زندگی بسر ہو رہی تھی اور جیسا کہ میں نے کل بیان کیا ہے بڑی دولت کما کر لایا تھا۔ خدا نے مجھے میری کھوئی ہوئی دولت کے عوض بہت کچھ دیا۔ میں ایک مدت تک بغداد میں رہا۔ بڑے مزے سے رات اور دنگزر رہے تھے کہ پھر میرا جی سفر اور سیر کے لیے للچایا' تجارت سے کمائی کرنے اور مال سمیٹنے کا شوق چرایا۔ دل تو ہمیشہ برے سے برے کام کا حکم دیتا ہے۔ میں تیار ہو گیا۔ سمندر کے سفر کے لائق بہت سا سامان خرید کر میں چل کھڑا ہوا۔ بغداد سے بصرے پہنچا اور بندر گاہ پر جا کر دیکھا کہ ایک بہت بری کشتی کھڑی ہوئی ہے جس میں بہت سے تاجر' دولت مند' دین دار اور متقی و پرہیزگار لوگ سوار ہیں۔ میں بھی ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ گیا اور خدا کا نام لے کر ہم چل دیئے اور اپنی خیریت اور سلامتی پر خوش تھے۔ ہم سمندر سمندر' جزیرے جزیرے اور شہر شہر چلے جاتے' جہاں کہیں پہنچتے سیر و تفریح' خرید و فروخت کرتے اور بڑی خوشی میں دن گزارتے۔ ایک دن جب ہم متلاطم سمندر کے بیچ میں تھے اور ناخدا کشتی کے کنارے پر کھڑا سمندر کی طرف دیکھ رہا تھا کہ ایکا ایکی وہ اپنا سر پیٹنے لگا۔ کشتی کے بادبان گرا دیئے لنگر ڈال دیئے کبھی اپنی داڑھی نوچتا' کبھی کپڑے پھاڑتا اور زور

زور سے چلاتا۔ ہم نے کہا اے ناخدا' خیر تو ہے؟ وہ بولا اے کشتی والو خدا تمہیں سلامت رکھے۔ ہوا نے ہمیں راہ سے بے راہ کر کے سمندر کے بیچ میں ڈال دیا ہے اور ہماری بدبختی ہمیں جبل الزعب کی طرف لے چلی ہے۔ وہاں کے لوگ بندروں کی طرح ہیں۔ جب کبھی کوئی بھولے چوکے ادھر جا نکلا ہے پھر زندہ نہیں لوٹا۔ میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہم سے مارے جائیں گے۔

ناخدا کی باتیں ابھی ختم نہ ہوئی تھیں کہ کشتی ساحل پر جا لگی اور بندروں کا ایک لشکر آ پہنچا۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ کشتی کو چاروں طرف سے گھیر لیا اور ٹڈی دل کی طرح کشتی اور خشکی میں پھیل گئے۔ ہم ڈرے کہ اگر ہم نے ان میں سے ایک کو بھی قتل کیا یا مارا یا بھگایا تو وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ہم سب کو مار ڈالیں گے کیونکہ تعداد بہادری پر غالب آ جاتی ہے۔ ہم سہم گئے کہ ہماری جانیں اور پونجی دونوں نہ چھین لیں۔ وہ بالکل وحشی تھے۔ ان کے بال سیاہ جمی ہوئی اون کی طرح تھے۔ انہیں دیکھ کر ڈر لگتا تھا۔ ان کی بولی کسی کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔ وہ انسانوں سے دور بستے تھے' ان کی آنکھیں زرد زرد اور چہرے کالے کالے تھے۔ ان کا قد ٹھگنا تھا۔ زیادہ سے زیادہ چار بالشت کا ہو گا۔ انہوں نے اتر کر لنگر کی رسیاں دانتوں سے کاٹیں' کشتی کو ہوا نے دھکیل کر ان کے پہاڑ پر جا پہنچایا۔ اور وہ کل تاجروں اور دوسرے کشتی والوں کو پکڑ کر جزیرے کے اندر لے گئے اور تمام سامان سمیٹ کر چلتے ہوئے۔ چونکہ وہ ہمیں لے جا کر جزیرے میں چھوڑ آئے تھے اس لیے کشتی ہماری نظر سے غائب ہو گئی اور ہمیں پتا بھی نہ چلا کہ وہ کہاں گئی۔

ہم اس جزیرے میں بیٹھے پھل اور سبزی اور میوے کھا رہے اور اس کے چشموں کا پانی پی رہے تھے کہ ہمیں جزیرے کے بیچ میں ایک آباد گھر دکھائی دیا۔ ہم اس کی طرف چل کھڑے ہوئے' دیکھا کہ وہ مضبوط اور اونچی دیواروں والا ایک محل ہے جس کا دو

پٹ والا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ دروازہ آبنوس کا بنا ہوا تھا۔ جب ہم اس محل کے اندر داخل ہوئے تو دیکھا وہاں ایک چادر دیواری ہے جو بڑے صحن کی طرح ہے جس میں بہت سے اونچے اونچے دروازے ہیں اور صدر میں ایک بڑا اور اونچا چبوترا ہے جہاں پکانے کے برتن انگیٹھیوں پر لٹکے ہوئے ہیں اور آس پاس بہت سی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں لیکن اس کے اندر کوئی شخص نہیں۔ اس پر ہمیں بڑا تعجب ہوا اور ہم محل کی چار دیواری کے اندر جا کر بیٹھ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھنے کے بعد ہمیں نیند آ گئی۔ ہم دن نکلنے سے لے کر سورج کے ڈوبنے تک سوتے رہے۔ اتنے میں ہمارے نیچے کی زمین ہلی اور ہوا میں آواز سی سنائی دی۔ محل کے اوپر سے ایک برے ڈیل ڈول والا شخص اترا اس کی شکل انسان کی سی تھی' رنگ کالا اور قد لمبا تھا۔ جیسے ایک بہت بڑا تاڑ کا درخت ہوتا ہے۔ اس کی آنکھیں آگ کے شعلوں کی طرح تھیں۔ اور اگلے دانت سور کے سے۔ منہ کنوئیں کے دہانے کی طرح بڑا اور ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی طرح سینے پر لٹکے ہوئے۔ کان دو کشتیوں جیسے کندھوں پر لٹکے ہوئے' ہاتھوں کے ناخن شیر کے پنجے کی طرح۔ اس کی صورت دیکھ کر ہمارے ہوش جاتے رہے۔ اور مارے ڈر کے ہمارا خون خشک ہونے لگا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو سینتالیسویں رات

جب پانچ سو سینتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سند باد بحری کا بیان ہے کہ ہم اسے دیکھ کر سہم گئے۔ نیچے اتر کر وہ تھوڑی دیر تک چبوترے پر بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر ہمارے پاس آیا۔ میرا ہاتھ پکڑ لیا اور کھڑا کر کے میرے بدن کو ٹٹولا اور الٹا پلٹا۔ میں اس کے ہاتھ میں ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ایک چھوٹا سا نوالہ اور وہ میرے بدن کو ایسے ٹٹول رہا تھا جیسے قصاب اس بھیڑ کو ٹٹولتا ہے جسے وہ ذبح کرنے والا ہو۔ لیکن میں تکلیفوں کی وجہ سے کمزور' محنت اور سفر کے سبب دبلا ہو گیا تھا۔ مجھ میں گوشت کہاں' ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ اس نے مجھے چھوڑ دیا اور میرے ایک دوسرے ساتھی کو پکڑ کر اسی طرح الٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا۔ جس طرح اس نے مجھے الٹا پلٹا اور ٹٹولا تھا۔ پھر اسے بھی چھوڑ دیا۔ اسی طرح وہ ایک ایک کو ٹٹولتا اور الٹ پلٹ کر دیکھتا یہاں تک کہ ہماری کشتی کے ناخدا کی باری آ گئی۔ وہ بہت موٹا تازہ چوڑے شانوں والا مضبوط اور زور آور تھا۔ وہ اسے پسند آیا اور اس نے اسے اس طرح پکڑ کر جیسے قصاب جانور کو پکڑتا ہے زمین پر دے ٹپکا اور اپنا پاؤں اس کی گردن پر رکھ کر اسے توڑ مروڑ ڈالا اور ایک لمبی سیخ لا کر اس کے پاخانے کے سوراخ میں اس طرح بھونکی کی وہ کھوپڑی میں نکل آئی اور خوب تیز آگ جلا کر اس پر وہ سیخ چڑھا دی جس میں ناخدا پرویا ہوا تھا۔ اور اتنا الٹا پلٹا کہ گوشت پک گیا۔ اب اس نے اسے آگ پر سے اتا کر اپنے آگے رکھا اور اس طرح نوچنا شروع کیا جیسے کوئی چڑیا کے بچے کو نوچتا ہے۔ اس کا گوشت ناخنوں سے نوچ نوچ کر کھانا شروع کیا۔ یہاں تک کہ تمام گوشت کھا لیا اور ہڈیاں دانتوں سے چبا ڈالیں۔ جب کچھ باقی نہ رہا تھا اس نے ہڈیاں محل کے ایک طرف پھینک دیں۔ اس کے بعد وہ تھوڑی دیر تک بیٹھا رہا اور چبوترے پر لیٹ کر سو گیا اور اس طرح خراٹے بھرنے لگا جیسے ذبح کیا ہو بچھڑا

یا کوئی دوسرا جانور۔ اسی طرح وہ صبح تک سوتا رہا اور پھر اٹھ کر چلتا ہوا۔
جب ہمیں یقین ہو گیا کہ وہ دور چلا گیا ہے تو ہم آپس میں باتیں کرنے لگے اور

اپنی جانوں کی خیر منانے لگے۔ ہم نے کہا کاش ہم سمندر میں ڈوب گئے ہوتے یا بندروں
نے ہمیں کھا لیا ہوتا! اس سے بہتر تھا کہ ہم انسان ہو کر انگاروں پر کباب کئے جائیں۔
خدا کی قسم یہ بہت بری موت ہے لیکن جو خدا چاہتا ہے وہی ہو کر رہتا ہے' سوائے
خدا کے کسی اور کا زور نہیں چلتا۔ اب ہمارا اس مصیبت سے مرنا یقینی ہے' کسی کو
ہماری خبر تک نہ ہو گی۔ اب یہاں سے بچ کر جانے کی کوئی تدبیر نہیں۔ یہ کہہ کر
ہم اٹھے اور جزیرے میں کوئی جگہ ڈھونڈنے لگے جہاں ہم چھپ سکیں یا جہاں سے بھاگنے
کا رستہ پائیں۔ ہمیں مرنا پسند تھا اور نہیں چاہتے تھے کہ ہمارا گوشت آگ پر کباب
کیا جائے مگر ہمیں کوئی جگہ ایسی نہ ملی جہاں ہم چھپیں۔ چونکہ شام ہو چکی تھی ناچار
ہم پھر محل میں واپس آ گئے۔ تھوڑی دیر بیٹھے ہی تھے کہ پھر زمین ہلنے لگی اور وہی
کالا کلوٹا پھر ہمارے پاس آیا اور پہلے کی طرح ایک ایک کو الٹنا پلٹنا شروع یا یہاں
تک کہ ایک کو پسند کر کے اس نے پکڑ لیا اور اس کی وہی درگت بنائی جو پہلے دن
ناخدا کی بنائی تھی۔ اسے بھون کر کھا گیا اور اس چبوترے پر سو رہا۔ رات بھر سوتا رہا
اور اسی طرح خراٹے لیتا رہا جس طرح کہ ذبح کیا ہوا جانور لیتا ہے۔ جب سویرا ہوا
تو وہ اٹھا اور ہمیں پہلے کی طرح چھوڑ کر چلتا ہوا۔ ہم پھر سر جوڑ کر بیٹھے اور صلاح
کرنے لگے کہ خدا کی قسم اگر ہم سمندر میں کود پڑیں اور ڈوب کر مر جائیں تو یہ
جل مرنے سے بہتر ہے کیونکہ وہ بڑی بری موت ہے۔ ہم میں سے ایک بولا کہ میری
بات سنو۔ ہمیں چاہیے کہ کسی دھوکے سے اسے مار ڈالیں۔ اس مصیبت سے چھٹکارا
پائیں اور مسلمانوں کو اس کے ظلم و زبردستی سے نجات دیں۔ میں نے کہا کہ میرے
بھائیو۔ اگر اس کا مارنا ہی ہے تو ایک کام کرو۔ پہلے ان لکڑیوں اور گھاس پھوس سے
ہمیں کشتی کی طرح ایک ناؤ بنا لینی چاہئے اس کےبعد اسے قتل کرنے کی فکر کریں

اور جب وہ مر جائے تو فوراً ناؤ میں بیٹھ کر جہاں خدا کی مرضی ہو چل دیں یا یہیں ٹھہر کر کسی کشتی کا انتظار کریں اور جس وقت کوئی کشتی آ جائے تو ہم اس میں سوار ہو جائیں اور اگر ہم اس کو قتل نہ کر سکیں تو سمندر میں کود پڑیں کیونکہ ڈوب جانا اس سے بہتر ہے کہ ہم ذبح ہو کر آگ پر بھونے جائیں۔ اس طرح سے اگر ہم بچ گئے تو بچ گئے اور اگر ڈوب کر مرے تو شہید ہوئے۔ سب نے کہا خدا کی قسم یہ ٹھیک رائے ہے اور ہم سب نے اس پر متفق ہو کر کاروائی شروع کر دی۔ لکڑیاں چن چن کر ایک ناؤ بنائی اور اسے لے جا کر سمندر کے کنارے کھڑا کر دیا اور اس میں راستے کے لیے کچھ کھانا رکھ کر محل میں لوٹ آئے۔

شام ہوئی تو پھر زمین کو جنبش ہوئی اور وہی کالا دیو کٹ کھنے کتے کی طرح ہمارے پاس پہنچا اور ہمیں ایک ایک کر کے الٹنے پلٹنے اور ٹٹولنے لگا اور ہم میں سے ایک کو لے کر اس کے ساتھ وہی حرکت کی جو اس سے پہلے والوں کے ساتھ کی تھی اور اسے کھا کر چبوترے پر سو گیا اور بجلی کی طرح خراٹے لینے شروع کیے۔ اب ہم نے اٹھ کر ان سیخوں میں سے جو وہاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ سیخیں لیں اور انہیں خوب تیز آگ پر رکھا یہاں تک کہ وہ سرخ ہو کر انگارے کی طرح ہو گئیں۔ اور انہیں خوب مضبوط پکڑ کر اس بھوت کے پاس آئے جو نیند میں پڑا خراٹے لے رہاتھا اور سیخوں کو اس کی آنکھوں پر رکھ کر ہم نے اپنے جسموں ارادے کی انتہائی قوت سے بھونک دیا وہ اس کی آنکھوں میں گھس گئیں اور اسے اندھا کر دیا۔ اب وہ اس زور سے چیخا کہ ہمارا دل کانپا تھا۔ چبوترے سے اتر کر ہمیں ڈھونڈتا پھرتا اور ہم اس کے دائیں بائیں بھاگتے حالانکہ وہ اندھا ہو گیا تھا اور ہمیں دیکھ نہ سکتا تھا پھر بھی ہمیں اس سے بڑا ڈر لگتا تھا۔ ہم اپنی نجات سے ناامید ہو چکے تھے اور ہمیں اپنی موت کا یقین آ چکا تھا اس کے بعد وہ ٹٹولتا ٹٹولتا دروازے کی طرف گیا اور چلاتا ہوا باہر کی طرف نکل بھاگا اس کے شور و غل سے زمین ہلنے لگی۔ جب وہ محل سے نکلا تو ہم بھی اس کے پیچھے

نکل آئے۔ وہ ہمارے گرگھوم گھام کر چلتا ہوا تھوڑی دیر کے بعد ایک عورت کو لے کر لوٹا جو اس سے زیادہ لمبی تڑنگی اور ڈروانی تھی۔ جب ہم نے دیکھا کہ وہ ایک عورت لو لے کر آیا ہے جو اسے بھی زیادہ بھیانک شکل کی ہے تو ہم کانپنے لگے۔ وہ ہمیں دیکھ کر تیز تیز ہماری طرف بڑھے۔ ہم نے اٹھ کر اس ناؤ کے لنگر کھول دیئے جو ہم نے بنائی تھی اور اس میں بیٹھ کر اسے سمندر میں دھکیل دیا۔ وہ دونوں بڑے بڑے پتھر لے کر آئے تھے۔ انھوں نے وہ پتھر ہماری طرف پھینکنے شروع کئے یہاں تک کہ ہم میں سے اکثروں کو پتھر مار کر مار ڈالا۔ صرف تین شخص باقی رہ گئے۔ ایک میں اور دو اور۔

اتنے میں شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو اڑتالیسویں رات

جب پانچ سو اڑتالیسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری نے بیان کیا کہ ہم میں سے محض تین شخص بچ رہے اور ناؤ ہمیں لے کر ایک

اور جزیرے میں پہنچی۔ وہاں ہم شام تک سیر کرتے رہے۔ رات ہوئی تو ہم سو گئے لیکن تھوڑی دیر کے بعد ہماری آنکھ کھل گئی۔ ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑے بھاری اور موٹے تازے اژدہے نے ہمارے گرد کنڈل مار کر ہم میں سے ایک کو شانوں تک نگل لیا ہے۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ اس کا باقی حصہ بھی نگل گیا۔ ہمیں اس کے پیٹ میں اس شخص کی ہڈی پسلیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد وہ اژدہا چلتا بنا۔ ہمیں بڑا ڈر لگا۔ ہم انے ساتھی پر افسوس کرنے لگے۔ اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ ہم نے کہا یہ بھی عجیب و غریب بات ہے' ہر نئی موت پرانی سے بد تر نظر آتی ہے۔ ہم خوش تھے کہ کالے دیو سے ہمارا پیچھا چھٹا لیکن وہ خوشی تھی پوری نہ ہونے پائی' لاحول ولا قوہ الا باللہ اس آدم خور اور ڈوبنے سے تو ہم خدا خدا کر کے بچ نکلے۔ اب اس منحوس بلا سے کس طرح بچیں گے! یہ کہہ کر ہم اٹھے اور جزیرے کر چکر لگانے اور میوے کھانے اور چشموں کا پانی پینے لگے۔ جب شام ہوئی تو ہمیں ایک بڑا اور اونچا درخت دکھائی دیا۔ ہم دونوں اس پر چڑھ کر سو گئے۔ میں سب سے اوپر کی ٹہنی پر تھا۔ رات کا اندھیرا چھا گیا تو پھر وہی اژدہا اپنی آنکھیں چمکاتا ہوا آ موجود ہوا۔ اور دائیں بائیں دیکھنے کے بعد اس درخت پر آیا جس پر ہم بیٹھے ہوئے تھے اور اس پر چڑھ کر میرے ساتھی تک پہنچ گیا۔ اسے آدھا نگل گیا۔ درخت کے اوپر ہی انگڑائی لی' مجھے اس کی ہڈیوں کے ٹوٹنے کی آواز سنائی دیتی تھی اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اسے نگل گیا۔

پیٹ بھرنے کے بعد اژدھا درخت سے اتر کر چلتا ہوا اور میں رات بھر درخت کے اوپر

ہی رہا۔ جب دن نکلا اور روشنی پھیلی تو میں درخت سے اترا' مارے ڈر اور خوف کے میری بری کیفیت تھی۔ اور چاہتا تھا کہ سمندر میں گر کر دنیا سے چھٹکارا پاؤں مگر مرنے کا بھی حوصلہ نہ ہوا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے۔ خدا کی قدرت مجھے ایک ترکیب سوجھ گئی۔ لکڑی لی اور اس میں اپنے پاؤں باندھا۔ ایسی ہی ایک لکڑ کی دہنی طرف ایک بائیں طرف اور ایک پیٹ پر باندھی اس طرح ایک بڑی لمبی چوڑی لکڑی لے کر اسے سر پر کس لیا غرض کہ میں لکڑیوں کا ایک پنجرہ سا بنا گیا۔ لکڑیاں میرے چاروں طرف ہو گئیں اور میں ان کے بیچ میں۔ اب میں گویا چوبی قلعے میں تھا۔ اس صورت میں درخت پر کیا چڑھتا۔ زمین ہی پر لیٹ کر سو گیا۔ رات ہوئی تو اژدھا روز کی طرح آیا اور مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھا۔ چونکہ میرے ہر طرف لکڑیاں بندھی ہوئی تھیں۔ مجھ پر منہ نہ ڈال سکا۔ میرے ارد گرد چکر لگاتا رہا لیکن اس کی شکل میری آنکھوں کے سامنے تھی اور میں مارے ڈر کے مردے کی طرح دم سادھے پڑا تھا۔ اژدہا دور جاتا اور پھر میرے پاس آتا۔ وہ بار بار یہی کرتا اور جب وہ میرے قریب آتا تو لکڑیاں اسے روک لیتیں جو میرے چاروں طرف بندھی ہوئی تھیں۔ اس کی یہ حالت سورج ڈوبنے سے اس وقت تک رہی کہ سویرا ہو گیا۔ روشنی پھیلی اور سورج نکل آیا۔ اس کے بعد بڑے غصے میں پھنکارتا ہوا چلتا بنا۔

وہ چل دیا تو میں نے لکڑیاں کھول دیں۔ مگر ڈر اور مصیبت کے مارے جو اژدہے کی وجہ سے میرے اوپر نازل ہوئی تھی میرا شمار زندوں میں نہیں بلکہ مردوں میں تھا۔ آخر کار میں اٹھا جزیرے میں چلتے چلتے اس کے کنارے پر پہنچا۔ اور سمندر کی طرف نظر دوڑائی تو مجھے دور سے سمندر کے بیچ ایک کشتی دکھائی دی۔ میں نے ایک درخت کی بڑی سی ٹہنی لے کر اس کی طرف ہلانی شروع کی اور شور مچایا۔ کشتی والوں نے مجھے دیکھا کہ تو کہا دیکھیں تو سہی یہ کیا ہے؟ کہیں کوئی انسان تو نہیں! چنانچہ وہ میری طرف بڑھے' میرا شور و غل سن کر میرے پاس آئے۔ مجھے اپنے ساتھ کشتی میں بٹھا

لیا اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اپنا سارا ماجرا اور جو جو مصیبتیں میں نے جھیلی تھیں' شروع سے لے کر آخر تک بیان کر دیں۔ اس پر انہیں بڑا اچنبھا ہوا۔ انہوں نے مجھے اپنے پاس سے کپڑے دیئے تا کہ میں اپنی شرم گاہ چھپا سکوں۔ پھر میرے آگے کھانا رکھا۔ میں نے اتنا کھایا کہ میرا پیٹ بھر گیا اور مجھے ٹھنڈا میٹھا پانی پلایا۔ اب میرا دل سنبھلا اور جان میں جان آئی' مجھے فرحت ہوئی کہ مرنے کے بعد خدا نے مجھے بچا لیا۔ میں نے خدا کی اس بڑی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اس حالت میں جب کہ مجھے مرنے کا یقین آ چکا تھا مجھ میں ہمت آ گئی۔ یہاں تک کہ مجھے ایسا معلوم ہونے لگا جو کچھ مجھ پر گزرا ہے' خواب ہے۔ خدا نے ہوا موافق کر دی اور ہم چلتے چلتے ایک جزیرے میں پہنچے جس کا نام جزیرہ سلاہط ہے۔ ناخدا نے وہاں لنگر ڈال دیئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو انچاسویں رات

جب پانچ سو انچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جس کشتی میں سند باد بحری سوار ہوا تھا اس نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا اور تاجروں وغیرہ نے اتر کر خریدنا اور بیچنا شروع کیا۔ سند باد بحری نے بیان کیا کہ ناخدا نے میری طرف مخاطب ہو کر کہا کہ میری بات سن‘ تو ایک پردیسی اور غریب شخص ہے تو نے خود بیان کیا ہے کہ تجھ پر بڑی بڑی بلائیں ٹوٹی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ تجھے تھوڑا سا فائدہ پہنچا دوں جس سے تو اپنے وطن پہنچ جائے اور مجھے دعا سے یاد کرے۔ میں نے کہا کہ بہت خوب‘ میں تجھے دعائیں دوں گا۔ وہ بولا کہ سن ہمارے ساتھ ایک مسافر تھا جو کھو گیا ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ وہ زندہ ہے یا مر گیا کیونکہ ہم نے اس کی کوئی خبر نہیں سنی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کا سامان تجھے دے دوں تاکہ تو اس کی فاظت کرے اور اسے جزیرے میں لے جا کر بیچے‘ ہم تیری محنت اور خدمت کے بدلے میں تجھے کچھ دے دیں گے اور جو باقی رہ جائے گا۔ اسے بغداد لے کر جائیں گے اور اس کے اہل و عیال کو تلاش کر کے جو بکا ہے اس کے دام اور باقی مال ان کے حوالے کر دیں گے۔ کیا تو اس پر آمادہ ہے کہ وہ مال اپنی سپردگی میں لے اور اسے اس جزیرے میں لے جا کر دوسرے تاجروں کی طرح بیچے؟ میں نے کہا اے میرے آقا‘ تیرا کہنا سر آنکھوں پر‘ یہ تیری مہربانی اور عنایت ہو گی میں نے اس کو شکریہ ادا کیا اور اسے دعا دی اور اس نے حمالوں اور ملاحوں سے کہا کہ وہ سامان جزیرے میں اتا کر میرے سپرد کر دیں۔ چنگی کے منشی نے کہا کہ ناخدا‘ یہ کیسا سامان ہے جسے ملاحوں اور حمالوں نے اتارا ہے اور میں اسے کس تاجر کے نام پر لکھوں؟ اس نے جواب دیا کہ اسے سند باد بحری کے نام پر لکھ جو ہمارے ساتھ تھا مگر جزیرے کے پاس ڈوب گیا ہے اور پھر ہمیں اس کی کوئی خبر نہیں ملی میں چاہتا ہوں کہ یہ پردیسی اسے بیچ کر

اس کے دام لے آئے اور ہم اس میں سے اس کی محنت کے بدلے کچھ اسے دے دیں گے اور باقی کو لے کر بغداد جائیں گے۔ اگر وہ ہمیں وہاں مل گیا تو ہم دام اسے دے دیں گے اور اگر نہ ملا تو ہم وہ بغداد اس کے گھر والوں کے سپرد کر دیں گے۔ منشی نے کہا کہ تیری بات مناسب ہے اور تیری رائے ٹھیک۔

جب میں نے ناخدا کو یہ کہتے سنا کہ سامان میرے نام پر ہے تو میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ واللہ میں ہی تو سند باد بحری ہوں اور میں ہی تو جزیرے کے پاس اور لوگوں کے ساتھ ڈوب گیا تھا۔ لیکن میں نے دل کو مضبوط کر کے صبر کیا اور جب تاجر لوگ کشتی سے اتر کر اکٹھے ہوئے اور خرید و فروخت کے بارے میں باتیں کرنے لگے تو میں نے ناخدا کے پاس جا کر کہا اے میرے آقا' کیا تجھے معلوم ہے کہ اس سامان کے مالک پر کیا گزری جسے تو مجھے بیچنے کے لیے دے رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ مجھے کچھ خبر نہیں مگر وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور اس کا نام سند باد بحری تھا۔ ہم نے ایک جزیرے میں لنگر ڈالا۔ وہاں ہمارے ساتھ کے بہت سے لوگ ڈوب گئے۔ ان سب کے ساتھ اس کا بھی پتا نہ چلا اور آج تک ہمیں اس کی کچھ خبر نہیں ملی۔ یہ سن کر میں چیخ اٹھا اور کہنے لگا کہ اے ناخدا' خدا تجھے سلامت رکھے! سند باد بحری میں ہی ہوں۔ میں ڈوبا نہیں بلکہ جب تو نے لنگر ڈالا تھا' تاجر اور دوسرے کشتی والے اترے تھے تو میں بھی ان کے ساتھ اترا۔ میرے ساتھ کچھ کھانا تھا جو میں نے جزیرے میں بیٹھ کر کھایا۔ وہاں مجھے اتنا لطف آیا کہ میں اونگھنے لگا اور سو گیا اور خوب گہری نیند سویا۔ جب میری آنکھ کھلی تو نہ وہاں کشتی تھی اور نہ میرے پاس کوئی دوسرا شخص یہ سارا مال میرا ہی ہے میں اس کا مالک ہوں۔ ان تمام تاجروں نے جو ہیرے لاتے ہیں مجھے جبل الماس میں دیکھا ہے اور وہ گواہی دے سکتے ہیں کہ میں ہی سند باد بحری ہوں کیونکہ میں ان سے اپنا سارا قصہ اور جو کچھ تمہارے ساتھ کشتی میں پیش آیا تھا' تفصیل سے بیان کر چکا ہوں اور میں نے ان سے یہ بھی کہا تھا کہ جب میں سو رہا تھا تم مجھے بھولے سے چھوڑ کر چل دیئے اور جب میں جاگا تو وہاں کوئی نہ تھا اور میرے ساتھ

یہ یہ ماجرا پیش آیا۔
میری باتیں سن کر تاجر میرے ارد گرد جمع ہو گئے۔ بعضوں نے مجھے سچا سمجھا اور بعضوں نے جھوٹا۔ یہی ہو رہا تھا کہ ایک تاجر میری زبان سے وادی الماس کا نام سن کر میرے پاس آیا اور اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اے لوگو' میری بات سنو! جب میں تم سے اپنے سفر کا عجیب ترین واقعہ سنا رہا تھا اور یہ کہا تھا کہ ہم نے وادی الماس میں ذبح کئے ہوئے جانور پھینکے اور میرے ذبیحے کے ساتھ ایک شخص لٹکتا ہوا آیا تو تم نے میرے بات کا یقین نہیں کیا بلکہ مجھے جھٹلایا۔ انہوں نے کہا کہ ٹھیک ہے تو نے ہم سے یہی بات کہی تھی اور ہم نے تیرا یقین نہیں کیا تھا۔ تاجر نے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جو میرے ذبیحے کے ساتھ لٹکتا ہوا آیا تھا اور اس نے مجھے ایسے ایسے قیمتی ہیرے دیئے تھے جن کا جواب دنیا میں نہیں اور جتنے ہیرے اس نے مجھے دیئے وہ ان سے زیادہ تھے جو میرے ذبیحے میں چپک کر آ سکتے تھے۔ پھر ہم اسے بصرے تک اپنے ساتھ لے گئے۔ وہاں ہم سے رخصت ہو کر اپنے وطن چلا گیا اور ہم اپنے وطن۔ یہ وہی شخص ہے اس نے ہم سے یہ بھی کہا تھا کہ میرا نام سند باد بحری ہے اور یہ بھی کہ وہ اس جزیرے میں رہ گیا اور کشتی چلتی بنی۔ یہ شخص اسی لیے آیا ہے کہ تم میری بات کو جو میں نے کہی ہے سچ مانو۔ یہ سامان اسی کی ملکیت ہے کیونکہ جب ہمرا ان کا ساتھ ہوا تھا تو اس نے سامان کا ذکر کیا تھا۔ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے' سچ ہے۔ اس تاجر کی باتیں سن کر ناخدا اٹھا اور میرے پاس آ کر اس نے مجھے تھوڑی دیر تک غور سے دیکھا اور کہا کہ تیرے سامان کی علامت کیا ہے؟ میں نے اپنے سامنے کی علامتیں بتائیں اور یہ بھی کہ جب میں بصرے میں تیرے ساتھ ہوا تھا تو ہمارے درمیان یہ بات طے ہوئی تھی۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ میں سند باد بحری ہوں اور وہ میرے گلے سے لپٹ گیا' مجھے سلام کیا اور میری سلامتی پر مبارک باد دی اور کہنے لگا کہ اے آقا' واللہ تیری کہانی اور داستان عجیب و غریب ہے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے تجھے ہم سے ملا دیا اور تیرا مال اور اسباب تجھے واپس دے دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو پچاسویں رات

جب پانچ سو پچاسویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ ناخدا نے سند باد جہازی سے کہا کہ شکر ہے خدا کا کہ جس نے تیرا مال اسباب تجھے واپس دلوایا۔

سند باد جہازی کہتا ہے کہ میں نے اپنے آپ کو اپنی سلامتی اور مال کے دوبارہ مل جانے پر مبارک باد دی۔ اپنی سمجھ کے مطابق لین دین شروع کیا اور اس سفر میں مجھے بہت فائدہ ہوا۔ اب ہم جزیرے خرید و فروخت کرتے سندھ کے ملک میں پہنچے۔ وہاں بھی خوب خرید و فروخت کی۔ اس سمندر میں' میں نے اتنی زیادہ عجیب و غریب چیزیں دیکھیں جو گنتی سے باہر ہیں۔ منجملہ اور چیزوں کے میں نے ایک مچھلی دیکھی جو گائے کی طرح تھی۔ دوسری گدھے جیسی اور ایک چڑیا بھی نظر سے گزری جو سمندر کے سیپ میں سے نکل کر پانی کے اوپر انڈے دیتی' وہیں انہیں سیتی اور پانی سے خشکی پر کبھی نہیں آتی۔ پھر ہم خدا کے حکم سے روانہ ہو گئے' ہوا موافق تھی اور سفر خوشگوار۔ ہم بصرے پہنچ گئے' وہاں کچھ دنوں ٹھہر کر میں بغداد آیا اور اپنے گھر گیا۔ گھر والوں اور یار دوستوں کو سلام کیا اور اس بات پر بہت خوش ہوا کہ میں صحیح و سلامت اپنے ملک' اپنے شہر اور وطن واپس آ کر اپنے گھر والوں سے ملا' میں نے خیرات کی اور تحفے دیئے' غریبوں اور یتیموں کو پوشاکیں پہنائیں' دوست احباب کا اکٹھا کیا اور کھانے پینے اور ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا۔ میں اچھے سے اچھا کھاتا پیتا اور لوگوں سے ملتا جلتا' ساری تکلیفیں اور مصیبتیں اور جو جو کچھ مجھ پر گزری تھی سب بھول گیا۔ میں نے اس سفر میں اتنا کمایا کہ جس کا حد و حساب نہیں اور وہ چیزیں جو میں نے اس سفر میں دیکھیں سب سے زیادہ عجیب و غریب۔ اگر خدا نے چاہا تو کل جب تو آئے گا' میں اپنا چوتھا سفر بیان کروں گا۔ وہ ان تینوں سے زیادہ عجیب ہے۔

یہ کہہ کر سند باد بحری نے پھر اسے مثقال سونا دینے کا حکم دیا۔ جیسا کہ وہ روز کیا کرتا تھا اور دستر خوان بچھوایا۔ لوگ کھاتے جاتے اور اس قصے پر اچنبھا کرتے جاتے۔ عشاء کے بعد وہ سب چلتے ہوئے اور سند باد حمال بھی اس سونے کو لے کو جو اسے دیا گیا تھا' چلا گیا اور جو کچھ اس نے سند باد بحری سے سنا تھا اس پر بہت تعجب کیا۔ رات اپنے گھر میں گزاری۔ جب پوپھٹی اور اجالا ہوا تو سند باد حمال اٹھا اور فجر کی نماز پڑھ کر سند باد بحری کے ہاں چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اس نے سلام کیا۔ سند باد بحری خوش ہو کر اس سے ملا۔ اسے اپنے پاس بٹھایا اور جب اس کے باقی دوست آ چکے تو کھانا لایا گیا۔ سب نے کھایا پیا' سند باد بحری خوش ہوا اور اس نے کہانی سنانی شروع کی۔

○ چوتھی کہانی

سند باد بحری نے کہا اے میرے دوستو سنو! میں بغداد کو لوٹا اور اپنے یار دوستوں اور اہل و عیال سے مل کر بڑے مزے اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے لگا' مجھے اتنا فائدہ ہوا تھا کہ میں اپنے آپ کو بھول گیا' لہو و لعب اور دوستوں کی صبحت میں رہنے اور نہایت عیش و عشرت سے دن گزارنے لگا کہ پھر میرے جی نے کہا کہ ملکوں کا سفر کرنا چاہیے۔ مجھے شوق پیدا ہوا کہ مختلف قسم کے لوگوں سے ملوں اور لین دین کرے کے کمائی کروں۔ آخر میں نے کمر باندھ لی' بحری سفر کے مناسب عمدہ عمدہ سامان خریدا اور پہلے سے زیادہ مال و سامان لے کر بغداد سے بصرے روانہ ہو گیا اور اسے ایک کشتی میں اتار کہ جس میں بصرے کے بڑے بڑے لوگ سوار تھے۔ ان کے ساتھ ہو لیا۔ ہم روانہ ہوئے۔ خدا کا کرنا ایسا ہوتا ہے کہ کشتی ہمیں متلاطم اور موج زن سمندر کے بیچ میں لے گئی۔ ہمارا سفر بہت اچھا رہا' اسی حالت میں ہم دن رات جزیرے

جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک دن مخالف ہوا چلنے لگی اور ناخدا نے اس ڈر سے کہ کہیں ہم گہرے پانی میں ڈوب نہ جائیں بیچ سمندر کے لنگر ڈال دیا۔ ہم اسی حالت میں تھے اور خدا سے دعا اور اس کے آگے گریہ و زاری کر رہے تھے کہ ایسا زبردست ہوا کا جھونکا آیا کہ بادبان پھٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور سب لوگ مع اپنے اسباب اور مال و متاع کے سمندر میں جا پڑے۔ میں بھی ان کے ساتھ موجوں کے تھپیڑے کھانے لگا اور دوپہر تک کبھی ڈوبتا کبھی اچھلتا' جینے کی کوئی آس نہ رہی مگر خدا نے کشتی کے تختوں میں سے ایک تختہ مجھ تک پہنچا دیا اور میں اور چند اور تاجر اس پر سوار ہو گئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

پانچ سو اکیاونویں رات

جب پانچ سو اکیاونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب کشتی ڈوب گئی' سند باد بحری اور چند تاجر ایک تختے پر سوار ہو گئے۔ سند باد بحری کہتا ہے کہ ایک دن اور رات ہم اسی طرح تختے پر بیٹھے پانی میں پاؤں مارے جاتے تھے۔ موجیں اور ہوا موافق تھی۔ دوسرے روز جب کچھ دن چڑھے ہوا تیز ہوئی' سمندر چڑھاؤ پر آیا اور موجیں اٹھیں تو پانی ہمیں دھکیلتا ہوا ایک جزیرے میں لے گیا۔ بیداری' تکان' سردی' خوف اور بھوک پیاس کے مارے ہم بالکل مردہ ہو رہے تھے۔ جب ہم جزیرے پر پہنچے تو ہم نے اسے بہت سر سبز پایا۔ ہم نے وہاں تھوڑا سا کھایا تا کہ ہم زندہ رہ سکیں اور ہم قوت باقی رہے۔ رات ہم نے جزیرے ہی کے کنارے گزاری۔ جب پو پھٹی اور اجالا ہوا تو ہم اٹھ کر جزیرے میں ادھر ادھر گھومنے لگے۔ ہمیں دور سے ایک عمارت دکھائی دی۔ ہم اس عمارت کی طرف چل کھڑے ہوئے۔ جو ہم نے دور سے دیکھی تھی۔ چلتے چلتے اس کے دروازے پر کھڑے ہوئے ہی تھے کہ اس میں چند ننگے آدمی نکلے اور بغیر کچھ کہے سنے وہ ہمیں پکڑ کر اپنے بادشاہ کے پاس لے گئے۔ اس نے ہم سے بیٹھنے کے لیے کہا' ہم بیٹھ گئے۔ اتنے میں کھانا لایا گیا مگر ہم اس قسم کے کھانے کو نہ تو جانتے تھے' نہ ایسا کھانا ہم نے اپنی زندگی میں کبھی دیکھا تھا۔ میری طبعیت نے گوارا نہ کیا کہ میں اسے کھاؤں۔ اس لیے میں نے کھایا نہیں مگر میرے ساتھیوں نے کھا لیا۔ میرا نہ کھانا خدا کی مہربانی تھی جس کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں۔

اس کھانے کے کھاتے ہی میرے ساتھیوں کی عقل جاتی رہی۔ وہ پاگلوں کی طرح ہو گئے اور ان کی حالت دگرگوں ہو گئی۔ اس کے بعد لوگوں نے ناریل کا تیل لا کر انہیں پلایا اور ان کے بدنوں سے چپڑا۔ تیل کے پیتے ہی میرے ساتھیوں کی آنکھیں بھینگی ہو

گئیں اور عادت سے زیادہ وہ اس کھانے کو کھانے لگے۔ مجھے اس پر تعجب ہوا۔ ان پر افسوس کرنے لگا اور ان ننگوں کو دیکھ کر مجھے خود اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ غور کرنے پر مجھے معلوم ہوا کہ وہ آتش پرست ہیں اور ان کا بادشاہ بھوت ہے جو کوئی بھی ان کے ملک میں آتا ہے یا جس کسی کو وہ دیکھتے ہیں یا اس گھاٹی اور ان راستوں میں اس سے ملاقات ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے بادشاہ کے پاس لا کر یہی کھانا کھلاتے ہیں اور یہی تیل اس کے چپڑتے ہیں جس کی وجہ سے اس کا پیٹ بڑھ جاتا ہے۔ پھر وہ اسے وہی کھانا اور تیل اور زیادہ کھلاتے پلاتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ موٹا تازہ ہو جاتا ہے۔ پھر وہ اسے ذبح کر کے اپنے بادشاہ کو کھلاتے ہیں۔ اس بادشاہ کے ساتھی بھی انسان کا گوشت بھی کھاتے تھے مگر نہ اسے بھونتے نہ پکاتے۔ ان کی حرکتوں سے میں اپنے اور اپنے ساتھیوں کے متعلق بڑا پریشان ہوا۔ ان کی یہ حالت تھی کہ عقل کے زائل ہونے کی وجہ سے انہیں اس کی خبر تک نہ تھی ان کا کیا حشر ہونے والا ہے۔ وہ ایک شخص کے سپرد کر دیئے گئے تھے جو انہیں روز جزیرے میں لے جا کر جانوروں کی طرح چراتا تھا۔ میری یہ حالت تھی میں مارے ڈر اور بھوک کے کمزور اور بیمار پڑ گیا گوشت سوکھ گیا اور ہڈیاں نکل آئیں۔ یہ حالت دیکھ کر انہوں نے مجھے چھوڑ دیا اور بھول گئے۔ کسی کو میری یاد تک نہ آئی نہ میرا خیال رہا یہاں تک کہ میں ایک زور انہیں دھوکا دے کر وہاں سے نکل بھاگا۔ بھاگتے بھاگتے بہت دور پہنچ گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک چرواہا بیچ سمندر میں کسی اونچی چیز پر بیٹھا ہوا ہے۔ غور سے دیکھنے پر مجھے معلوم ہوا کہ یہ وہی شخص ہے جسے میرے ساتھی چرانے کے لیے سپرد کیے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ویسے ہی اور بھی بہت سے لوگ ہیں۔ اس شخص نے مجھے دیکھا تو اس نے جان لیا کہ میری عقل ابھی تک زائل نہیں ہوئی اور میری وہ حالت نہیں جو میرے ساتھیوں کی ہے۔ اس نے دور سے میری طرف اشارہ کر کے کہا کہ پیچھے لوٹ اور اس راستے پر جا جو تیرے دہنی طرف ہے' وہاں سے تو شاہراہ پر پہنچ جائے

گا۔ اس کے اشارے کے مطابق میں پیچھے لوٹ پڑا اور دائیں ہاتھ والے راستے پر چل دیا اور برابر چلتا رہا۔ کبھی تو میں مارے ڈر کے تیز تیز چلتا' کبھی آہستہ آہستہ یہاں تک کہ میں اس شخص کی نگاہ سے غائب ہو گیا جس نے مجھے راستہ بتایا تھا۔ اب مجھے اطمینان ہوا کیونکہ نہ وہ مجھے دیکھ سکتا تھا اور نہ میں اس کو۔ اتنے میں سورج ڈوبا اور اندھیرا چھانے لگا۔ میں بیٹھ کر ستانے لگا اور چاہتا تھا کہ سو جاؤں مگر مارے ڈر' بھوک اور تکان کے نیند نہیں آتی تھی۔

جب آدھی رات ہوئی تو میں نے اٹھ کر جزیرے میں گھومنا شروع کیا۔ اتنے میں دن نکل آیا' سویرا ہوا اور روشنی پھیلنے لگی۔ پہاڑیوں اور گھاٹیوں پر سورج چمکا چونکہ میں تھکا ماندہ اور بھوکا پیاسا تھا۔ میں نے گھاس پات کھا کر اپنا پیٹ بھرا۔ اللہ کا شکر ہے کہ میری جان بچ گئی۔ اس کے بعد میں اٹھ کر پھر جزیرے میں ایک طرف روانہ ہوا اور دن رات برابر چلتا رہا۔ جب بھوک لگتی تو گھاس پات کھا لیتا۔ اس طرح سے میں سات دن سات رات برابر چلا گیا' آٹھواں دن ہوا مجھے دور سے کوئی چیز دکھائی دی۔ میں اس کی طرف چل پڑا۔ سورج ڈوبنے کے بعد وہاں پہنچا اوراسے دور سے غور کے ساتھ دیکھا کیونکہ بار بار تکلیفیں اٹھاتے اٹھاتے مجھے اب ڈر لگنے لگا' مجھے معلوم ہوا کہ وہاں چند لوگ کالی مرچیں جمع کر رہے ہیں۔ میں ان کے قریب گیا اور ان کی نظر مجھ پر پڑی تو وہ دوڑ کر میرے پاس آئے۔ میرے ارد گرد جمع ہو گئے اور کہنے لگے کہ تو کون ہے اور کہاں سے آیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ اے لوگو! میں ایک مسکین شخص ہوں۔ یہ کہہ کہ میں اپنا سارا ماجرا اور جو جو تکلیفیں اور مصیبتیں مجھ پر گزری تھی کہہ سنائیں۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

• پانچ سو باونویں رات

پانچ سو باونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب سند باد بحری نے ان سے اپنا سارا حال کہا تو وہ بولے واللہ یہ عجیب واقعہ ہے لیکن یہ تو بتا کہ تو ان مردم خواروں سے بچ کر اور ان سے بھاگ کر اس جزیرے میں کیسے پہنچا' ان کا تو شمار نہیں؟ وہ تو آدمیوں کو کچا کھا جاتے ہیں۔ ان سے نہ کوئی بچتا ہے اور نہ وہاں سے نکل سکتا ہے۔ میں نے اپنی ساری کہانی انہیں سنا دی اور ان سے کہا کہ انہوں نے میرے ساتھیوں کو کس طرح کھانا کھلایا مگر میں نے اس میں سے کچھ نہیں کھایا۔ انہوں نے میری سلامتی پر مجھے مبارک باد دی' میری سرگزشت پر سخت تعجب کیا اور مجھے اپنے ساتھ بٹھایا اور جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو چکے تو میرے لیے بہت عمدہ کھانا لائے۔ میں بھوکا تو تھا ہی میں نے خوب کھایا اور ان کے پاس بیٹھ کر آرام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ مجھے لے کر ایک کشتی میں سوار ہوئے اور اپنے جزیرے اور وطن میں پہنچ کر انہوں نے مجھے اپنے بادشاہ کے سامنے پیش کیا۔ میں نے اسے سلام کیا۔ اس نے مجھے مرحبا کہا' میری عزت کی اور میرا حال پوچھا۔ میں نے اسے بھی اپنا سارا کچا چٹھا سنایا جو مجھے بغداد سے نکلنے کے بعد سے اس کی خدمت میں پہنچنے تک پیش آیا تھا۔ میری کہانی سن کر اسے بھی بڑا اچنبھا ہوا اور ان لوگوں کو بھی جو اس کی مجلس میں حاضر تھے اور اس نے مجھ سے کہا کہ بیٹھ جا' میں بیٹھ گیا۔ اس نے کھانا منگوایا' لوگ کھانا لے آئے' میں نے پیٹ بھر کر کھایا اور ہاتھ دھو کر خدا کی مہربانی کی' شکریہ ادا کیا اور اس کی تعریف کی۔ بعد ازاں میں بادشاہ کے پاس سے اٹھ کر شہر کی سیر کرنے گیا۔ دیکھا کہ وہ آباد ہے۔ اس میں بہت سا مال' کھانے پینے کی چیزیں ہیں اور بازار میں لوگ خرید و فروخت کر رہے تھے۔ اس شہر میں پہنچ کر مجھے بڑی خوشی ہوئی اور میرے دل کو اطمینان ہوا اور میں وہاں کے لوگوں سے بہت مانوس

ہو گیا اور وہ ان کا بادشاہ دونوں اپنے ملک کے بڑے لوگوں سے بھی بڑھ کر میری آؤ بھگت کرنے لگے۔

میں نے دیکھا کہ وہاں کے لوگ چھوٹے ہوں یا بڑے نہایت عمدہ اور خوبصورت گھوڑوں پر سوار ہوتے ہیں مگر زین نہیں رکھتے۔ اس پر مجھے بڑا اچنبھا ہوا۔ میں نے ان کے بادشاہ سے کہا کہ اے میرے مولیٰ تو زین لگا کر کیوں سواری نہیں کرتا؟ اس سے سوار کو آرام ملتا ہے۔ اور طاقت بڑھتی ہے۔ اس نے پوچھا کہ زین کیسا ہوتا ہے؟ اس پر سوار ہونا تو درکنار ہم نے اسے زندگی بھر دیکھا تک نہیں۔ میں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں تیرے لیے ایک زین بناؤں اور تو اس پر بیٹھ کر دیکھ کر کتنا لطف آتا ہے۔

وہ بولا کہ بنا۔ میں نے کہا کہ مجھے تھوڑی سی لکڑی منگوا دے' اس نے میری خواہش کے مطابق لکڑی منگوا دی۔ اب میں نے ایک کاریگر بڑھئی کو بلوایا اور اس کے پاس بیٹھ کر اسے زین بنانا سکھایا۔ پھر اون لے کر اسے رنگا' اس کا نمدہ بنایا چمڑا منگوا کر زین پر چڑھایا اور اسے جلا دے کر چمکایا۔ اس کے بعد میں نے لوہار کو بلوایا اور اسے رکابیں بنانے کی ترکیب بتائی۔ اس نے لوہے کو ہتھوڑے سے کوٹ کر رکابیں بنائیں۔ میں نے انہیں پانی میں بجھا کر اس پر سفید رنگ چڑھایا اور اس میں ریشم کے پھندنے لگائے۔ پھر میں جا کر بادشاہ کے عمدہ گھوڑوں میں سے ایک گھوڑا لایا۔ اس پر زین لگا کر رکابیں باندھیں اور لگام دے کر گھوڑے کو بادشاہ کے پاس لے کر جا کھڑا کیا۔

وہ اسے دیکھ کر خوش ہو گیا۔ اسے بہت پسند آیا۔ میرا شکریہ ادا کیا اور اس پر سوار ہوا۔ زین پر بیٹھ کر اسے بڑا لطف آیا اور اس کے بنانے کے بدلے اس نے مجھے بہت کچھ انعام میں دیا۔

جب وزیر نے دیکھا کہ میں نے یہ زین بنایا ہے تو اس نے مجھ کو ایک اور زین بنانے کے لیے کہا۔ میں نے ویسا ہی زین اس کے لیے بھی بنا دیا۔ اب تو ملک کے تمام بڑے لوگ اور منصب دار مجھ سے زینوں کی فرمائشیں کرنے لگے اور میں بنا بنا کر انہیں دینے لگا۔ بڑھئی کو زین بنانا اور لوہار کو رکابیں بنانی سکھا دیں اور ہم زینیں اور رکابیں بنا بنا کر امیروں اور سرداروں کے ہاتھ بیچنے لگے۔ اس طرح میں نے بہت دولت جمع کر لی

اور وہ مجھے بڑا آدمی سمجھنے لگے ہر جگہ میری بہت زیادہ آؤ بھگت ہونے لگی۔ بادشاہ اس کے درباریوں' شہر اور ملک کے رئیسوں میں میرا درجہ بہت اونچا ہو گیا۔ ایک روز جب کہ میں بادشاہ کے دربار میں بڑی خوشی اور عزت کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ بادشاہ نے مجھ سے کہا اے فلاں' میری بات سن۔ تجھے ہمارے ہاں بڑی عزت حاصل ہو گئی ہے اور تو ہمارا اپنا ہو گیا ہے۔ اب ہم تیری جدائی گوارا نہیں کر سکتے' نہ تجھے اس شہر سے جاتا دیکھ سکتے ہیں میں تجھ سے ایک بات کی خواہش رکھتا ہوں بشرطیکہ تو اسے مان لے اور میرے کہنے کو نہ ٹالے۔ میں نے کہا اے بادشاہ! تو جو چاہتا ہے کہہ' میں تیری بات ہرگز نہ ٹالوں گا کیونکہ تو نے میرے ساتھ نیکی' مجھ پر احسان اور مہربانی کی ہے۔ میں خدا کا لاکھ لاکھ شکریہ ادا کرتا ہوں کہ میرا شمار نوکروں میں ہے۔ اس نے کہا میں چاہتا ہوں کہ تیری شادی یہاں کسی خوبرو اور حسین لڑکی سے کر دوں جو خوبصورت ہونے کے علاوہ مال دار بھی ہو تاکہ تو یہیں رہ پڑے اور میں تجھے اپنے محل میں اپنے ساتھ رکھوں۔ دیکھ میری مخالفت نہ کیجیو۔ نہ میری بات ٹالیو۔ بادشاہ کی یہ باتیں سن کر میں مارے شرم کے سرخ ہو گیا اور اسے کچھ جواب نہ دیا۔ اس نے کہا بیٹا' تو جواب کیوں نہیں دیتا؟ میں نے عرض کیا کہ اے میرے آقا' اے جہاں پناہ! تیرا جیسا حکم۔ اس نے فوراً قاضی اور گواہوں کو بلوا بھیجا اور میرا نکاح ایک شریف زادی سے کر دیا جو عالی نسب' مالدار' بڑے گھرانے والی' حسین و جمیل مکانوں' جائیدادوں اور جاگیروں کی مالک تھی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو تریپنویں رات

پانچ سو تریپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سند باد بحری نے بیان کیا کہ جب بادشاہ نے میری شادی ایک بڑی امیر زادی سے کر دی تو اس نے ایک بڑا اور خوبصورت مکان ہمارے رہنے کے لیے دیا' بہت سے نوکر چاکر دیئے' میرا روزینہ اور ماہانہ مقرر ہو گیا اور میں بڑے آرام اور عیش و عشرت سے زندگی گزارنے لگا۔ تمام تکلیفیں اور مصیبتیں خواب و خیال ہو گئیں۔ اپنے دل میں کہتا کہ جب میں اپنے وطن جاؤں گا تو یہ بھی میرے ساتھ ہو گی مگر جو کچھ انسان کے لیے خدا نے لکھ دیا وہ ہو کر رہتا ہے۔ کسی کو یہ معلوم نہیں کہ اس پر کیا گزرنے والی ہے۔ ہمارے دن بڑے مزے سے گزر رہے تھے میں ابھی اسے بہت چاہتا تھا۔ وہ بھی مجھے بہت چاہتی تھی۔ ہم دونوں میں بڑا سلوک تھا۔

اس کے بہت دنوں کے بعد اتفاق کی بات خدا کے حکم سے میرے پڑوسی کی بیوی فوت ہو گئی جو میرا دوست تھا' میں اس کی بیوی کی تعزیت کے لیے اس کے پاس گیا' دیکھا کہ اس کی بڑی بری حالت ہے۔ وہ بہت غمزدہ اور پریشان ہے۔ میں نے تعزیت کی' اسے تسلی دی۔ اس سے کہا کہ بیوی کے لیے اتنا غمگین نہ ہو' خدا تجھے اس سے بہتر عطا کرے گا اور تیری عمر میں برکت دے گا انشاء اللہ۔ یہ سن کر وہ زار زور رونے لگا۔ بولا اے میرے دوست! میری زندگی میں ایک ہی دن تو باقی رہا ہے۔ اس میں کس طرح دوسری سے شادی کر سکوں گا اور مجھے خدا کون سی بہتر چیز دے سکتا ہے! میں نے کہا بھائی مرنے کی بد شگونی نہ کر' تو تو بالکل ہٹا کٹا ہے۔ وہ کہنے لگا اے دوست تیری جان کی قسم کل تو مجھے نہ پائے گا اور پھر عمر بھر کبھی نہ دیکھ سکے گا۔ میں نے پوچھا کہ یہ کیسے؟ اس نے کہا آج لوگ جب میری بیوی کو دفن کریں گے مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ درگور ہونا پڑے گا۔ ہمارے ملک میں یہی دستور

ہے کہ اگر بیوی مر جاتی ہے تو اس کے شوہر کو اس کے ساتھ زندہ دفن کر دیتے ہیں اور اگر شوہر مر جاتا ہے تو اس کی بیوی ان کے ساتھ زندہ دفن ہوتی ہے تاکہ کوئی بھی اپنے ساتھی کے مرنے کے بعد زندگی کا لطف نہ اٹھا سکے۔ میں نے کہا کہ خدا کی قسم یہ بہت برا دستور ہے۔ کیا کوئی اسے توڑ سکتا ہے؟

ہم یہی باتیں کر رہے تھے کہ شہر والوں کی ایک بڑی جماعت آ پہنچی اور لوگ اس کی اور اس کی بیوی کی تعزیت کرنے لگے اور اپنے دستور کے مطابق اس عورت کی تجہیز و تکفین شروع کر دی اور ایک تابوت لا کر اس میں اسے رکھا اور اس مرد کو بھی اس کے ساتھ لے چلے۔ شہر کے باہر پہنچ کر سمندر کے قریب پہاڑ کے پاس آئے اور آگے بڑھ کر ایک بڑا پتھر اٹھایا جو ایک جگہ پڑا ہوا تھا۔ اس کے نیچے کنوئیں کے گھیرے کی طرح ایک غار دکھائی دیا۔ انھوں نے اس عورت کی لاش کو اس میں ڈال دیا۔ اب مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑا اندھا کنواں ہے جو پہاڑ کے نیچے ہے۔ اس کے بعد لوگ مرد کو لائے اور سینے کے نیچے رسی باندھ کر اسے کنوئیں میں اتار دیا اور اس کے ساتھ ایک بڑا کوزہ میٹھے پانی کا اور سات روٹیاں بھی اتار دیں۔ جب وہ کنوئیں میں اتر گیا تو اس نے اپنے بدن سے رسی کھول دی۔ لوگوں نے رسی کو اوپر کھینچ کر اسی بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا۔ وہ پہلے کی طرح ہو گیا اور میرے دوست کو اس کی بیوی کے پاس کنوئیں میں چھوڑ کر چل دیئے۔ میں نے اپنے دل میں کہا واللہ یہ موت تو پہلی موتوں سے بھی زیادہ کٹھن ہے اور ان کے بادشاہ کے پاس آ کر میں نے کہا اے میرے آقا! تمہارے ملک کا یہ کیا دستور ہے کہ مردے کے ساتھ زندہ بھی دفن کر دیا جاتا ہے؟ وہ بولا ہمارے ملک کا یہی دستور ہے کہ اگر کوئی مر جاتا ہے تو ہم اس کے ساتھ اس کی بیوی کو بھی زندہ گاڑ دیتے ہیں اور اسی طرح اگر کوئی عورت مر جاتی تو ہم اس کے شوہر کو زندہ درگور کر دیتے ہیں تاکہ جس طرح وہ زندگی میں ساتھ تھے مرنے کے بعد بھی ساتھ رہیں۔ یہ دستور ہمارے باپ دادا کے وقت سے

چلا آتا ہے۔ میں نے کہا جہاں پناہ! مجھ سے پردیسی کی بھی تم یہی گت بناؤ گے اگر میری بیوی یہاں مر جائے تو میرا بھی کیا یہی حشر ہو گا جو اس شخص کا ہوا؟ اس نے کہا' ہاں ہم تجھے بھی اس کے ساتھ دفن کر دیں گے اور تیرے ساتھ بھی یہی کارروائی کریں گے جو تو نے دیکھی ہے۔

بادشاہ کی یہ باتیں سن کر مارے رنج و الم کے میرا کلیجہ پھٹنے لگا۔ میرے ہوش اڑ گئے اور مجھے بڑا خوف آیا کہ اگر میری بیوی مجھ سے پہلے مر گئی تو وہ مجھے بھی اس کے ساتھ زندہ گاڑ دیں گے۔ اس کے بعد میں اپنے دل کو سمجھانے لگا کہ ممکن ہے میں اس سے پہلے مر جاؤں اگرچہ کسی کو یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ پہلے کون مرے گا اور پیچھے کون؟ پھر میں ادھر ادھر کی باتوں میں اپنا دل بہلاتا رہا۔ کچھ دن ہی گزرے ہوں گے کہ میری بیوی بیمار پڑی اور چند روزہ بیمار رہ کر وہ مر گئی۔ بہت لوگ میری اور اس کے گھر والوں کی تعزیت کے لیے آئے اور دستور کے موافق بادشاہ بھی میرے پاس تعزیت کے لیے آیا۔ اس کے بعد لوگ ایک مردہ شو کو لائے' اسے نہلا کر اسے بہترین کپڑے' زیور' ہار اور جواہرات پہنائے۔ یہ تمام چیزیں پہنا کر انہوں نے میری بیوی کو تابوت میں رکھا اور لے کر اس پہاڑ کے پاس پہنچے' کنوئیں کے منہ پر سے پتھر اٹھایا اور اسے اس میں ڈال دیا۔ اب میرے دوست اور سسرال والے آ کر مجھ سے رخصت ہوئے۔ میں چلانے لگا کی میں پردیسی ہوں تمہارے دستور کی پیروی نہیں کر سکتا۔ وہ میری باتیں سنتے مگر کچھ توجہ نہ کرتے۔ انہوں نے مجھے زبردستی پکڑ کر باندھا اور سات روٹیاں اور ایک میٹھے پانی کے کوزے کے ساتھ اپنے دستور کے موافق مجھے کنوئیں میں اتار دیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کے نیچے ایک بہت بڑا غار ہے۔ انہوں نے کہا کہ اپنے بدن سے رسی کھول دے مگر میں نے اسے منظور نہ کیا اور انہوں نے رسی میرے اوپر پھینک کر اس بڑے پتھر سے کنوئیں کا منہ بند کر دیا اور چلتے ہوئے۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت

ملی تھی۔

○ ○ ○

• پانچ سو چونویں رات

جب پانچ سو چونویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- جب وہ غار کا دروازہ بند کر کے اور سند باد بحری کو اس کی مردہ بیوی کے پاس چھوڑ کر چلتے ہوئے

تو اس کا بیان ہے کہ میں نے اس غار میں بہت سی لاشیں دیکھیں۔ جن میں سے سخت بد بو آ رہی تھی' میں اپنے کئے پر ملامت کرنے لگا' میں نے دل میں کہا کہ جو کچھ میرے ساتھ پیش آئے یا مجھ پر گزرے' میں اسی کے لائق ہوں۔ وہاں مجھے دن رات میں فرق نہیں معلوم ہوتا تھا۔ میں بہت تھوڑا تھوڑا کھاتا' جب تک بھوک سے پریشان نہ ہو جاتا ٹکڑا نہ توڑتا اور جب تک سخت پیاس نہ لگتی پانی نہ پیتا کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ کہیں کھانا پانی ختم نہ ہو جائے۔ میں لاحول.... پڑھتا اور کہتا کہ اس شہر میں شادی کر کے تو میں بلا میں پھنس گیا' جب کبھی میں نے یہ کہا ہے کہ اب میں مصیبت سے چھوٹ گیا ہوں تو اسے سے بڑی مصیبت میں گرفتار ہونا پڑا۔ واللہ میری یہ موت بڑی مردود موت ہے' کاش میں سمندر میں ڈوب گیا ہوتا یا پہاڑ سے گر کر جان دے دی ہوتی! اس بے ہودہ موت سے تو وہی بہتر تھا۔ اسی طرح میں اپنے آپ کو لعنت ملامت کرتا' مردوں کی ہڈیوں پر خدا سے مدد مانگتا اور موت کی تمنا کرتا لیکن میں کچھ ایسی مصیبت میں پھنس گیا تھا کہ موت بھی نہیں آتی تھی۔ اب میری یہ حالت ہوئی کہ بھوک سے کلیجا کھرچنے لگا' پیاس میرے سینے میں آگ لگ گئی اور میں نے بیٹھ کر روٹیوں کو ٹٹولا' ان میں سے کچھ کھایا اور اوپر سے چند گھونٹ پانی کے پئے اور پھر اٹھ کر غار میں ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ دیکھا کہ وہ بہت بڑا غار ہے۔ اور وہاں بہت سی لاشیں اور سڑی گلی ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں جو ایک زمانے سے وہاں ڈالی جا رہی ہیں۔ اب میں نے تازی لاشوں سے دور غار کے ایک کونے میں اپنے لیے ایک جگہ بنائی' وہیں سویا کرتا۔ مجھے دو چار ہی دن کے بعد معلوم ہوا کہ میرے کھانے پینے کا سامان

بہت کم ہو گیا ہے اور اب وہ بھی ختم ہونے والا ہے اسی لیے میں دن بھر میں کیا دو دو تین تین وقت میں نہ ایک نوالے کے سوا نہ ایک گھونٹ سے زیادہ پانی پیتا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے ہی کھانے پینے کا سامان ختم ہو جائے۔

ایک روز میں اس سوچ میں بیٹھا ہوا تھا کہ اگر میرا کھانا پانی ختم ہو گیا تو میں کیا کروں گا۔ اتنے میں پتھر اپنی جگہ سے ہٹا اور غار میں اجالا ہوا میں نے اپنے دل میں کہا ہی تھا کہ دیکھنا چاہیے اب کیا ہوتا ہے جو میں نے دیکھا کہ لوگ کنوئیں کے منہ پر کھڑے ایک مرد کی لاش نیچے اتار رہے ہیں۔ عورت کے ساتھ انہوں نے بہت سا کھانا پینا اتارا۔ میں اس عورت کو دیکھ رہا تھا لیکن وہ مجھے نہیں دیکھ سکتی تھی۔ جب لوگ کنوئیں کا منہ پتھر سے بند کر کے چلتے ہوئے تو میں اٹھا' اپنے ہاتھ میں مردے کی ایک بڑی ہڈی لی اور اس کے قریب آ کر اس کی کھوپڑی پر اس زور سے ماری کہ وہ بے ہوش کر گر پڑی۔ پھر دوسری بار اور تیسری بار مارے ہی گیا یہاں تک کہ وہ مر گئی۔ میں نے اس کا کھانا اور جو کچھ اس کے پاس تھا لے لیا اور دیکھا کہ وہ بہت سے زیور' کپڑے اور ہیرے اور جواہرات پہنے ہوئے ہے۔ اس کا کھانا پانی لے کر میں اس جگہ جا بیٹھا جو میں غار کے کنارے اپنے لیے بنائی تھی تاکہ وہاں آرام کروں۔ اس کھانے پینے میں سے اتنا خرچ کرتا جس کی مجھے زندہ رہنے کے لیے ضرورت ہوتی اس ڈر سے کہ وہ جلد ختم ہو جائے اور میں بھوک پیاس سے نہ مر جاؤں۔ میں اس غار میں مدت تک رہا اور جب کبھی وہاں کوئی دفن کیا جاتا تو اس کے زندہ ساتھی کو میں قتل کر کے اس کا کھانا پینا لے کر اپنے خرچ میں لاتا۔

ایک روز میں سو رہا تھا کہ میری آنکھ یک بہ یک کھل گئی۔ مجھے غار کے کنارے کھڑکھڑاہٹ سی محسوس ہوئی۔ میں نے اپنے دل میں کہا کہ آخر یہ کیا چیز ہو سکتی ہے! میں اٹھا اور ایک مردے کی ہڈی لے کر اس کی طرف بڑھا۔ جب اس چیز نے مجھے آتے دیکھا تو وہ بھاگ کر مجھ سے دور جا پہنچی۔ میں نے دیکھا کہ وہ کوئی وحشی جانور

ہے۔ میں نے غار کے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔ وہاں مجھے ایک چھوٹی سی جگہ میں تارے جیسا چمکتا ہوا اجالا نظر آیا جو کبھی دکھائی دیتا اور کبھی چھپ جاتا۔ میں اس کی طرف اور بڑھتا۔ جتنا قریب ہوتا جاتا اتنا زیادہ اجالا دکھائی دیتا۔ مجھے یقین ہو گیا کہ غار میں کوئی سوراخ ہے جو باہر کی طرف نکلتا ہے۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا کہ یا تو اس غار کا اس منہ کے علاوہ جس میں سے اتارا گیا ہوں' کوئی اور منہ بھی ہے یا جگہ ٹوٹی ہوئی ہے۔ تھوڑی دیر سوچنے کے بعد میں اجالے کی طرف چل کھڑا ہوا کیا دیکھتا ہوں کہ جانوروں نے پہاڑ کے پیچھے سے سرنگ لگائی ہوئی ہے جس میں سے وہ اس جگہ آتے ہیں اور پیٹ بھر کھانے کے بعد اسی سرنگ سے واپس نکل جاتے ہیں۔ یہ معلوم کر کے میری جان میں جان آئی' میرے دل کو تسکین ہوئی اور مرنے کا یقین جینے کے یقین میں بدل گیا۔ مجھے ایسا تصور بندھا کہ میں خواب دیکھ رہا ہوں اور اب میں کوشش کر کے اس سرنگ سے نکلا تو اپنے آپ کو ایک بڑے پہاڑ پر پایا جو دو سمندروں کے درمیان واقع تھا۔ جس کے ایک طرف شہر اور دوسری طرف جزیرہ تھا اور کسی شخص کی وہاں تک پہنچ نہ ہو سکتی تھی۔ میں نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔ بہت خوش ہوا اور میرے دل میں طاقت آ گئی۔ میں سرنگ میں سے ہو کر پھر اس غار میں گیا اور کھانے پینے کی جو چیزیں میں نے وہاں جمع کر رکھی تھیں' لیں' مردوں کے بہت اچھے اچھے کپڑے' لیے' کچھ پہنے باقی گٹھری باندھی اور طرح طرح کے ہار جواہرات' موتیوں کی لڑیاں' سونے اور چاندی کے زیور جن میں قسم قسم کے ہیرے جڑے ہوئے تھے انہیں مردوں کے جسم سے اتار کر اپنے اور مردوں کے کپڑوں میں باندھا اور اس سرنگ میں سے نکل کر پہاڑ کے اوپر آ گیا۔ اور سمندر کے کنارے رہنے لگا۔ ہر روز میں غار میں آتا جاتا اور جو کوئی اس میں دفن کیا جاتا اسے مار ڈالتا خواہ وہ مرد ہوتا یا عورت اور سمندر کے کنارے آ بیٹھتا تاکہ شاید خدا کے فضل سے کوئی کشتی ادھر آ نکلے اور میرے چھٹکارے کا باعث ہو۔ ہر روز میں یہی کرتا جتنا زیور وغیرہ مجھے غار میں دکھائی

دیتا اسے لا کر مردوں کے کپڑوں میں باندھ لیتا۔ ایک مدت تک میری یہی حالت رہی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

- پانچ سو پچپنویں رات

جب پانچ سو پچپنویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------- سند باد بحری کو جو زیور وغیرہ اس غار سے ملتا اسے وہ وہاں سے لے آتا۔ اس طرح وہ ایک زمانے تک سمندر کے کنارے رہتا رہا۔ اس کا بیان ہے کہ ایک دن میں سمندر کے کنارے بیٹھا ہوا اپنی حالت پر غور کر رہا تھا تو کیا دیکھتا ہوں کہ متلاطم سمندر کے بیچ میں ایک کشتی جا رہی ہے۔ میں نے مردوں کے کپڑوں میں سے ایک سفید کپڑا لے کر ایک لکڑی پر باندھا' گویا جھنڈی بنائی اور اسے لے کر سمندر کے کنارے کی طرف دوڑا اور ہلا ہلا کر اشارے کرنے لگا۔ یہاں تک کہ وہ میری طرف متوجہ ہوئے' انہوں نے دیکھ لیا کہ میں پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہوں۔ جب وہ میری طرف بڑھے اور انہوں نے میری آواز سنی تو ایک ناؤ میری طرف بھیجی جس میں کشتی کے کئی آدمی سوار تھے۔

وہ لوگ میرے قریب پہنچے تو انہوں نے مجھ سے کہا کہ تو کون ہے اور یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہے اور اس پہاڑ پر کیسے پہنچا؟ ہم نے آج تک کسی کو یہاں آتے نہیں دیکھا۔ میں نے جواب دیا کہ میں ایک تاجر ہوں' جس کشتی میں' میں سوار تھا وہ ڈوب گئی اور میں اپنا سامان لے کر ایک تختے پر بیٹھ گیا۔ خدا کی مہربانی تھی کہ میں بڑی دشواری اور مصیبت اٹھانے کے بعد اپنا سامان لے کر آخر اس جگہ پہنچ گیا۔

یہ سن کر انہوں نے مجھے ناؤ میں بٹھا لیا جو جو چیزیں میں نے اس غار میں سے نکال کر کپڑوں اور کفنوں سے باندھ رکھی تھیں' انہیں بھی رکھ لیا اور اپنی کشتی پر پہنچ کر مجھے مع تمام سامان کے ناخدا کے سامنے کھڑا کر دیا۔ اس نے مجھ سے پوچھا اے شخص تو اس جگہ کیسے پہنچا؟ یہ تو ایک بہت بڑا پہاڑ ہے اور اس کے پیچھے ایک بہت بڑا شہر آباد ہے۔ میں نے ساری عمر اس سمندر کا سفر کیا ہے اور اس پہاڑ کے پاس سے گزرا ہوں لیکن سوائے وحشی جانوروں اور پرندوں کے یہاں کچھ نہیں دیکھا۔ میں نے کہا میں

ایک تاجر ہوں۔ ایک کشتی میں سفر کر رہا تھا وہ ٹوٹ گئی۔ میرا سارا اسباب ان کپڑوں کے سوا جو تم دیکھ رہے ہو ڈوب گیا ہے۔ یہ جو کچھ بچا میں نے کشتی کے ایک بڑے تختے پر رکھ لیا اور خوش قسمتی سے میں اس پہاڑ پر آ نکلا اور اس بات کا انتظار کرنے لگا کہ کوئی ادھر سے گزرے تو مجھے اپنے ساتھ لے لے۔ میں نے ان سے شہر اور غار کی باتیں بالکل نہ کیں کیونکہ مجھے ڈر تھا کہ اس کشتی میں اس شہر کا کوئی رہنے والا نہ ہو۔ اب میں نے اپنے سامان میں سے بہت سا مال نکال کر کشتی کے مالک سے کہا کہ اے میرے آقا! تیری وجہ سے میں نے اس پہاڑ سے چھٹکارا پایا ہے لہٰذا اپنی مہربانی کے بدلے جو تو نے کی اسے قبول کر مگر اس نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا ہم کسی سے کوئی چیز نہیں لیتے اور جب سمندر کے کنارے یا کسی جزیرے میں کسی بھولے بھٹکے کو دیکھتے ہیں تو اسے اپنے ساتھ سوار کر لیتے ہیں' اسے کھانا پینا دیتے ہیں اگر وہ ننگا ہوتا ہے تو پہننے کے لیے اسے کپڑے بھی دیتے ہیں اور جب سلامتی کے ساتھ ہم بندرگاہ میں پہنچ جاتے ہیں تو اپنے پاس سے اسے کچھ نہ کچھ بطور ہدیئے کے دینے سے نہیں چوکتے' محض خدا کے لیے اس سے بھلائی کرتے ہیں۔ یہ سن کر میں نے اسے دعا دی کہ خدا تیری عمر زیادہ کرے۔

اب ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر سفر کرتے رہے۔ میں نجات کی دعا مانگتا اور اپنی سلامتی پر خوش ہوتا مگر جب مجھے اپنی بیوی کے ساتھ غار میں بیٹھنا یاد آتا تو میرے ہوش جاتے رہتے۔ خدا خدا کر کے ہم سلامتی کے ساتھ بصرے پہنچے۔ میں وہاں اتر کر کچھ دنوں ٹھہرا۔ پھر بصرے روانہ ہو گیا اور اپنے گھر میں داخل ہوا' گھر والوں اور یار دوستوں سے ملا' ان کی مزاج پرسی کی۔ وہ میری سلامتی پر خوش ہوئے اور مجھے مبارک باد دی۔ جو مال و اسباب میرے ساتھ تھا' وہ میں نے اپنے گوداموں میں رکھوایا' خیرات کی' تحفے دیئے' یتیموں' غریبوں کو کپڑے پہنائے اور بڑے عیش و عشرت سے زندگی بسر ہونے لگی۔ اور پہلے سے بھی زیادہ دوستوں کے ساتھ دوستی کے سلوک کئے اور اٹھنے بیٹھنے اور کھیل کود میں مشغول ہوا۔

یہ ہیں وہ عجیب و غریب باتیں جو میں نے چوتھے سفر میں دیکھیں۔ اب اے میرے دوست میرے ساتھ رات کا کھانا کھا اور جو تو ہر روز لیتا ہے اسے لے۔ کل جب تو آئے گا تو میں پانچویں سفر کی کہانی سناؤں گا' وہ ان سب کہانیوں سے زیادہ عجیب و غریب ہے۔ یہ کہہ کر اس نے اسے سو مثقال سونا دینے کا حکم دیا اور دسترخوان بچھایا' لوگ رات کا کھانا کھا کر اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ ہر شخص اچنبھے میں تھا کیوں کہ ہر کہانی پہلی سے بڑھ چڑھ کر حیرت میں ڈالنے والی تھی۔ سند باد حمال بھی سخت متعجب ہو کر اپنے گھر پہنچا اور بڑی خوشی اور آرام کے ساتھ سو گیا۔ جب پو پھٹی اور اجالا پھیلا تو سند باد بری نے اٹھ کر فجر کی نماز پڑھی اور سند باد بحری کے گھر چل کھڑا ہوا۔ وہاں پہنچ کر اسے صبح بخیر کہا۔ سند باد بحری نے اس کا مزاج پوچھا اور اپنے پاس بٹھایا۔ جب اس کے باقی دوست آ گئے تو سب نے مل کر کھایا پیا مزے اڑائے' خوش ہوئے اور باتیں چیتیں ہونے لگیں۔ پھر سند باد بحری نے اپنی کہانی شروع کی۔

شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو چھپن ویں رات

جب پانچ سو چھپن ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشاہ ------ سند باد بحری نے اپنا قصہ اور جو کچھ اس کے ساتھ پیش آیا تھا' بیان کرنا شروع کیا۔

○ پانچویں کہانی

اے میرے بھائیو' جب میں چوتھے سفر سے لوٹا اور کھیل کود' ہنسی مذاق میں زندگی بسر کرنے لگا' اپنی کمائی اور فائدے پر اتنا خوش تھا کہ ساری تکلیفیں' مصیبتیں بھول گیا تو پھر میرا جی چاہا کہ سفر کر کے ملکوں اور جزیروں کی سیر کروں۔ میں نے اس کا پکا ارادہ کر لیا' سمندر کے سفر کے لیے مناسب عمدہ عمدہ چیزیں خریدیں اور ان کے گٹھے باندھ کر بغداد سے بصرے روانہ ہو گیا۔ سمندر کے کنارے پہنچ کر ایک بڑی' خوبصورت اور شاندار کشتی پر میری نظر پڑی' میں نے خوش ہو کر اسے خرید لیا' اس کا سازو سامان بالکل نیا تھا' ایک ناخدا اور چند ملاح نوکر رکھے اور اپنے غلاموں کو اس کا چوکیدار بنا کر اس میں اپنا سامان رکھ دیا۔ اس کے بعد اور تاجر لوگ میرے پاس آئے' انہوں نے اپنا اسباب بھی اس میں رکھا' مجھے کرایہ دے دیا اور ہم نہایت خوش خوش چل پڑے۔ سلامتی اور کمائی کی امید میں ہمیں بہت خوشی ہوئی۔

ہم جزیرے جزیرے اور سمندر سمندر چلتے' جزیروں اور شہروں کی سیر کرنے اور ان میں اتر کر خرید و فروخت کرنے لگے۔ اسی طرح سفر کرتے کرتے ہم ایک دن ایک جزیرے میں پہنچے جو بہت بڑا تھا کوئی آبادی اس میں نظر نہ آتی تھی۔ بیاباں سا معلوم ہوتا تھا۔ اب ہم اس جزیرے میں اتر کر پھرنے لگے۔ دور سے ہمیں ایک بہت بڑا سفید گنبد دکھائی دیا۔ وہ گنبد رخ کا انڈا تھا۔ تاجر اس کی سیر کرنے لگے۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ

وہ رخ کا انڈا ہے۔ انہوں نے پتھر مار مار کر اسے توڑ ڈالا۔ ٹوٹتے کے ساتھ ہی اس میں سے بہت سا پانی نکلا اور اس کے اندر رخ کا بچہ دکھائی دیا۔ انہوں نے اسے کھینچ کر

انڈے میں سے نکالا اور ذبح کر کے بہت سا گوشت کاٹ کر لے گئے۔ ابھی تک مجھے اس کی خبر نہ تھی کیونکہ میں کشتی کے اندر تھا۔ ایک ساتھی نے مجھ سے آ کر کہا کہ اے میرے آقا اٹھ کر اس انڈے کا تماشا دیکھ جو گنبد سا دکھائی دیتا ہے۔ میں اٹھ کر اسے دیکھنے گیا تو دیکھتا ہوں کہ تاجر انڈے پر پتھر مار رہے ہیں۔ میں نے چلا کر ان سے کہا ایسی حرکت نہ کرو ورنہ رخ آ کر ہماری کشتی توڑ دے گا اور ہمیں مار ڈالے گا' مگر انہوں نے میرا کہنا نہ مانا۔ اتنے میں سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ ہمارے اوپر ایک بادل سا آ گیا جس سے چاروں طرف اندھیری چھانے لگی۔ ہم نے اپنا سر اوپر اٹھایا کہ دیکھیں تو سہی کہ ہمارے اور سورج کے درمیان کون سی چیز آ گئی ہے۔ ہمیں معلوم ہوا کہ رخ کے پروں کا سایہ ہے۔ جب رخ نے آ کر دیکھا کہ اس کا انڈا ٹوٹا پڑا ہے تو وہ شور مچانے لگا۔ اتنے میں اس کی مادہ بھی آ پہنچی اور دونوں کشتی کے گرد چکر کاٹنے اور بادلوں سے زیادہ کڑکنے لگے۔ میں نے چلا کر ناخدا اور ملاحوں سے کہا کہ کشتی کو یہاں سے نکالو اور قبل اس کے کہ ہم مارے جائیں ہمیں صحیح و سلامت یہاں سے لے چلو۔ تاجر سوار ہو گئے۔ ناخدا نے جلدی سے لنگر اٹھا دیا اور ہم اس جزیرے سے چل نکلے۔ رخوں نے جو ہمیں سمندر میں روانہ ہوتے دیکھا تو وہ تھوڑی دیر کے لیے غائب ہو گئے۔ ہم نے کشتی کو تیز تیز چلانا شروع کیا تا کہ ہم ان سے بچ کر ان کی حد سے نکل بھاگیں۔ لیکن ہم نے دیکھا کہ وہ ہمارا پیچھا کر کے ہمارے پاس آ پہنچے ہیں اور ان کے پنجوں میں پہاڑ کا ایک ایک بڑا ٹکڑا ہے۔ پہلے نر نے اپنا پتھر ہمارے اوپر چھوڑا مگر ناخدا نے کشتی جلدی سے پھیر دی اور وہ پتھر سے بال بال بچ گئی' پتھر کشتی کے قریب پانی میں جا گرا۔ اس کے گرنے سے کشتی اچھلنے لگی اور ہمیں سمندر کی تھاہ نظر آنے لگی۔ اس کے بعد رخ کی مادہ نے اپنا پتھر ہمارے اوپر

چھوڑا جو پہلے پتھر سے چھوٹا تھا مگر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی کے پچھلے حصے میں آ کر لگا اور چور چور ہو گیا۔ ساتھ ہی پتوار بھی بیسیوں ٹکڑے ہو کر اڑ گیا۔ جو کچھ کشتی میں تھا' سمندر میں جا پڑا۔ جان بڑی پیاری ہوتی ہے' میں اپنی نجات کی تدبیر سوچنے لگا۔ خدا کی قدرت سے اس کشتی کا ایک تختہ میرے ہاتھ لگ گیا۔ اس پر چڑھا بیٹھا اور اسے پاؤں سے کھینا شروع کیا۔ ہوا کی لہروں کی مدد سے چلتا رہا۔ کشتی ایک جزیرے کے قریب سمندر میں ڈوبی تھی' خدا کے حکم سے تقدیر نے مجھے ایک جزیرے پر پہنچا دیا۔

جب میں وہاں پہنچا تو میرا آخری سانس آ جا رہا تھا' تکان' تکلیف اور بھوک پیاس کی وجہ سے میری حالت مردوں کی سی ہو رہی تھی' سمندر کے کنارے دیر تک پڑا رہا۔

یہاں تک کہ مجھ میں کچھ دم آیا اور میں اٹھ کر جزیرے میں پھرنے کے قابل ہوا۔

دیکھا تو وہ جزیرہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے' درخت سرسبز چشمے لبریز' چڑیاں چہچہا رہی اور اس ذات کی پاکی بیان کر رہی ہیں جو زبردست ہے اور ہمیشہ رہنے والی۔

اس جزیرے میں بے حد درخت' میوے' اور طرح طرح کے پھول کھلے ہوئے تھے۔

میں نے اتنے میوے کھائے کہ میرا پیٹ بھر گیا اور چشموں سے اتنا پانی پیا کہ سارے جسم میں تراوت آ گئی۔ اس پر خدا کی حمد و ثناء کی۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○

• پانچ سو ستاون ویں رات

پانچ سو ستاون ویں رات ہوئی تو اس نے کہا اے نیک نہاد بادشا! جب سند باد بحری ڈوبنے سے بچ کر جزیرے میں پہنچا۔ میوے کھائے' چشموں کا پانی پیا ار خدا کی حمد و ثناء کی تو اس کا بیان ہے کہ میں اسی طرح جزیرے پر بیٹھا رہا یہاں تک کہ شام ہو چلی اور رات آ گئی۔ تنہائی اور خوف لیکن کیا کرتا نہ وہاں کوئی آواز سنائی دیتی تھی نہ کسی آدمی کا پتا تھا۔ اسی حالت میں مجھے نیند آ گئی۔ میں سو گیا۔ اور صبح تک سوتا رہا۔ جب صبح ہوئی تو میں اٹھ کر ادھر ادھر پھرنے اور سیر کرنے لگا' دیکھا کہ ایک چشمے کے پاس ایک حوض ہے اور حوض کے کنارے ایک بوڑھا بیٹھا ہوا ہے جس کی پوشاک درختوں کے پتے ہیں۔ میں اپنے دل میں کہنے لگا شاید اس بوڑھے کی بھی کشتی ٹوٹ گئی ہے' وہ ڈوبنے سے بچ کر اس جزیرے میں آ گیا ہو گا۔ میں نے اس کے پاس جا کر سلام کیا۔ اس نے اشارے سے سلام کا جواب دیا' منہ سے کچھ نہ بولا۔ میں نے کہا کہ بڑے میاں تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ اس نے سر ہلایا' افسوس کا اظہار کیا اور ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ مجھے اپنی پیٹھ پر بٹھا کر دوسرے حوض کے پاس لے چل۔ میں نے سوچا کہ اس کے ساتھ یہ بھلائی ضرور کرنی چاہیے۔ آؤ اسے وہاں پہنچا دوں جہاں وہ چاہتا ہے تاکہ مجھے اس کا ثواب ملے۔ میں نے آگے بڑھ کر اسے اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور جس جگہ اس نے اشارہ کیا تھا وہاں لے گیا اور کہا کہ جس جگہ تو پہنچنا چاہتا تھا۔ پہنچ گیا ہے' اب اتر۔ وہ میرے کندھے پر سے نہ اترا بلکہ اپنی ٹانگیں میری گردن میں لپیٹ لیں۔ میں نے دیکھا کہ اس کی ٹانگیں ایسی کالی اور کھردری ہیں جیسی کہ بھینس کی۔ میں ڈر گیا اور ارادہ کیا کہ اسے کندھے سے نیچے گرا دوں لیکن وہ میری گردن پر اپنے پاؤں جما کر بیٹھ گیا اور اس زور سے میرا گلا دبایا کہ میری آنکھوں کے آگے اندھیرا آنے لگا اور مجھے اپنے آپ کی خبر نہ رہی' میں غش

کھا کر مردے کی طرح گر پڑا۔ اس نے اپنی پنڈلیاں اٹھا کر میری پیٹھ اور پٹھے پر مارنی شروع کیں۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف ہوئی کہ میں اس لے کر اٹھ کھڑا ہوا اور وہ میرے کندھے پر سوار رہا۔ میں اسے لیے لیے تھک گیا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ درختوں کے بیچ میں چل جہاں عمدہ عمدہ پھل ہیں۔ جب میں اس کا کہنا نہ مانتا تو وہ مجھے اپنی ٹانگوں سے اس زور سے مارتا کہ کوڑے کی مار بھی اس کے آگے مات تھی۔

الغرض وہ جہاں جانا چاہتا میری طرف ہاتھ سے اشارہ کرتا۔ میں اسے وہاں لے جاتا اور اگر میں ذرا بھی سستی کرتا تو وہ مجھے پیٹتا۔ میں اس کے ساتھ مثل قیدی کے تھا۔ اسی حالت میں ہم جزیرے کے بیچ میں پہنچے جہاں درخت تھے۔ وہ میرے کندھے پر ہی پیشاب کرتا اور پاخانہ پھرتا اور دن رات سوار رہتا اور اگر سونا چاہتا تو اپنے پاؤں میری گردن میں لپیٹ کر اپنی نیند بھر لیتا اور پھر جاگ کر مجھے مارنا شروع کر دیتا۔ میں جھٹ اٹھ کھڑا ہوتا۔ اس سے مجھے اتنی تکلیف پہنچتی کہ میں اس کی مخالفت بھی نہ کر سکتا۔
میں اس بات پر اپنے اوپر لعنت ملامت کرتا کہ میں نے اس پر مہربانی کی اور اسے اپنے اوپر بٹھایا۔ یہ میری حالت ایک مدت تک رہی اور میں نے بے حد تکلیف اٹھائی۔
اپنے دل میں کہتا کہ میں نے تو اس کے ساتھ بھلائی کی تھی لیکن وہ بھلائی برائی نکلی، خدا کی قسم اب میں عمر بھر کسی کے ساتھ بھلائی نہ کروں گا۔ اب میں خدا سے ہر وقت اور ہر گھڑی موت کی دعا مانگنے لگا کیونکہ میری تکلیف ار مصیبت کی کوئی انتہا نہ تھی۔ بہت دنوں تک اسی حالت میں رہنے کے بعد ایک دن میں جزیرے میں ایک جگہ پہنچا۔ دیکھا وہاں بہت سے تو بنے پڑے ہوئے ہیں جن میں کچھ خشک بھی ہیں۔ میں نے ان میں سے ایک بڑا سوکھا ہوا تونبا اٹھا لیا اور اس کا اوپر کا حصہ کاٹ کر اسے صاف کیا۔ انگور کی ایک بیل کے پاس جا کر اس میں انگور بھرے اور اس کا منہ بند کر کے اسے دھوپ میں رکھ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خالص شراب ہو گئی۔ اور میں روز تھوڑی تھوڑی پینے لگا تا کہ اس مردود شیطان کی تکلیف سے ذرا آرام ملے کیونکہ

جب مجھے ذرا نشہ ہو جاتا تو میری ہمت بڑھ جاتی۔ ایک دن اس نے مجھے شراب پیتے دیکھ لیا۔ اشارے سے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ میں نے کہا یہ بڑی اچھی چیز ہے' اس سے

دل مضبوط ہوتا ہے اور پریشانی جاتی رہتی ہے۔

اب میں اسے لے کر درختوں کے بیچ میں نے ناچنے اور نشے میں تالیاں بجانے اور دل کھول کر گانے لگا۔ مجھے اس حالت میں دیکھ کر اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا کہ میں اسے بھی تو بنی دوں وہ بھی تھوڑی سی پئے۔ مارے ڈر کے میں نے اسے تو بنی دے دی اس نے جو کچھ بچی کھچی تھی پی لی اور تو نبی کو زمین پر پھینک دیا۔ اسے اتنا مزہ آیا کہ وہ میرے کاندھے پر جھومنے لگا۔ اس کے بعد اسے اتنا نشہ ہو گیا کہ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ میرے کندھے پر سیدھا بیٹھ نہ سکا۔ جب مجھے یقین ہو گیا کہ وہ نشے میں ہے اور آپے سے باہر ہو گیا ہے تو میں نے ہاتھ بڑھا کر اپنی گردن سے اس کے پاؤں کھول دیئے اور جھک کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسے گرا دیا۔

اور شہر زاد کو صبح ہوتی ہوئی دکھائی دی اور اس نے وہ کہانی بند کر دی جس کی اسے اجازت ملی تھی۔

○○○